کربلا تا کربلا

ڈاکٹر وحید اختر

کربلا تا کربلا

ڈاکٹر وحید اختر

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

طبعِ اوّل ——— ۱۹۹۰ء
تعداد ——— ۶۰۰
ناشر ——— مصنف
قیمت ——— ۱۲۰ روپے

ملنے کے پتے:
۱. زرافشاں، دودھ پور، علی گڑھ
۲. مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، علی گڑھ، بمبئی
۳. آندھرا پردیش اردو اکیڈمی، حیدرآباد
۴. نصرت پبلشرز، لکھنؤ
۵. اردو بک سنٹر، کیلانگر، علی گڑھ

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اتر پردیش
کے مالی تعاون سے شایع ہوئی۔

یہ مراثی اپنے ممدوحین کے واسطے سے نذر ہیں ان کی جنھیں ذکرِ حسینؑ عزیز رہا

والدِ مرحوم **سیّد نذر عبّاس نقوی**

والدۂ مرحومہ **سیّدہ علیہ بیگم**

جن کی زندگیاں مصایب اہل بیت علیہم السّلام کی ورثہ دار ہیں

اپنی مرحوم بہن **سیدہ ارشدی بیگم** جو بچپن میں رحمتِ حق سے ملحق ہوئی

اور اپنے مرحوم بھائیوں

سیّد حمید اختر نقوی اور **سیّد وقیع عبّاس نقوی** کے نام

جو جہادِ زندگی سے تھک کر ارضِ تاج کی خاک میں سو رہے ہیں۔

اور آخر میں اپنی عزیز شریکِ حیات **سیّدہ مہ لقا قرائی** کے نام
جو ۳ رجولائی ۱۹۸۸ء کو ایرانی ایربس کے فاجعہ میں امریکی مزائلوں کے
حملے سے شہید ہوگئیں۔ مرثیوں کی کتابت کے بعد تک وہ زندہ تھیں۔
کیا خبر تھی کہ ان کی اشاعت ان کی شہادت کے بعد ہوگی — اور
ان کا نام بھی مرحوم اعزّا میں اضافہ کرنا پڑے گا ۔

کرب و بلا کے عاشق تھے تم، کرب و بلا کے کُشتہ بھی آخر دفن ہوئے تھے
تم کو یہ بھی تھا نہ گوارا، کوئی کفن دے اور دفنائے، تم نہیں آئے

فہرست

پیش گفتار —— ۹

۱۔ چادرِ تطہیر —— ۲۵

مریم سے بھی سوا ہے فضیلت بتولؑ کی

(درحالِ سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ)

۲۔ قلعہ کشا —— ۵۷

قلعے تعمیر کیے دستِ ہوس کاری نے

(درحالِ مولائے کائنات اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالب)

۳۔ شہیدِ عطش —— ۸۳

برسی نہیں نغموں کی گھٹائیں کئی دن سے

(درحالِ علی اصغرؑ)

۴۔ علمدارِ امن —— ۱۰۳

اے ساقیِ حیات و مسیحائے کائنات

(درحالِ ابو الفضل العباسؑ)

۵۔ سالارِ قافلۂ شوق —— ۱۳۹

ہے قافلۂ جراتِ رفتار سفر میں

(درحالِ سید الشہدا حسینؑ ابن علیؑ)

۶۔ تیغِ زبانِ زینبؑ —— ۱۵۷

رات یہ حق کے چراغوں پہ بہت بھاری ہے

(درحالِ ثانیِ زہراؑ زینبؑ کبریٰ بنتِ علیؑ

۷۔ شہادتِ نطق ——— ۱۹۳

یارب! مری زبان کو جرأت بیاں کی دے

(در حالِ شبیہہِ پیمبرؐ علی اکبر ابن الحسینؑ)

۸۔ کربلا! اے کربلا! ——— ۲۲۹

کربلا! اے کربلا! اے کربلا! اے کربلا!

(در حالِ مطلوبانِ شہادت)

پیش گفتار

میں نے ہوش کی آنکھ کھولی اور زبان نے الفاظ کی ادائیگی سیکھنی شروع کی تو ماں باپ کی گفتگو کے ساتھ کان آشنا ہوئے اور زبان شناسا ہوئی عزاداری کی مجلسوں میں ذکرِ حسینؑ اور شہدائے کربلا کے نثری و شعری بیان سے۔ مجالسِ عزا نصف صدی قبل تک، بلکہ اس کے بعد بھی ذہنی تربیت، جذباتی تہذیب اور لسانی اظہار کی سب سے موثر درسگاہیں تھیں۔ ذاکر لفظوں کے معانی کی گرہ کشائی کا گُر جانتے تھے، لفظوں کو فن کارانہ دسترس سے برتنے پر قادر تھے اور سامعین مخصوص اشاروں، مستعملہ استعاروں اور کنایوں کو سمجھتے تھے۔ کسی بڑے تاریخی واقعے کو چند لفظوں کے کنایے کی مدد سے سمجھتے اور اس کی داد دیتے تھے۔ اس فضا میں جب خود اپنے آپ کو منبر پر لے جانے کا جذبہ پیدا ہوا تو عمر اتنی کم تھی کہ رٹے رٹائے، سُنے سنائے اور پٹے پٹائے اظہارات و بیانات ہی کی سیڑھیوں سے چڑھ کر خود کو مجالس کے مجمع سے آشنا کرایا۔ دس برس کی عمر سے کبھی ذاکری کے چھپے ہوئے مسودات کی مدد سے اور کبھی خاندانِ انیسؔ و سلسلۂ دبیرؔ کے مرثیہ گویوں کے مختصر مراثی کے وسیلے سے ذکر شہدائے کربلا کے شرف سے خود کو مشرّف کرنا شروع کیا۔ اسی عمر سے ٹوٹی پھوٹی زبان میں، عروض و معانی و بیان کا کسی سے درس لیے بغیر، کسی استاد یا کہنہ مشق شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے مرحلے سے گذرے بنا نوحے، سلام اور مرثیے لکھنے کی ابتدائی کوششیں شروع کیں۔ میرے لکھے ہوئے نوحے، جو عموماً اُس وقت کے مقبول ترین نوحہ گو نجم آفندی اکبرآبادی یا فضلؔ لکھنوی کی زمینوں میں اُنہی کے مضامین کے چربے ہوتے تھے، میرے چھوٹے خوش گلو بھائی حمید اختر ماتم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مرثیہ خود میں ہی پڑھتا تھا۔ مگر مرثیہ گوئی خود اپنی نظر میں اتنی ناقص تھی کہ ایک دو کوششوں کے بعد ذاکری پر ہی توجہ کی۔ بی۔ اے تک پہونچتے پہونچتے

اتنا مطالعہ کر لیا تھا اور تقریر کی ایسی مشق بہم پہنچالی تھی کہ ہزاروں کے مجمع میں بلا جھجک گھنٹوں تقریر کر لیتا تھا۔ عقیدہ محکم، جذبہ سچّا اور شہدا سے جذباتی واسطہ مخلصانہ تھا جس کی وجہ سے بات کا اثر بھی سامعین پر ہوتا اور مصایب کے بیان میں رقّت بھی غیر معمولی ہو جاتی — میری شاعری اور تقریر دونوں کی اولین تربیت گاہ یہی مجالس اور میری یہی کاوشیں تھیں۔ یہ مشق اسکول اور کالج کے تقریری مقابلوں اور مباحثوں میں بھی کام آئی، اور شعر گوئی میں لفظ و معنی کے رشتے کو تخلیقی سطح پر برتنے میں بھی ممد و معاون ہوئی۔

پھر کچھ ایسا ہوا کہ انٹر میں آنے تک عزائی شاعری سے طبیعت بالکل ہٹ گئی۔ اس وقت ترقی پسند ادبی تحریک کا غلغلہ تھا اور نوجوان اس کے حلقۂ اثر میں تیزی سے آ رہے تھے۔ اسکول کے زمانے ہی میں اقبال، جوشؔ، سردار جعفری، کیفیؔ، فیضؔ، اخترؔ شیرانی کے علاوہ حالیؔ، غالبؔ، میرؔ، سوداؔ، نظیرؔ، انشاؔ اور انیسؔ کو پڑھ لیا تھا۔ یہی نہیں اُردو کا کوئی ناول اور افسانہ، داستانوں سے پریم چند اور جدید افسانہ تک شاید ہی چھوٹا ہو۔ تنقید میں مجنوںؔ، نیازؔ، احتشام حسین کو زیادہ پڑھا تھا۔ مارکس اور اینگلز کی کچھ کتابیں، اور ان سے زیادہ روس سے چھپنے والا پراپیگنڈا لٹریچر اور اس کے اردو تراجم، انٹر میں آنے تک پڑھ ڈالے۔ مضامین تو میرے سائنس اور ریاضیات تھے، لیکن اسلامیات و ادبیات سے شغف اور ان کے مطالعے کا شوق بھی کم نہ تھا۔ شعر گوئی نے نصابی مضامین سے منحرف کر کے ادب و فلسفہ کی راہ پر ڈالا تو بی اے میں سائنس کو خیر باد کہہ کر فلسفہ، نفسیات اور سیاسیات کے مضامین اختیار کیے — لیکن ان چند برسوں میں نہ تو مذہبیات میری پہلی محبت کا درجہ رکھتی تھیں اور نہ فلسفہ۔ انٹر میں تھا، ۱۶ برس کی عمر ہوگی، ابتدائی نظمیں چراغ، شاہراہ، سب رس اور ادبِ لطیف میں چھپیں۔ نظم میں اس کم عمری میں اپنا کلام ترقی پسندوں کی آمریت کے دور میں چھپوا لینا کسی نو واردِ بساطِ سخن کے لیے آسان کام نہ تھا۔ میں ترقی پسندی کا ہمدرد اور مؤید تھا، ناپختہ ذہن نے مارکسزم سے منفی اثر یہ لیا کہ مجالسِ عزا کے ساتھ ذاکری بھی ترک ہو گئی — آٹھ برس، ۵۲ء سے ۶۰ء تک میرا ذہنی اور ادبی سفر مذہب سے دُور لے جانے والے راستے پر ہی ہوتا رہا۔ ۵۸ء میں میرے ایک بے ضرر سے مضمون پر (صبا، جولائی، اگست ۵۸ء) سیّد سجاد ظہیر نے بڑی سخت تنقید کر کے مجھے تشکیک،

نئی نسل کی گمراہی اور کمیونزم دشمنی کا مرتکب قرار دیا۔ بحث چلی جس کی گونج دو تین سال ہندو پاکستان کے ادبی رسائل میں سنائی دیتی رہی۔ ۱۹۶۰ء میں پی ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد علی گڑھ کا رخ کیا، یہاں فلسفہ کی لکچرشپ مل گئی۔ ۱۹۶۱ء کے عشرۂ محرم میں اپنے آبائی وطن نصیرآباد (جائس) ضلع رائے بریلی گیا۔ وہاں ایک عزیز محترم فخرِ قوم سیّد کلب عباس نے ایک روز چیلنج کر دیا کہ اب کوئی مرثیہ کیا لکھے گا ماہیؔ صاحب تک نہ لکھ سکے۔ کلب عباس صاحب میرے پھوپھا ہوتے تھے اور ماہیؔ جایسی سے بھی یہی رشتہ تھا۔ دونوں میرے والد سے بھی عمر میں بہت بڑے تھے۔ جواب دینے کی جرأت، ترقی پسندی و جدیدیت کے باوجود پیدا نہ ہوئی۔ دن بھر سوچتا رہا کہ یہ بات غلط ہے، رات بھر بیٹھ کر مرثیہ لکھا، ”برسی نہیں نغموں کی گھٹائیں کئی دن سے“۔ حضرت علی اصغر کے حال میں۔ مقصد جولانیِ طبع کا ثبوت دینے کے ساتھ یہ بھی تھا کہ کسی بھی صنف کے لیے یہ سمجھنا کہ کسی شاعر یا شعرا کے ایک خانوادے پر اس کا خاتمہ ہو گیا، غلط بات ہے۔ انیسؔ کے علاوہ جوشؔ کے مسدس (جن پر مرثیے کا اطلاق مشکل ہی سے ہو سکتا ہے) نظر میں بھی تھے اور ذہن میں بھی ان کی گونج محفوظ تھی۔ رات بھر میں ۱۱۰ بند کا مرثیہ مکمل کر کے دوسری صبح مجلس میں فخرِ قوم سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو رات لکھا ہوا مرثیہ پیش کروں — حیرت کے ساتھ اجازت دی۔ نصیرآباد کے سامعین، باوجود اس کے کہ عموماً رسمی تعلیم سے نابلد ہیں، شعری زبان اور خصوصاً عزائی ادب کی نزاکتوں کے ایسے پارکھ ہیں کہ بڑے سے بڑے مجتہدین و ذاکرین کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ نصیرآباد غفرانمآب اور خاندانِ اجتہاد کا وطن ہے۔ جدید طرزِ ذاکری کے موجد اور اب تک اس فن کے سب سے بڑے ماہر مولانا سید سبط الحسن صاحب قبلہ نصیرآباد ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اکثر مجتہدین کا رشتہ اس چھوٹے سے اجڑے ہوئے ساداتِ نقوی کے قصبہ سے آج بھی برقرار ہے۔ اس قصبہ کے بظاہر مفلوک الحال لیکن زبان و محاورہ کی رمز شناسی سے مالا مال مجمع نے داد دی۔ ایسی داد پھر مجھے نہ حیدرآباد کے ہزاروں کے مجمع میں ملی اور نہ لکھنؤ کی بہت بڑی مجلس میں۔ کلب عباس صاحب کے مزاج کی ضد اور ٹیڑھ سے جو واقف ہیں، انھیں یہ سن کر حیرت نہ ہوگی کہ مرحوم نے داد دینے کے ساتھ پھر اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا ”اتفاق سے ایک مرثیہ ہو گیا تو یہ نہ سمجھو کہ تم مرثیہ آئندہ بھی لکھ سکتے ہو۔“ اِس جملے نے طبع کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ جوانی کی عمر، طبیعت رواں، جدید نظم گوئی میں قدرت اور ایک نئے انداز کی بنا ڈالنے کا دعویٰ، سب نے

مل کر اکسایا تو دو شب و روز کی کاوش سے ایک اور مرثیہ لکھا۔ ساقی بنامِ امن مے لالہ فام دے، حضرت ابو الفضل العباس کے حال میں۔ بعد میں اس مرثیے کے چہرے میں اضافہ کر کے مطلع یوں کر دیا ؎

اے ساقیِ حیات و مسیحائے کائنات

۱۱ محرم کو اسی امام باڑے کی مجلس میں جہاں پہلا مرثیہ پڑھا تھا، اسے پڑھا۔ کئی سال کے وقفے کے بعد حیدر آباد میں کچھ بزرگوں کے اصرار پر انہی میں سے ایک مرثیہ پڑھنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس مجلس میں اس وقت کے مرثیہ اور مذہبی شاعری کے کئی زعما محض اس اشتیاق میں تشریف لائے کہ ایک جدید انداز کا شاعر کس طرح کا مرثیہ کہتا اور کس طرح سے پڑھتا ہے۔ نجم آفندی، علامہ ناصر زید پوری، تراب یار جنگ، باقر امانت خانی، خاور نوری — ان کے علاوہ مشہور نظم گو شعرا میں مخدوم محی الدین، سلیمان اریب، شاذ تمکنت اور دوسرے بہت سے احباب بھی آئے، مرثیہ پسند کیا گیا۔ پھر تو یہ معمول ہو گیا کہ ہر سال جب بھی گرما کی تعطیلات میں حیدر آباد جاتا ایک مرثیہ ضرور پڑھتا۔ علی گڑھ میں مولانا احسن مارہروی تلمیذ داغ کے گھر پر ۹ محرم کی صبح برسوں سے ایک مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں علی گڑھ آیا تو سید العلما قبلہ علی نقی صاحب مجتہد العصر یہ مجلس پڑھتے تھے۔ ایک سال وہ عشرہ پڑھنے باہر تشریف لے گئے، کوئی ذاکر دستیاب نہ ہوا تو محمد حسین رضوی صاحب لائبریرین مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی سید مرتضیٰ حسین بلگرامی کے ساتھ شبِ نہم وارد ہوئے۔ وہ مجھے اورنگ آباد اور حیدر آباد سے جانتے تھے۔ بلگرامی احسن صاحب کے داماد ہیں، اس خاندان میں شیعہ سنی کا عجیب خوشگوار امتزاج ہے۔ بیٹیاں شیعہ، بیٹے سنی۔ رضوی صاحب گھر کے بھیدی تھے، ان دونوں کے اصرار پر میں نے مرثیہ پڑھنے کا وعدہ کیا، ۶۵ء یا ۶۶ء کی بات ہوگی، نواب علی یاور جنگ وائس چانسلر تھے وہ مجلس میں شریک بھی ہوئے علی گڑھ کی مجلس میں اردو، انگریزی اور دوسرے شعبوں کے ادب دوست اہلِ سنت اساتذہ بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ پروفیسر آلِ احمد سرور، خلیل الرحمٰن اعظمی، اسلوب احمد انصاری، وغیرہ — مرثیہ پسند کیا گیا، شاعر دوستوں اور ادبی نقادوں کو میرا کہا ہوا مرثیہ اس لیے پسند آیا کہ نہ صرف انیس کی روایت سے ہٹ کر لکھا گیا تھا بلکہ جوش کے مروج کیے ہوئے جدید مرثیہ سے بھی اس کا اسلوب و مواد متفاوت تھا۔ نقن صاحب قبلہ ہر سال پاکستان عشرۂ محرم پڑھنے تشریف لے جانے لگے تو احسن صاحب کے گھر کی ۹ محرم کی مجلس میرے مرثیے کی مخصوص

مجلس ہوگئی۔

باوجود حیدرآباد اور علی گڑھ کی پسندیدگی کے میں نے کسی اور شہر میں بحیثیت مرثیہ گو جانا قبول نہ کیا۔ سنہ ۷۶ء میں ہمایوں ظفر زیدی اپنے بھائی کے چہلم کی مجلس پڑھوانے زبردستی لکھنؤ لے گئے۔ ان کی والدہ، حکیم صاحب عالم کی صاحبزادی، کو میرا حضرت علی اکبر کے حال کا مرثیہ پسند تھا۔ خود جوان بیٹے کے غم میں نڈھال تھیں۔ دوست کی ماں کا حکم نہ ٹال سکا۔ راکٹ لانڈری کا امام باڑہ لکھنؤ کے سخن فہم اور زبان دانی کا دعوا رکھنے والوں سے بھرا تھا۔ چہرے کے چالیس پچاس بند، جن میں اردو کا مرثیہ بھی شامل تھا، مجمع کے سر سے گذر گئے۔ ایسا حیرت کا عالم تھا کہ یہ شخص ذکرِ حسین کے بجائے یہ کہاں ایران توران کی اڑا رہا ہے۔ یہی حضرات انیسؔ، عروجؔ اور پیارے صاحب رشیدؔ کے مراثی میں ساقی نامہ دعائیہ اور تعلّی والے بند یا مناظر کا بیان یوں سنتے ہیں جیسے وہ تو مرثیہ کا لازمی عنصر ہیں ہی۔ مگر یہ شہر آشوبی طرز میں حالاتِ حاضرہ مرثیہ میں کیسے آگئے۔ روایت زدہ اذہان کے حلق سے یہ بند نہیں اترے ہوں گے۔ لیکن جہاں سے مدحِ اہل بیت علیہم السّلام کی طرف گریز کیا، مجمع جیسے سوتے سے چونک پڑا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایسے مجمعوں میں داد شعر کی بھی ملتی ہے لیکن اس سے زیادہ مدحِ اہل بیت پر عقیدت واہ واہ کہتی ہے۔ مرثیہ کامیاب ہوا۔ کئی سال بعد سنہ ۸۴ء میں جناب طاہر جرولی کی دعوت پر دوبار مرثیہ پڑھنے لکھنؤ گیا۔ ایک مخصوص نشست تھی، دوسری عام مجلس۔ لیکن ۸ سال کی درمیانی مدت میں تمہید یا چہرے کے نئے پن کے خلاف اہل لکھنؤ کا ذہنی تحفظ ختم ہوچکا تھا۔ ان مجلسوں کی کامیابی کا بڑا سبب طاہر صاحب اور آغا روحی (مولانا علی ناصر سعید عبقاتی) صاحب کا شستہ و پاکیزہ شعری ذوق اور خصوصیت سے آغا روحی کی جدید شعری محاوروں سے واقفیت تھی۔ جب دنیا کے دو مشہور و مقبول ترین ذاکرین داد دے رہے ہوں تو مجمع کیوں کر سکوت اختیار کر سکتا ہے۔ ایک بار الہ آباد کی ایک ادبی انجمن میں بھی ایک مرثیہ سنایا جہاں ثمر بلوری ایسے استاد موجود تھے۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میرے مراثی کی مجالس میں سید العلماء مولانا علی نقی صاحب قبلہ، صفوۃ العلماء سید کلب عابد صاحب قبلہ، مولانا سبط الحسن ہنسوی، مولانا محمد کاظم نقوی صاحب قبلہ نے بارہا شرکت کی۔ دوسرے ذاکرین میں آفتابِ دکن اختر زیدی قبلہ، مولانا عباس رضوی،

شرافت حسین کاظمی اور مولانا رضا آقا کے خانوادے کے افراد اپنے تمام آپسی اختلافات کے باوجود ایک ساتھ مجھے سننے تشریف لائے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر شہر میں اردو ادب کے اساتید و مشاہیر، شعرا و ادبا بھی ہمت افزائی کے لیے آتے رہے ہیں۔ اس ذکر کا مقصد یہ ہے کہ ذکرِ حسین اگر نئے ڈھنگ سے کیا جائے تو علماء و ذاکرین باہمی رقابتوں کو فراموش کر کے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ یہ میری بے توفیقی کہ میں نے کئی شہروں سے دعوت اور اصرار کے باوجود مرثیہ خواں کی حیثیت سے بلائے جانے پر اب تک کوئی دعوت قبول نہیں کی۔ لیکن گذشتہ چند برسوں میں جس تیزی سے ہندوستان میں اردو فہمی خصوصاً اردو کی شعری زبان سے لاعلمی نئی نسلوں میں بڑھ رہی ہے، اس کے پیشِ نظر میرا احساس ہے کہ بحیثیت فرض اور مشن کے مرثیہ پڑھنا چاہیے، اپنا بھی اور انیسؔ اور دوسرے اساتذہ کے بھی۔ اس لیے کہ مرثیہ کے توسط سے ہی عزاداری نے اردو ذوق عزاداروں میں پھیلایا اور پروان چڑھایا ہے۔ اس وقت رسم الخط کی تعلیم ختم ہوتے جانے کے سبب اردو زبان ختم ہو رہی ہے نئی شیعہ نسلوں کی شعر نافہمی و زبان ناشناسی اس قدر افسوس ناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ اگر ہم نے شعوری طور پر مجالس میں اردو کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش نہ کی تو مجالس عقیدت کے بے زبان اظہار بن کر رہ جائیں گی۔ محض رسمی گریہ وزاری اور سینہ کوبی کا نام۔ اردو جو کردار مجالس میں ادا کرتی رہی ہے اور خود اسے جس طرح مجالس عزا نے پروان چڑھایا اور عام کیا ہے اس کے بغیر مجالس قالبِ بے روح بن کر رہ جائیں گی۔ عزاداری برصغیر میں ایک تہذیب ہے، اور اسی تہذیب کی زبان اردو ہے۔ اگر اس تہذیب کو زندہ رکھنا ہے تو اردو کو عزاداری کی زبان کی حیثیت سے برقرار ہی نہیں بلکہ زندہ بھی رکھنا ہوگا۔ یہ کام مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے وسیلے سے بہتر اور موثر طور پر ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں تو مرثیہ کی مجالس کے عشرے بھی ہونے لگے ہیں اور نئے شعراء، خواہ وہ شیعہ ہوں یا غیر شیعہ، مرثیے کو جدید رنگ سے لکھنے کے کامیاب تجربے بھی کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اس فن کے جاننے، سمجھنے اور اس سے حظ اٹھانے والے روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ انیسؔ کی اس روایت کا اگر نئے قالب اور نئی معنویت کے ساتھ احیاء نہ ہو تو اردو ذوق کی ترتیب و تہذیب کا ایک بہت ہی موثر وسیلہ ہمارے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ اسی کے ساتھ نہضتِ حسینی کی تبلیغ و ترویج کو بھی

سخت نقصان پہنچے گا۔

سوال یہ ہے کہ جدید دور میں مرثیہ ایسی روایتی صنف کے احیاء کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ بھی کہ یہ صنف کس حد تک ہمارے عہد کے سیاسی، سماجی تقاضوں کے اظہار کا وسیلہ بن سکتی ہے؟ یہ مسئلہ بھی اٹھایا گیا کہ انیسؔ اور ان کے مقلّدین نے مرثیے کے امکانات کو اس حد تک پورا کر دیا ہے کہ اب مسدس کے فارم (FORM) میں اسے کوئی نیا موڑ دینا ممکن نہیں۔ ایک اور سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا تاریخی واقعہ جو چودہ سو سال قبل رونما ہوا تھا کس حد تک ہماری حسیّت اور شعور کے لیے معنویت اور مناسبت رکھتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی سوالات بار بار اٹھائے گئے۔ عمیق حنفی جنہوں نے نہ صرف طویل نظموں کو اردو میں فروغ دیا بلکہ رسول اکرمؐ پر 'صلصلۃ الجرس' لکھ کر مذہبی اور عقیدتی طرزِ فکر و احساس سے جدید شاعری میں کام لیا ہے، انہوں نے ایک ریڈیو انٹرویو میں مجھ سے پوچھا کہ جدید شاعری میں نام اور مقام پیدا کرنے کے بعد میں نے کلاسیکیت کی طرف رجوع کیوں کیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے "شب خون" میں میرا مرثیہ (ہے قافلۂ جرأتِ رفتار سفر میں) چھاپتے ہوئے چند مقدمات قائم کر کے اسی طرح کے کچھ اور سوالات اٹھائے تھے جن میں سب سے اہم یہی تھا کہ مرثیے کے روایتی فارم (FORM) میں نئے امکانات کو بروئے کار لانے کی کیا گنجائش ہے؛ یہاں میں اپنے ایک مرثیے (جو اس جلد میں شامل نہیں) کے کچھ بند پیش کرنا چاہوں گا:

خامہ مرا حکمِ قلمِ حق سے جواں ہے
فیضِ نبیؐ و ساقیٔ کوثر سے رواں ہے
ہے اک اسی نسبت سے قلم میرا سرافراز   اسلوب کی جدت میں کلاسک کا ہے اعجاز
اظہارِ غمِ ذات ہے آفاق کی پرواز   ہے مرثیے میں آج کی نظموں کا سا انداز
ابلاغ کی ہر سطح پہ ترسیل ہے ممکن
ایجاز و علایم میں بھی تفصیل ہے ممکن
ہر تجربۂ زیست ہے بے ہئیت و اسلوب   احساس کو ہر طرح کے الفاظ ہیں مطلوب
مخصوص کوئی طرز نہیں فکر کو مرغوب   کیوں صنفِ سخن ہے کوئی خوب اور کوئی ناخوب

ہو پھوٹنا چشمے کو تو پتھر بھی نہیں سخت
پھر شعر پہ کیوں قافیے ہوں تنگ، زمیں سخت
قادر ہو قلم تو نہیں رکتا ہے کہیں بھی   یاقوت اگل دیتی ہے سنگلاخ زمیں بھی
دے اٹھتی ہے لو کھردرے لفظوں کی جبیں بھی   بن جاتی ہیں اصواتِ بد آہنگ حسیں بھی
لفظوں کی چٹانوں سے اُبلتے ہیں معانی
اک بات کے سوراخ سے نکلتے ہیں معانی
ہے نثرِ کم آہنگ پہ جب شعر کا الزام   کیوں مرثیہ و مثنوی و ہجو سے ابرام ؟
نا شاعروں کے تجربے کا شعر نہیں نام   تیشہ ہو تو ہر سنگ میں بے تاب ہیں اصنام
کہہ دے جو قلم کُن تو ہو عالم نیا پیدا
مٹی سے بھی کر لیتا ہے فن دیوتا پیدا

یہ بند مرثیے کے احیاء پر ہی نہیں بلکہ تمام جدید شعری تجربوں پر بھی صادق آتے ہیں۔ یہ مفروضہ کہ کسی دور کی شاعری کے لئے کوئی مخصوص اسلوبِ اظہار یا ہئیت یا خاص قسم کی زبان اور محاورہ ہی موزوں ہوتا ہے ایک مغالطہ ہے۔ جس طرح ہر شاعر کا اپنا تجربہ کسی خاص روش یا سانچے کا پابند نہیں ہوتا اسی طرح اس کا اظہار بھی بندھے ٹکے ضابطوں میں محصور و محدود نہیں ہوسکتا۔ اس لیے مرثیے کو جدید شاعری سے الگ سمجھنا یا مسدس کے فارم (FORM) کو فرسودہ و از کار رفتہ کہنا کسی بھی شعری شریعت کے مطابق جائز نہیں۔ ولی دکنی نے اردو شاعری کے آغاز ہی میں کہہ دیا تھا ؎ راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن

انیس اور دبیر کے بعد ان کے شاگردوں اور مرثیہ گو خاندانوں کے دوسرے افراد نے اس صنف میں نئے گل بوٹے کھلائے جن سے زبان کی وسعت اور ان حضرات کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ چند فروعی ایجادات کے علاوہ مرثیہ انیس سے آگے نہ بڑھ سکا اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ان مرثیہ گویوں کی تقلید پسندی نے انہیں کوئی نئی راہ نکالنے اور جرّت مندانہ قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ پیارے صاحب رشید ہوں یا دولھا صاحب عروج، عارف ہوں یا وحید، اپنی قادر الکلامی کے باوجود سب مرثیے کے روایتی حصار سے

باہر نہیں نکلے۔ اِس حصار کو بیسویں صدی میں جوشؔ ملیح آبادی نے توڑا۔ "شعلہ و شبنم" میں ان کے چند مختصر مَراثی اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسدّس کی پابندی کرتے ہوئے بھی شہادتِ کربلا کے موضوع پہ نئے انداز سے شعر کہا جا سکتا ہے۔ "حسین اور انقلاب" اس جہت میں جوشؔ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس روایت کو جمیلؔ مظہری، آل رضا لکھنوی، نسیمؔ امروہوی، رزمؔ ردولوی، نجمؔ آفندی اور ناصرؔ زید پوری وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی جدید مرثیے کو وہ عصری معنویت نہ دے سکا جس کی طرح جوشؔ نے ڈالی۔ اِن میں سے بعض جیسے نسیمؔ امروہوی کے مرثیے اپنے نئے پن کے ساتھ مرثیے کی لکھنوی روایت سے زیادہ قریب رہے۔ بعض دوسرے جیسے نجمؔ آفندی مسدس لکھتے رہے جن پر صحیح معنی میں مرثیے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ خود آلِ رضا کے دو مشہور مرثیے "کربلا سے پہلے" اور "کربلا کے بعد" اردو میں مرثیے کی جامع تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ تقسیم کے بعد سے پاکستان میں مرثیہ گوئی کو اچھا خاصا فروغ ہوا، اور کئی قابل قدر مجموعے سامنے آئے۔ ان میں ڈاکٹر صفدرؔ، شفقتؔ کاظمی، امیدؔ فاضلی وغیرہ سرفہرست ہیں لیکن اکثر مراثی میں جوشؔ کے "حسین اور انقلاب" والے بلند آہنگ کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔ مرثیہ اپنے لغوی معانی کے لحاظ سے اگر رثا کے مقصد کو پورا نہیں کرتا اور محض چند واقعات کا بیان یا انقلابی نعرے تک محدود رہتا ہے تو اسے مشکل سے مرثیہ کہا جا سکتا ہے۔ اسی لحاظ سے میں جوشؔ یا نجمؔ کے مرثیوں کو مرثیہ نہیں سمجھتا۔ بہار کے شاعروں میں پہلے شادؔ عظیم آبادی پھر جمیلؔ مظہری نے مرثیے کو ایک نیا رنگ اور فکری آہنگ دینے کی کامیاب کوششیں کیں۔ ان کی تقلید نہیں ہوئی لیکن جدید مرثیہ بحیثیت مجموعی جوشؔ کے اثر سے باہر نہ نکل سکا۔ یہی جدید مرثیے کا سب سے بڑا نقص ہے۔ مرثیہ گوئی اردو میں انیسؔ و دبیرؔ کے ہاتھوں جس طرح ایک مستقل صنفِ ادب بنی اور جس فنی بلندی پر پہنچی اس کی مثال عربی، فارسی، ترکی یا کسی اور اسلامی زبان میں نہیں ملتی۔ یہ روایت بلا کسی وقفے کے اردو میں ہمیشہ زندہ رہی آج بھی ہندوستان کے سینکڑوں شاعر اس صنف میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ قدامت پسند لکھنوی مرثیے کے پابند ہیں، جبکہ جدت پسند جوشؔ کے لہجے کی آوازِ بازگشت ہیں۔ شاید یہی سبب ہے جو مرثیے کی ہم عصر معنویت اور جدید شعری طرزِ اظہار سے اس کی مناسبت کے متعلق سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔

جہاں تک کسی موضوع کو شعر میں برتنے کا سوال ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کوئی قدیم تاریخی واقعہ یا شخصیت قرن ہا قرن سے موضوعِ شعر رہی ہے ۔ خود اردو میں آزادی کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں قدیم اساطیر، قصص اور روایات کو، خواہ وہ ہندو ہوں یا اسلامی یا یونانی، جدید شاعری میں نئی معنویت کے ساتھ استعاراتی، علامتی اور بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ واقعۂ کربلا ہمیشہ سے نثر و نظم میں عالمِ اسلام کے ادب کا مستقل موضوع رہا ہے ۔ روضہ خوانی کے انداز سے انیسؔ تک کربلا کے بیان نے اسالیب اور طرزِ بیان کا ایک لمبا سفر طے کیا ۔ اس سفر میں انیسؔ کا ظہور ایک ادبی اور لسانی معجزے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ میر تقی میرؔ اور سوداؔ کی کھردری زبان اور غالبؔ کی فارسی زدہ لفظیات و اسلوب کے درمیان انیسؔ کے مرثیے کی اردو ایک حیرت ناک مظہر (PHENOMENON) ہے ۔ جینیس (GENIUS) ہر زبان میں ایک مظہر (PHENOMENON) ہی ہوتا ہے جیسے اقبال، جو اپنے ماضی قریب اور حال کے شعراء کے درمیان سب سے الگ ایک شعری معجزے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ادب کے یہ معجزے منفرد ہوتے ہیں، ان میں تسلسل نہیں ہوتا البتہ ان کا اثر جاری رہتا ہے ۔ انیسؔ نے اردو کی شعری زبان کو اس طرح وسعت دی کہ کوئی مسدس لکھنے والا، اقبالؔ، چکبستؔ، جوشؔ، نجمؔ یا موجودہ مرثیہ گو، ان کے اثر سے نہیں نکل سکا، خود میرے مراثی میں آپ کو کہیں بہت واضح اور کہیں بالواسطہ طور پر بعض بندوں یا بیتوں میں انیسؔ کی گونج سُنائی دے گی ۔ یہ بھی امکان ہے کہ بعض مصرعوں پر سرقے یا زیادہ صحیح لفظوں میں توارد کا شبہ ہو ۔ دراصل انیسؔ نے کربلا کے موضوع ہی کو اپنا نہیں لیا بلکہ مسدس پر بھی ہمیشہ کے لیے اپنی مہر ثبت کر دی ہے ۔ جہاں تک موضوع کا تعلق ہے کربلا ادب و شعر کا ابدی و آفاقی موضوع ہے ۔ ایسے موضوع کو انیسؔ ایسے عظیم شاعر تک محدود و مختص کرنا کسی طرح درست نہیں ۔ انیسؔ نے کربلا کو انیسویں صدی کی انحطاط یافتہ ہند اسلامی تہذیب و سیاست کی حساس شاعرانہ آنکھ سے دیکھا اور دکھایا ۔ وہ اسلام کی اخلاقی اقدار کے تحفظ و احیا کے لیے کوشاں تھے ۔ ان کے یہاں اعلیٰ تہذیبی اخلاقی اور سیاسی قدروں کے زوال کا احساس ان کی مخصوص اسلامی بصیرت پر مبنی ہے ۔ یہ بصیرت نہ صرف برصغیر کی جہدِ آزادی اور بیداری کا سرمایہ رہی بلکہ ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کی بھی زبان رہی ۔ یہی نہیں انہوں نے عزاداری کو بھی ایک تہذیب کا درجہ

دے دیا۔ لیکن انہیں کا سرچشمۂ فیضان سیّد الشہداءؑ اور ان کے رفقاء و اہلِ بیتؑ کی مثالی قربانیاں تھیں یہ شخصیتیں اور ان کی شہادتیں چودہ سو سال سے عالمِ اسلام کی تمام انقلابی تحریکوں اور فکری تبدیلیوں کا مصدر و منبع ثابت ہوئی ہیں۔ آج بھی ان کی معنویت خصوصاً ایران کے اسلامی انقلاب کی روشنی میں نہ صرف باقی ہے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

کربلا بظاہر چند گھنٹوں کی ایک مختصر سی جنگ تھی جس میں ایک طرف بہتّر نفوس اور کچھ اطفال و زنان تھے۔ دوسری طرف ہزاروں کا لشکرِ جرّار تمام جنگی اسلحوں سے لیس۔ ایک طرف اسلام کی انقلاب آفریں سیاسی، سماجی اقدار اور حرّیتِ فکر و نظر کو بچانے کا راسخ جذبہ اور اس سے تعہّد (COMMITMENT) دوسری طرف اسلامی نظامِ حیات کو استحصال، استثمار، استعمار اور ملوکیت کے سانچے میں ڈھال کر انسان کو دوبارہ طاقت و سرمائے کا غلام بنانے کی کوشش، جس کے قبضے میں رشوت، لالچ، حکومت، ضمیروں کی خریداری اور ایمانوں کو بیچنے کے تمام وسائل تھے۔ یہ مقابلہ بیکراں زماں میں ایک قطرے یا حباب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ عالمی تاریخ کی عظیم جنگیں جنہوں نے معلوم دنیا کے نقشے کو بار بار تہہ و بالا کیا، تہذیبوں کو تاراج اور شہروں کو برباد کیا، لاکھوں انسانوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں سے فصیلیں اور مینار بنائے، ان کے سامنے کربلا میں چند بچوں بوڑھوں جوانوں کی شہادتیں، تین دن کی بھوک پیاس اور خاندانِ نبوی کی کچھ عورتوں اور اطفال کی اسیری ایک معمولی سا سانحہ نظر آتی ہے۔ لیکن تاریخ واقعات کی اہمیت کا تعین افراد کی قلت و کثرت یا جنگ کی طوالت سے نہیں کرتی۔ کربلا کی یہ مختصر سی جنگ دو نظام ہائے حیات، دو طرز ہائے فکر اور دو متضاد تصوراتِ اقدار کا ٹکراؤ تھی یہ جنگ روزِ عاشور وقتِ عصر حسینؑ کی مظلومانہ شہادت کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ واقعہ ایک طویل ابدی جنگ کا دیباچہ تھا جسے زینبؑ اور سیّد سجادؑ نے کوفے اور شام تک جاری رکھا، زید بن علی ابن الحسین، نفسِ زکیہ اور ان کے سلسلہ کے مجاہدین نے شام ایران خراسان اور بلادِ مغرب تک توسیع دی۔ بنی عباس کا نعرۂ انتقامِ خونِ حسینؑ بنی امیہ کے تخت و خاندان کو اپنے سیلاب میں بہالے گیا۔ اب خود خاندانِ نبوی میں طالبیین اور عباسیین کی کش مکش شروع ہوئی۔ خلفائے بنو عباس نے اپنے حریف بنی امیہ کے نظامِ اقتدار ہی کو برقرار رکھنے اور پھیلانے کی سعی کی تو حسینؑ کے وارثوں کو مصطفوی و مرتضوی نظامِ اقدار کے تحفظ کے لیے جنگ جاری رکھنی پڑی۔ یہ جنگ جیسا کہ بعض مورخین

یا مستشرقین کہتے ہیں بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قبائلی جنگ نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو بنی عباس آلِ ابوطالب کے ابنِ عم تھے جنگ ختم ہو جاتی۔ اسلام نے قبیلے، نسب، خون اور نسل کے رشتوں کو منقطع کر کے ایک ہی رشتے کو برقرار کیا، وہ ہے حبلِ متین سے توسل۔ حبلِ متین خدا کی رسی ہے مصطفوی نظام ہے، علوی طرزِ حکومت و سیاست ہے اس کا کوئی نسب، کوئی قبیلہ، کوئی رنگ نہیں۔ آریائی نژاد ایرانی فلسطین کے بے گھر عرب، لبنان کے استحصال زدہ پسماندہ شیعہ اور سُنّی، برصغیر کے تقسیم اور فساد زدہ مسلمان بلا قیدِ تشیع و تسنن، انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن اور دور افتادہ مشرقِ بعید کے مجاہدین، افغانستان میں روسی تسلط کے خلاف نبرد آزما بے سرو سامان پٹھان، مصر و سوڈان میں اسلامی نظام کے قیام اور جنوبی افریقہ میں نسل پرستی کے خلاف انسانی حقوق کے لیے جہاد کرنے والے غرباء و فقراء اسی حبلِ متین سے بندھے ہوئے ایک ہی قبیلے اور ایک ہی امت کے افراد و اعضاء ہیں۔ یہی نہیں اس رسّی کو کھینچیے تو ویت نام میں امرکی تسلط کے خلاف تیس سال قربانیاں دینے والے غریب ایشیائی، نازی جرمنی کے ظلم میں پسنے والے یورپی ممالک اور امرکی سامراج کی استعماری وسعت پسندی کا مقابلہ کرنے والے لاطینی امرکی ممالک، اور خود امرکیہ میں نسلی تعصب کے مارے ہوئے افریقائی اور دنیا کے ہر گوشے میں اپنی قومی اور نظریاتی آزادی کے لیے جہاد کرنے والے اسی حبلِ متین کے رشتہ دار نظر آئیں گے۔ علیؑ اور حسینؑ نے جس جنگ اور جس نہضت کا آغاز کیا تھا وہ بیسویں صدی کی دنیا میں اب بھی جاری و ساری ہے۔ کربلا آج بھی زندہ ہے۔ مشرق کے دور افتادہ جنگلوں سے لے کر مغرب کے غربت زدہ لاطینی، امرکی کشوروں تک۔ اس تناظر میں یہ کہنا یا سوچنا کہ کربلا جدید عصری فکر و احساس سے مناسبت نہیں رکھتا انسان کے تاریخی شعور اور اسلام کے انقلابی مشن کی نفی کے مترادف ہے۔ میں نے اپنے مراثی میں کربلا کو جدید عہد اور انسانی تاریخ کے اسی تناظر میں دیکھا اور پیش کیا ہے۔ اس کا چوتھا ہندوستان کی مشترکہ تہذیب ہے۔

کربلا تاریخِ انسانی و اسلامی میں ایسا نقطہ ہے جس نے فکر و عمل کی کئی راہوں کو ایک ساتھ جنم دیا۔ جنگِ جمل و صفین نے علمِ کلام کے کچھ مسائل پیدا کیے۔ کربلا نے جبر و قدر، خیر و شر اور عدل کے سوالات کو بہت وضاحت سے عالمِ اسلام کے سامنے پیش کیا۔ ایک گروہ نے اموی طرزِ سیاست و حکومت کی غیر اسلامیت سے تنگ آکر عزلت گزینی اور ترکِ دنیا کا راستہ اختیار کیا یہ صوفی کہلائے۔ لیکن ان میں ایسے بھی تھے کہ حسن بصری نے آیاتِ جبر کا حوالہ دینے والے

اموی عالموں کو جھوٹا اور خدا کا دشمن کہہ کر جذبۂ بغاوت کو مہمیز کیا۔ فقہاء عموماً خلفاء کے حلیف سمجھے جاتے رہے ہیں لیکن حق کی بات آئی تو ابو حنیفہ نے زید بن علی کے خروج میں مدد دے کر خود کو خلفاء کا مقہور و معتوب بنایا۔ امام مالک نے درّے کھائے، ترمذی یا نسائی نے شامیوں کے ہاتھوں بنی امیہ کی شان میں کسی حدیث کے وجود سے انکار کر کے شہادت کا راستہ اختیار کیا، یہ سب اسی جذبے کا فیضان تھا جس کا دوسرا نام کربلا ہے۔ اسلامی فکر میں عقلیت کی روایت، جسے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں الکلینی نے "اصولِ کافی" کے پہلے باب 'فضیلت علم و عقل' میں حدیث کی بنیاد پر قائم کیا، اگر تحقیق کیجئے تو نہج البلاغہ کے خطبات سے کربلا میں حسینؑ کے جہادِ عقل تک پہنچتی ہے فکری تحریکوں سے سیاسی انقلابوں تک حسینؑ کی شہادت، زینبؑ کے خطبات، دربارِ ابن زیاد و یزید میں امام زین العابدین علیؑ ابن الحسینؑ کے مناظروں اور "صحیفۂ کاملہ" میں ان کی دعاؤں اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی فقہی و کلامی تربیت گاہ تک صورتیں بدل بدل کر کربلا اسلامی فلسفہ و سیاست کا غالب عامل رہا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر سے عثمانی خلافت کے خاتمے تک اور ایران و برِصغیر میں مغربی استعمار کے غلبے تک جتنی بھی اسلامی تحریکیں اٹھیں ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ آخر کیا سبب ہے کہ ایک بے سروساماں عالمِ دین خمینی نے نہ صرف چند ہزار سالہ شہنشاہی کا تختہ الٹا بلکہ امریکہ ایسی زبردست قدرت کو ہر محاذ پر ذلیل و خوار کیا؟ ایران میں عزاداری ہندوستان و پاکستان و عراق کی طرح ہمیشہ سیاسی و تہذیبی تحریک رہی ہے۔ عاشقانِ حسینؑ کی ایران میں اکثریت اس انقلاب کی کامیابی کی بنیاد تھی اور ہے۔ اور یہ بنیاد عزاداری کی زمین پر استوار ہے۔ یہ میرا ایقان ہے کہ کسی اور مسلم ملک میں اسلامی تحریک آج تک اس لیے کامیاب نہیں ہو سکی کہ اس کا رشتہ عوام سے مذہبی سطح پر اس قدر مستحکم نہ تھا جتنا ایران میں ہے۔ ایران میں سیاسی تحریک کا عوام سے رشتہ کربلا کی بنیاد پر ہمیشہ استوار رہا۔ شہادت عامۃ المسلمین میں ہمیشہ ایک اعلیٰ تصور رہا ہے۔ لیکن عزاداری کے ادارے نے اس تصور کو جس طرح شیعیت میں راسخ کیا ہے اس نے کربلا کا جذبہ عزاداروں میں ایسا عام کیا کہ وہ ہر ظلم کے خلاف اسلامی نظامِ عدل کے قیام کے لیے نہتے مشرقِ وسطیٰ کی سب سے بڑی جنگی طاقت کے سامنے جان دینے اور شہید ہونے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے لگے۔ اگر یہ جذبہ اور عقیدہ نہ ہوتا تو نہ اسلامی انقلاب کی فتح ممکن تھی نہ امرکی تسلّط کی

شکست ۔ اسی جذبے نے جنوبی لبنان میں پسماندہ ترین مسلمانوں میں وہ جذبہ پیدا کیا جس نے نہ صرف اسرائیل بلکہ امریکی مفادات کو زبردست شکست دینے میں کامیابی حاصل کی ۔ اس پورے تاریخی اور معاصر تناظر میں کربلا کی شعری معنویت کا سوال اٹھانا ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے ۔

تخلیقی سطح پر کربلا اور شہادتِ حسینؑ ہر شیعہ کے وجودی تجربے کا جزوِ غالب رہا ہے ۔ خود برصغیر میں رجب کے مہینے میں حسینؑ کے مدینے سے سفر کا آغاز مخصوص مجالس کے انعقاد کے ساتھ ہوتا ہے ۔ مدینے سے مکّہ، پھر ترکِ حج، اور اس کے آگے کی ہر منزل ہر عزادار حسینؑ کے ساتھ طے کرتا ہے ۔ راستے میں عبداللہ ابن یقطر، ہانی بن عروہ اور مسلمؑ ابن عقیلؑ کی شہادت کی خبریں سنتا ہے ۔ وہ دوسری یا تیسری محرم ۶۱ھ کو کربلا میں وارد ہوتا ہے ۔ عمر سعد اور شمر کی آمد، کوفے کی ناکہ بندی اور حبیب ابن مظاہر کی خبر آمد سنتا نہیں بلکہ دیکھتا ہے ۔ سات محرم سے پانی پر پابندی کے ساتھ بھوک اور پیاس کا غلبہ محسوس کرتا ہے ۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی عزادار عورتیں اپنی چوڑیاں اس طرح توڑتی ہیں کہ ان کی کلائیاں زخمی ہو جاتی ہیں ، بیوگی ہندوستان کے معاشرے میں ہندو تہذیب کے اثر سے سب سے بڑی لعنت ہے ، ہندوستانی عورت کے لیے زندگی بھر کا عذاب ۔ لیکن اپنی سہاگ کی علامت کو توڑنے والی عورتیں علامتی زبان میں اعلان کرتی ہیں کہ ہم کربلا میں ہوتے تو اپنے شوہروں کو حسینؑ پر قربان کرتے ۔ پہلی محرم سے دس تک یہ عورتیں اور ان کے مرد اور ان کے بچے اس طرح روتے اور ماتم کرتے ہیں جیسے ان کے اپنے گھر میں مسلسل موتیں ہو رہی ہیں ۔ شام غریباں کھلے سر آتی ہے ، ایک جلی ہوئی قنات میں بیٹھی ہوئی نبیؐ اور علیؑ کی اولاد اپنے ورثا کو رونے کی اجازت بھی نہیں پاتی ۔

گیارہویں کی صبح عمر سعد کا لشکر اپنے کشتوں کو نماز پڑھا کر کفن و دفن کر کے ان بے وارثوں کے ساتھ کربلا سے روانہ ہوتا ہے ۔ زین العابدینؑ ، زینبؑ ، ام کلثومؑ اور ان کے عزیز دیکھتے ہیں کہ حسینؑ اور ان کے عزیزوں اور رفیقوں کی لاشیں بے غسل و کفن پڑی ہیں ۔ مصیبت کا یہ سفر کربلا سے کوفے اور کوفے سے شام تک جاری رہتا ہے ۔ اس سفر کا اختتام ایک سال چند ماہ بعد مدینے کی واپسی پر ہوتا ہے ۔ حسینؑ کا ہر عزادار اس سفر کی ہر منزل اور ہر مصیبت میں لمحہ بہ لمحہ شریک رہتا ہے ۔ میں بچپن سے اس سفر کی ہر منزل میں ہر لمحہ حسینؑ اور ان کے پسماندگان کا شریک رہا ۔ میرے لیے یہ کتابوں میں لکھا ہوا ایک تاریخی واقعہ یا افسانہ نہیں ۔ یہ میری اپنی

زندگی کا تجربہ ہے۔ میرا اپنا وجود اس تجربے کے پورے کرب اور دہشت سے ہر سال گزرتا رہا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ تم ایک بھولے بسرے تاریخی حادثے کو اپنے شعر کا موضوع کس طرح بنا سکتے ہو تو میں اسے کیسے سمجھاؤں کہ تم جو شعر میں سقراط کے زہر پینے، رام کے بن باس لینے اور گوتم کے نروان کو موضوعِ شعر بناتے ہو یہ تمہارا اپنا تجربہ کب اور کیسے بنا۔ میں نے کئی ترقی پسند اور جدید شاعروں کو جو سقراط، مسیحؑ، گوتم، رام، محمدؐ اور حسینؑ کا نام شعر میں کلیشے کے طور پر لیتے ہیں چھوٹے چھوٹے مفادات کے لیے جھوٹ بولتے، مصلحت سے کام لیتے اور ظلم سے مصالحت کرتے دیکھا ہے۔ ان کے لیے یہ وجودی تجربات نہیں جدید شعری اظہار کے کلیشے ہیں۔ کربلا میرے اپنے وجود کا حصہ ہے۔ یہ جنگ خود میرے اندر جاری ہے۔ میرے باطن میں یزید بھی ہے اور اس کے حواری بھی، حسینؑ بھی ہیں اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے بھی۔ میرے مرثیے اسی داخلی کش مکش اور معرکے کے شعری اظہارات ہیں۔ یہ جنگ ہر حساس، باشعور، عدل پسند انسان کے باطن میں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے اور ہو رہی ہے۔ اگر کسی کو ان مرثیوں میں میرے اس ذاتی تجربے کا احساس نہیں ہوتا تو یہ میرے وسیلۂ اظہار کا عجز ہے۔ کربلا ہر تخلیقی تجربے کا جز اور اس کے اظہار کا وسیلہ ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں آٹھ مراثی شامل ہیں۔ تاریخی لحاظ سے ان کی ترتیب یوں ہے: سنہ ۶۱ھ میں حضرت علی اصغرؑ اور حضرت ابوالفضل عباسؑ کے مرثیے لکھے۔ اس کے بعد سید الشہداؑ اور حضرت زینب کے حال کو شعر میں ڈھالا۔ علی اکبرؑ کا مرثیہ جس کا موضوع "نطق" ہے اور "کربلا اے کربلا" جس کا موضوع مطلوبانِ شہادت ہیں بعد میں لکھے ہیں۔ مولائے کائنات اور سیدۃ النساء العالمین کی شان میں جو مرثیے اس جلد میں شامل ہیں وہ میری آخری چند برسوں کی کاوشیں ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے چند اور مراثی لکھے ہیں جو انشاءاللہ دوسری جلد میں شائع ہوں گے۔ میں ان تمام مراثی کو نہ صرف خود اپنے شعری اظہار کا ایک موثر وسیلہ سمجھتا ہوں بلکہ عصری حسیت اور اظہار کے تناظر میں اردو کے شعری امکانات کو بروئے کار لانے کا ایک نیا وسیلہ بھی مانتا ہوں۔ اب یہ پڑھنے والوں پر ہے کہ وہ ان مراثی کو انیس یا جوش کی روایت کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھتے ہیں یا ان سے الگ ایک نئے شعری تجربے اور اظہار کی صورت میں قبول کرتے ہیں۔ میں نے اب تک تین شعری مجموعے، نظموں اور غزلوں

کے شائع کیے ہیں۔ اب تک میری طویل نظم "شہرِ ہوس" (جو شاید اردو کی طویل ترین نظم ہے) کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کسی نہ کسی سطح پر میرے تمام شعری اظہارات اسی کربلا کا اظہار ہیں جو چودہ سو سال قبل برپا ہوئی اور آج تک انسانی تاریخ کے ضمیر اور میرے اپنے باطن میں جاری ہے

والسّلام

وحید اختر

یکم اکتوبر ۱۹۹۰ء

زرافشاں، دودھ پور
علی گڑھ (یو۔ پی)
انڈیا

مرثیہ ۱

چادرِ تطہیر

مریم سے بھی سوا ہے فضیلت بتولؑ کی

(در حالِ سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ)

حضرتِ فاطمہؑ بنتِ محمدؐ رسول اللہ کو اہلِ بیتِ رسالت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے ، وہ رسولِ اکرمؐ کی واحد دختر ہیں جن سے رسولؐ کی نسل چلی ، وہ سیدانِ شبابِ جناں ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی مادرِ گرامی ہیں ، جنھیں فرزندانِ رسولؐ کہلائے جانے کا شرف حاصل ہے ، وہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؑ کی شریکِ حیات ہیں ۔ پنجتن کے دائرے کا مرکز اگر کوئی ذات ہے تو وہ حضرت فاطمہؑ کی ہے جو رسالت اور امامت کو ایک رشتے میں پروتی ہیں ۔ آپ کو کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ، سیدہؑ ، بتولؑ ، زہراؑ ، صدیقہؑ وغیرہ ۔

مختصر سی عمر میں (مستند روایات کے مطابق ١٩ سال) آپ نے ایک مثالی بیٹی ، مثالی بیوی اور مثالی ماں کا کردار اس خوبی سے ادا کیا کہ نساء العالمین کے لئے ایک نمونہ چھوڑ گئیں ۔ اقبالؒ نے جناب سیدہؑ کی رسولِ اسلام ، مولائے متقیانؑ اور حسنین علیہم السلام سے نسبتوں کی بنا پر انھیں حضرتِ مریمؑ سے افضل مانا ہے ، جنھیں صرف عیسیٰؑ کی ماں ہونے کا شرف حاصل تھا ۔

اس مرثیہ میں یوں تو کئی تلمیحات ہیں ، لیکن چند کی طرف اشارہ ضروری ہے : آیۂ تطہیر (لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا) کی شانِ نزول حدیثِ کساء میں بیان کی گئی ہے ، جس کے مطابق رسولؐ نے بیٹی کے گھر تشریف فرما ہو کر آپ کی چادر اوڑھی تو اس میں صرف فاطمہؑ ، علیؑ اور حسنینؑ کو جگہ ملی اور جبرئیلؑ ان پانچ نفوس قدسیہ کے لیے ہر رجس سے پاک ہونے کی نوید لائے ۔ آیۂ مباہلہ : (فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی القوم الکاذبین) ۔ خدا نے نصاریٰ کے مقابلے کا یہ طریقہ رسول کو تعلیم فرمایا کہ : " اُن سے کہو کہ وہ اپنے بیٹوں کو لائیں ، ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں ، تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لاتے ہیں ، تم اپنے نفوس کو لاؤ ہم اپنے

نفوس کو لاتے ہیں، پھر دُعا کریں کہ جو قوم ظالمین سے ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو"۔ متفقہ طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ اس موقع پر رسولؐ نے عورتوں میں فاطمہؑ کو چُنا، بیٹوں کی جگہ حسنینؑ کو دی اور نفسِ رسولؐ کا مقام علی مرتضیٰؑ کو حاصل ہوا۔ نصاریٰ نے چار چہروں کو تو بے نقاب دیکھا مگر پانچواں چہرہ نقاب عصمت وطہارت میں پوشیدہ تھا، اس کے باوجود انھوں نے پانچوں انوار کی تابانی کو یکساں مان کر صلح کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چادر اسی عصمت کی علامت ہے، جو پوری کائنات کے لیے مادری محبت کا سایہ بن جاتی ہے۔ اس چادر نے شہدائے کربلا کی بے گور وکفن لاشوں پر بھی روز عاشور سایہ کیا، اور دخترانِ عصمت ثانیِ زہراؑ جناب زینبؑ بنت علیؑ اور ام کلثومؑ کے ساتھ شہر بانوؑ، مادرِ امام علیؑ ابن الحسینؑ، سکینہؑ بنت الحسینؑ اور دوسری مخدّراتِ طہارت کی بے نقابی کے لیے بھی نقاب کا کام کیا۔ اسی چادر کا ایک گوشہ جنت ہے، جو دنیا کی تمام حکومتوں اور سلطنتوں سے زیادہ باثروت وکشادہ ہے

مرثیے میں دوسری علامت "چکی" ہے۔ یہ خاندانِ رسالت کی زنانِ باشرف کو دنیا کے محنت کش عوام سے جوڑتی اور ان کا رہبر، ملجا و ماویٰ بناتی ہے۔ انیسؔ سے مرثیے کی جو روایت چلی اس میں ان دونوں علامتوں کی معنویت کو اس طرح اجاگر نہیں کیا گیا، جو اِن کا حق تھا۔

مرثیے کی بنیاد ایک روایت پر ہے، جسے شیعہ گھروں میں اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ عموماً عورتیں اس کہانی کی منت مانتی ہیں۔ ایک یہودی زادی کی شادی میں شرکت کے لیے جناب سیّدہؑ اپنی پیوند لگی ہوئی چادر کے ساتھ جاتی ہیں تو انوارِ عصمت سے سب شرکا کی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں اور دلہن غش کھا کر فوت ہو جاتی ہے۔ شافعِ عالم کی بیٹی نے دعا کی تو اسے زندگی بھی ملی اور ایمان بھی۔ بعض روایتوں کی رُو سے اس دلہن کا نام اسلام قبول کرنے پر ام حبیبہ رکھا گیا، جس سے اسیرانِ اہلبیت کے لٹے ہوئے بے ردا قافلے کی ملاقات کوفے کے بازار میں ہوتی ہے۔ میں نے روایت کے استناد کی فکر کیے بغیر اس ڈرامائیت کے مدنظر جو حضرت فاطمہؑ کا سلسلہ کربلا اور اسیریٔ اہلِ بیت کے مختلف مناظر سے جوڑتی ہے، اسے مرثیے کے مختلف اجزا کی شیرازہ بندی کے لیے استعمال کیا ہے۔

مریمؑ سے بھی سوا ہے فضیلت بتولؑ کی   بضعت رسولؐ کی ہے ریاضت بتولؑ کی
اجرِ پیمبری ہے مودّت بتولؑ کی   ایماں کا جز ہے عفت و عصمت بتولؑ کی
آیاتِ نطقِ رب میں ہے تلمیحِ فاطمہؑ
تکمیلِ ہے نماز کی تسبیحِ فاطمہؑ
کس کا پدر ہے باعثِ تخلیقِ آسماں   شوہر ہے کس کا مرضیٔ خلّاقِ دوجہاں
کس کے پسر ہیں سیّدِ جنت، نبی کی جاں   کلثومؑ و زینبؑ ایسی ملیں کس کو بیٹیاں
مرکز بتولؑ دائرۂ پنجتن کی ہیں
ماں ہادیوں کی، مصدر امامِ زمن کی ہیں
کس کی ثنا میں آیۂ تطہیر آئی ہے   رحمت کا ابر بن کے ردا کس کی چھائی ہے
کس کی نقاب نور کی جلوہ نمائی ہے   فتحِ مباہلہ نے قسم کس کی کھائی ہے
کس کے قدم سے صنفِ نساء باشرف ہوئی
دہلیز کس کی معدنِ دُرِّ نجف ہوئی
پیوند ہیں ردا کے شرافت کے آفتاب   غربت کے یہ نشاں ہیں غیرت کے آفتاب
ان پر ہیں ثبت مہرِ نبوّت کے آفتاب   بخیوں سے اِن کے ابھرے امامت کے آفتاب
رہن اس ردا کے ساتھ خود ایمان ہوگیا
جس گھر میں پہنچی مطلعِ ایمان ہوگیا
چادر ہے ابر کوثر و تسنیم کے لئے   افلاک در پہ جھکتے ہیں تکریم کے لئے
جبریلؑ ادب سے آتے ہیں تسلیم کے لئے   اٹھتے ہیں خود رسولؐ بھی تعظیم کے لئے
ذکر اس کی عظمتوں کا حدیثِ کساء میں ہے
انوارِ حق کا مجمع اسی اک ردا میں ہے

تہہ ہو تو اِس ردا کو کہیں ہفت آسماں
پھیلے تو اس کے گوشے میں سمٹیں زماں مکاں
گرد اِس کی ہیں ثوابت و سیّار و کہکشاں
سر پر ہو فاطمہؑ کے تو ہے عرش آستاں
دھو کر نچوڑیں وہ تو فرشتے وضو کریں
بوندوں سے اِس کی کوثر و زمزم سبو بھریں

چادر یہ بوترابؑ کی غربت کی ہے گواہ
شاہِ نجف کے فقر و دیانت کی ہے گواہ
فاقوں کی لاج محنت و عظمت کی ہے گواہ
یہ چکّی پیسنے کی ریاضت کی ہے گواہ
خیبر شکن کی بے زرہی کی زرہ ہے یہ
عقدہ کشا کے رشتۂ حق کی گرہ ہے یہ

ہے یہ جہیزِ قُرۃ العین شہِ رسل
شاخِ نہالِ مالِ خدیجہؑ کا برگِ گل
چادر ہے یا کہ لختِ دلِ فخرِ جزو و کل
ہے بادبانِ کشتیِ امت ، اِرم کا پل
قرطاسِ صلحِ حضرتِ شبّرؑ ہے یہ ردا
شبّیرؑ کے شہیدوں کا محضر ہے یہ ردا

سائے میں اس کے بخشش و رحمت کے قافلے
لپٹے ہیں اس سے اہلِ شفاعت کے قافلے
پیوندوں میں ہیں اِس کی نجابت کے قافلے
تار اِس کے کربلا کی شہادت کے قافلے
بانوؑ کے سر پہ تاج کا سایہ یہی ردا
زینبؑ کی بے ردائی کا پردہ یہی ردا

عاشور کی شعاعوں کی چادر یہی ردا
تا عصر تھی شہیدوں کے سر پر یہی ردا
تھی نعش پوشِ قاسمؑ و اکبرؑ یہی ردا
آئے تھے رن میں اوڑھ کے اصغرؑ یہی ردا
اک پل جدائی ہوئی نہ تنِ پاش پاش سے
لپٹی رہی حسینؑ کی پامال لاش سے

آئیں گی روزِ حشر یوں شہزادئ جہاں
پیشِ خدائے عادل و قہّار نوحہ خواں
چہرے پہ ہوگا خونِ جگر بند ضو فشاں
چادر پہ ہوں گے زخموں کے بکھرے ہوئے نشاں
اصغرؑ کی لاش ، بازوئے عباسؑ کی قسم
دیں گی خدا کے عدل کو یہ پیاس کی قسم

ہر ظلم، ہر ستم کی شہادت ہے یہ ردا   فریادِ حشر، صورِ قیامت ہے یہ ردا
بے آسروں پہ سایۂ رحمت ہے یہ ردا   فاقہ کشوں، غریبوں کی دولت ہے یہ ردا
تاریخ و ارتقا کا تسلسل ہے یہ ردا
موجِ جفا میں صاعقۂ گل ہے یہ ردا

ہے اس ردا کا نور رُخِ آفتاب میں   پرتو ہے اِس کا آئینۂ ماہتاب میں
ٹھنڈک اسی کے سائے کی چترِ سحاب میں   ہیں رنگ و نکہت اِس سے ہی پیدا گلاب میں
دریوزہ گر اسی کے ہیں خیر و جمال بھی
وابستہ ہیں اِسی سے فنون و کمال بھی

اے رحمتِ دو عالمؐ والے چادرِ بتولؑ   سرکارِ عالیہ سے ملے دولتِ قبول
دامانِ شعر کو ہوں عطا رنگ رنگ پھول   سائے میں آپ کے ہو شگفتہ دلِ ملول
یہ تو ہوس نہیں ہے کہ جنت مجھے ملے
اک گوشۂ ردائے محبت مجھے ملے

کیا آپ کی ردا سے جدا بھی ہیں جنتیں؟   کیا آپ کی دعا سے الگ ہیں محبتیں؟
کیا آپ کے کرم سے گراں تر ہیں دولتیں؟   کیا آپ کے قدم سے ہیں بڑھ کر حکومتیں؟
جنت ہیں وہ قدوم ہی کونین کے لیے
جن کے نقوش شمع تھے حسنینؑ کے لیے

تھے یہ قدوم زینتِ آغوشِ مصطفیٰؐ   یہ تھے شریک و ہم سفرِ جہدِ مرتضیٰؑ
چمکی ہے ان کے نقش سے چشمِ مباہلہ   ان سے ملا بقیع کو جنت کا مرتبہ
یہ آبلہ بکف سفرِ کربلا میں تھے
یہ ہم قدم اسیریٔ آلِ عبا میں تھے

تقویٰ کے معنی پوچھیے ربِّ علیم سے   اخلاق کیا ہے پوچھیے خُلقِ عظیم سے
غربت کی قدر پوچھیے دُرِّ یتیم سے   یا آسیائے بنتِ نبیؐ کریم سے
مفلس کے لال پلتے ہیں کیسے علیؑ سے پوچھ
یا چکّی پیستی ہوئی بنتِ نبیؐ سے پوچھ

اے شوقِ زر ہوائے حکومت ہوا ہے تو   اے خواہشِ وجاہت و طاقت خطا ہے تو
اے نازِ اقتدار رہینِ جفا ہے تو   اے ظلم و غصبِ مال بھٹکتی صدا ہے تو
افلاس مصطفےؐ کا ہے سرمایہ دارِ دیں
فقرِ علیؓ و فاطمہؓ ہے اعتبارِ دیں
سرمایہ کوشی دشت نوردی ہوس کی ہے   طاقت کا خوف بندگی خار اور خس کی ہے
ایوانِ عیش قیدِ دوامی قفس کی ہے   عمرِ اقتدار و جاہ کی بس اک نفس کی ہے
عزت ازل ابد کی ہے محنت کے ہاتھ میں
سورج ہیں قید جہد و مشقت کے ہاتھ میں
چکی ہے فاطمہ کی کہ ہے گردشِ زماں   ہے اس کا ایک پاٹ زمیں، ایک آسماں
ہیں اس کے ساتھ رقص میں مہر و ستارگاں   آٹا ہے اس کا نور تو دانہ ہے کہکشاں
پالوں سے اس کے نور کے دھارے نکلتے ہیں
پچھلے پہر اندھیرے میں تارے نکلتے ہیں
چکی کے ساتھ چلتا ہے دنیا کا انتظام   بچوں کو دودھ ملتا ہے، مسکینوں کو طعام
ایماں کو زور ملتا ہے، اسلام کو قیام   چلتا ہے اس سے دین کے میخانے کا نظام
اس کا فشردہ ساقیِ کوثر کا جام ہے
اس کے لبوں پہ ختمِ رسل کا پیام ہے
شمعیں نہیں تو دل میں ہیں آیات ضو فگن   نوری لبوں سے ہوتی ہیں ظلمات ضو فگن
کلمے رضا کے، صبر کے نغمات ضو فگن   لب پر ہے گیت بن کے مناجات ضو فگن
یارب! ریاضِ بنتِ نبیؐ رائیگاں نہ ہو
محروم نورِ حق سے کبھی یہ جہاں نہ ہو
گٹھے ہیں انگلیوں پہ، کفِ دست پر نشاں   دریائے نور ہوتا ہے ظلمات میں رواں
خم ہے کمر میں، شانوں میں ہے درد نغمہ خواں   پلتے ہیں شاخِ درد کے سائے میں سیداں
ہے دستِ فاطمہؓ کی یہ تعمیر، ڈھ نہ جائے
دودھ ان مشقتوں کا لہو بن کے بہہ نہ جائے

چکّی کے ساتھ ذرّوں کے لب پر درود ہے   بیدار خواب گاہِ جہاں میں وجود ہے
مست اس صدا سے انجمنِ ہست و بود ہے   روح الامیں کا بیتِ وحی میں ورود ہے
گردن جھکے تو سجدے میں جھکتے ہیں آسماں
دم لیں تو سانس لینے کو رُکتے ہیں آسماں
زلفیں اڑیں جو چہرے پہ گھبراتی ہے ہوا   قطرے گریں جبیں سے تو شرماتی ہے ہوا
گردش میں آئے ہاتھ تو لہراتی ہے ہوا   پونچھیں پسینہ یہ تو ٹھہر جاتی ہے ہوا
بھر دیتا ہے پسینہ ہواؤں کی جھولیاں
پاتی ہیں رنگ و نور فضاؤں کی جھولیاں
موجِ صبا کے ہاتھ میں ہے دستِ آسیا   چکّی کے پاٹ کھینچتی ہے خوشبوئے حنا
تحریر برگِ گل پہ قصیدہ ہے جہد کا۔   انگشت ہائے نور پہ محنت کے نقشِ پا
نور و گل و حنا و صبا مل کے چلتے ہیں
تب پتھروں سے دودھ کے چشمے اُبلتے ہیں
زہراؑ جو ہاتھ روک لیں بے تخم ہو زمیں   آغشتہ تیرگی میں ہو افلاک کی جبیں
ہوں خشک بحر، ہو تہی ندیوں کی آستیں   دولت کے سامنے ہو نگوں نازِ فقرِ دیں
پاٹوں میں اس کے سلطنتیں پس کے رہ گئیں
خاشاک بن کے دولتیں شاہوں کی بہہ گئیں
عزمِ جہاد، نورِ یقیں ہے اسی کا فیض   معراجِ خاک، عرشِ بریں ہے اسی کا فیض
خونِ حسینؑ و فتحِ مبیں ہے اسی کا فیض   شیرِ خدا کی نانِ جویں ہے اِسی کا فیض
دنیا میں سرفرازیٔ غربت اسی سے ہے
حیدرؑ کی ذوالفقار کی طاقت اسی سے ہے
ہے آسیائے فاطمہؑ افلاس کا غرور   محنت کشوں کے دستِ جہاں آفریں کا نور
مستضعفینِ دہر کو رکھتی ہے یہ غیور   مستکبرینِ وقت کے کرتی ہے خواب چور
فاقوں کا زور تشنہ لبوں کی تری ہے یہ
انکارِ طاقت و حشم و زرگری ہے یہ

چکّی چلی تو نسل و نسب ہو گئے زبوں
ظلم و تشدّد و زر و طاقت ہوئے نگوں
گردش سے اس کی صاحبِ جرأت ہوا جنوں
اس کے عرق سے دیں کی رگوں میں بنا ہے خوں
گردش نے اس کی وقت کا دھارا بدل دیا
ہر دور کے یزیدوں کے سر کو کچل دیا

نغمہ ہے آسیا کا صدا انقلاب کی
تفسیر ہے یہ رحمتِ عالمؐ کے خواب کی
ہے گونج ضربِ تیغِ شہِ بوترابؑ کی
دھڑکن ہے قلبِ سبطِ رسالت مآبؐ کی
سیلاب اِس کے دھارے سے کرب و بلا رہا
اصغرؑ کا خشک ہونٹ گلِ تر بنا رہا

آوازِ آسیا میں ہے ناطق وحی کا باب
زہّاد اور ملائکہ کے سجدوں کا جواب
لوری سے اس کی رہتے ہیں حسنینؑ محوِ خواب
نغمے سے اس کے ہوتے ہیں بیدار بوترابؑ
اس کی صدا ہے گوہرِ گوشِ محمدیؐ
گل اِس صدا کے زینتِ دوشِ محمدیؐ

قربان دستِ محنتِ زہراؑ پہ جنتیں
قدموں پہ ہیں نثار زمانے کی دولتیں
صدقہ ہیں ان کا مملکتیں اور حکومتیں
آنکھیں انہیں جو چوم لیں پائیں بصیرتیں
ان کا نیاز مند ہے جو، بے نیاز ہے
پوجا بھی ایسے قدموں کی جزوِ نماز ہے

لختِ دلِ رسولؐ دو عالم ہیں فاطمہؑ
باز آفرینِ جنتِ آدم ہیں فاطمہؑ
فخرِ خدیجہؑ، نازشِ مریم ہیں فاطمہؑ
مولائے کائنات کی ہمدم ہیں فاطمہؑ
بیت الشرفِ رسولؐ کا روشن انہی سے ہے
بیتِ علیؑ اماموں کا مامن انہی سے ہے

فاقے کیے تو شکر خدا کا ادا کیا
افطار تین روزوں کا سائل کو دے دیا
چاکِ لباس کیا، لبِ شکوہ بھی ہے سیا
اشکوں کے ساتھ زہرِ مصائب بھی پی لیا
نانِ جویں میں ساتھ خدا کے ولی کا ہے
صبرِ بتولؑ حوصلۂ صبرِ علیؑ کا ہے

خلوت میں فقر و صبر کی گوشہ گزیں رہیں   کارِ امورِ خانہ میں عزلت نشیں رہیں
غربت میں شاد، خوفِ خدا سے حزیں رہیں   بار اپنی زندگی میں کسی پر نہیں رہیں
عمر اہلِ خاندان کی خدمات میں کٹی
بچوں کی تربیت میں، عبادات میں کٹی

گھر میں نہ ہونے دی کبھی تفریقِ خاص و عام   خود ایک روز کرتی تھیں، اک دن کنیز کام
آرام ایک دن نہ لیا صبح تا بہ شام   دعوت کو اہلِ زر کی سمجھتی رہیں حرام
مسند نشینِ صبر کا تکیہ خدا پہ ہے
عزلت گزینِ فقر کا بسترِ رضا پہ ہے

چہرے پہ نور، آنکھوں میں ہے ایسی روشنی   دیکھے جو ایک بار منوّر ہو زندگی بھر
حسنینؑ ہوں کہ زینبؑ و کلثومؑ یا علیؑ   قائم اس آفتاب سے ہے سب کی تازگی
یہ ذاتِ مصطفےٰؐ کے دنوں کا سرور ہے
شب ہائے مرتضیٰؑ کے اندھیروں کا نور ہے

بوسیدہ پیرہن میں ہے شانِ قبائے گل   پیوند ہیں رِدا میں کہ ہیں برگ ہائے گل
ہیں عارض و جبین کے قطرے بہائے گل   لب گل ہیں، نرم باتیں خرامِ ہوائے گل
تنہا اس ایک گل سے پیمبرؐ ہیں باغ باغ
حسنینؑ شاد، حیدرؑ صفدر ہیں باغ باغ

یہ روشنی کا پھول ہے سرتا قدم بہار   خیرِ بشر کا نورِ نظر، قلب کا قرار
انفاس عطر، خاکِ قدم نور کا غبار   اس گل کے ذرے سے دامنِ ایماں ہے مال دار
پروانہ نورِ اوّل اسی روشنی کا ہے
یہ نور پارہ نور چراغِ نبیؐ کا ہے

یہ گل ہے پرتوِ لب و رخسارِ مصطفےٰؐ   یہ گل ہے نورِ طرّۂ دستارِ مصطفےٰؐ
یہ گل ہے اجر و ماحصلِ کارِ مصطفےٰؐ   یہ گل ہے دلبر و دل و دلدارِ مصطفےٰؐ
گردش میں ہے فلک اسی خورشید کے لیے
آتے ہیں بار بار نبیؐ دید کے لیے

زہراؑ گھر اپنا چھوڑ کے جاتی نہیں کہیں   پھرتا ہے جا بجا کبھی قطبِ زمیں کہیں
پردے سے باہر آتا ہے نورِ یقیں کہیں   ہٹتا ہے جا سے قبلۂ ایمان و دیں کہیں
دھرتی پہ آسمان اترتا نہیں کبھی
راتوں میں آفتاب ابھرتا نہیں کبھی

ہے ضد یہ اک یہودی کی، زہراؑ ہوں میہماں   شب کا تقاضا ہے کہ ہو سورج کی میزباں
مقصد ہے لینا فقرِ محمدؐ کا امتحاں   ناموسِ دین و غیرتِ حیدرؑ ہے درمیاں
شادی کے گھر میں جانا ہے زیور نہیں کوئی
کہنہ ردا ہے، دوسری چادر نہیں کوئی

جائیں ضرور مشورہ یہ مرتضیٰؑ کا ہے   منشا جو مرتضیٰؑ کا ہے، وہ مصطفیٰؐ کا ہے
منشا جو مصطفیٰؐ کا ہے، وحیِ خدا کا ہے   منشا وحی کا، حکم لبِ کبریا کا ہے
ان سب کی جو رضا ہے وہی فاطمہؑ کی ہے
خواہش ہے فاطمہؑ کی وہی، جو خدا کی ہے

ہے فکر کیسے خلعتِ نو کا ہو انتظام   عقدہ کشا سے ہوگا نہ زیور کا انصرام
آرائشِ جمال کا ہو کیسے اہتمام   کہتے ہیں بو تراب کہ ہے جمعِ زر حرام
جھرمٹ نہیں کنیزوں کا ہمراہی کے لیے
دنیا ہے تنگ دیں کی شہنشاہی کے لیے

دیکھا جو مصطفیٰؐ نے، ہے بیٹی کو پیش و پس   فرمایا زیب و زینتِ دنیا ہے خار و خس
ہے طرۂ حباب تماشائے یک نفس   دولت ہے خاک اور ہوا ہے فقط ہوس
محتاجِ خلعت و زر و زیور ہیں تیرہ رو
چلتے ہیں جھرمٹوں میں کنیزوں کے خیرہ رو

زینت تمہارا حسن ہے، زیور تمہارا فقر   سجدہ تمہارا تاج ہے، چادر تمہاری صبر
عصمت کنیز، آیۂ تطہیر روحِ عطر   ہے نورِ ماہ فرش براہ، آسمان چتر
تارے فلک بچھائے گا رستے میں، گل زمیں
حاجب کل آسمان ہیں، خادم ہے کل زمیں

حلقے میں اپنے لیں گی تمھیں حوریانِ خلد   گائیں گے شعرِ مدح و ثنا طوطیانِ خلد
محمل کے گرد ہو گی صفِ قدسیانِ خلد   چرچا رہے گا حشر تک درمیانِ خلد
اک شب خرامِ نور سے وہ کہکشاں بنی
زہراؑ کے پاؤں چھو کے زمیں آسماں بنی
صادقؑ کی باتیں سنتی تھی ہو ہو کے خوش زمیں   تھے خرمنِ وحی کے خود افلاک خوشہ چیں
مستانہ وار خلد سے حوریں اتر پڑیں   حیدرؑ کے ساتھ فاطمہؑ زہرا بھی یوں ہنسیں
گل ہائے لب کھلے، دُرِ دنداں چمک گئے
پرتو سے ان دُروں کے ستارے دمک گئے
فرمایا، لے گا صدق کا کذب امتحان کیا   کھولے گا حق کے سامنے باطل زبان کیا
سورج کے آگے دیپکوں کی آن بان کیا   نورِ خدا کے سامنے زر میری جان کیا
اہلِ نیاز کے لیے دنیا ہے ناز مند
ہوتی ہے بے نیازوں کی یہ خود نیاز مند
جاؤ اسی لباس و ردائے کہن کے ساتھ   ملتا ہے فقرِ شاہوں سے بھی بانکپن کے ساتھ
ہے عہدِ عزتِ ابدی پنج تن کے ساتھ   چلتی ہیں خود بہار کی موجیں چمن کے ساتھ
ذلت خدا کے ہاتھ ہے عزت خدا کے ہاتھ
ہے آبروئے فقرِ نبیؐ فاطمہؑ کے ہاتھ
نکلیں جو گھر سے، حوروں نے حلقے میں لے لیا   آئیں جلو میں مریم و حواؑ و آسیاؑ
چھڑکاؤ راستے میں ملائک نے یوں کیا   ہر ہر قدم پہ کوثر و زمزم بہا دیا
رکھے جہاں بھی پاؤں، ستاروں نے سر رکھے
قدموں پہ جنتوں کی بہاروں نے سر رکھے
سورج نے چاہا نظمِ جہاں میں خلل پڑے   تاجِ بتولؑ بننے کو شب میں نکل پڑے
ابرو پہ نورِ حق کے تکلف سے بل پڑے   زلفوں سے روشنی کے سمندر اُبل پڑے
سورج کا چہرہ شرم سے خود آب آب تھا
چاہا قدم کو چوم لے، واں ماہتاب تھا

تھا اپنی بے سوادی پہ سورج کو اضطراب   اترا رہا تھا قدموں سے وابستہ ماہتاب
جاگے تھے آج طالعِ بیدار یا تھا خواب   ہوتا ہے کون خدمتِ زہراؑ میں باریاب
اِس رات مہر بھی گردِ ماہ ہو گیا
وہ داغ لے گیا، یہ شہنشاہ ہو گیا
خدمت ہے اِن کی دہر کی خدمات سے گراں   تسبیحِ فاطمہؑ ہے مناجات سے گراں
ضربِ علیؑ ہے جیسے عبادات سے گراں   پابوسیٔ بتولؑ ہے طاعات سے گراں
جو ذرّہ آیا پاؤں تلے، ماہ ہو گیا
پابوس جو نہ ہو سکا، گمراہ ہو گیا
شادی کے گھر پہ ٹھہرا جلوسِ فلک صفات   اک نقطے پر ٹھہر گئی رقصندہ کائنات
سمٹے تھے اک وجود میں انوارِ شش جہات   آنکھیں جھپکتی رہ گئیں خیرہ نظر برات
عصمت نقیب بن کے پکاری، نظر جھکے
طغیانِ نور دیکھ کے سجدوں میں سر جھکے
پیوند دیکھتی نگہِ عیب جو کدھر   بے زیوریٔ نور پہ کیا ہنستے کم نظر
بارش تھی سورجوں کی فلک سے زمین پر   ہر تار تھا شعاعوں کا تاروں کی رہ گذر
نوری قدم کے نقش زمیں پر نہیں ملے
ڈھونڈا تو یہ نشاں سرِ عرشِ بریں ملے
پہنچیں دُلہن کے حجلے میں اس شان سے بتولؑ   حوریں نثار کرتی تھیں باغِ جناں کے پھول
سمجھیں یہ اہلِ خانہ، ہوا عرش کا نزول   تھا سیلِ نور، نورِ جگر گوشۂ رسولؐ
مہلت نہ دی نفس نے جو رخ پر نظر گئی
غش آیا، روح جسم سے پرواز کر گئی
ماتم کدہ نشاط کا کاشانہ بن گیا   تن جاں سے، دل دھڑکنے سے بیگانہ بن گیا
بجھ بجھ کے ہر چراغ اک افسانہ بن گیا   حجلہ عروسِ نو کا سیہ خانہ بن گیا
قصدِ دُعا کیا گلِ شاخِ رسولؐ نے
پردے ہٹا دیئے درِ حسنِ قبول نے

ہاتھ اٹھے بھی نہ تھے کہ ہوئی کارگر دعا   لب وا نہ ہونے پائے تھے بابِ اثر کھلا
ٹوٹ آئی ہاتھ باندھے ہوئے راہ سے قضا   رب نے کہا، مشیتِ حق ہے تری رضا
تیری نگاہ موت بھی ہے زندگی بھی ہے
تو تیغِ مرتضیٰؑ بھی ہے، عفوِ نبیؐ بھی ہے

یہ مسکرائیں، پڑ گئی مردہ بدن میں جاں   دل دھڑکا، سانس آئی، ہوئی نبض پھر رواں
کروٹ بدل کے خواب سے چونکی عروس یاں   تسلیمِ فاطمہؑ کو جھکی زندگی وہاں
اب دیکھا روئے پاک تو کلمہ زباں پہ تھا
پہلے جہاں تھا کفر، اب ایماں وہاں پہ تھا

حایل میانِ ماضی و حال ایک لمحہ تھا   وقفہ تھا موت کا کہ تھا عرفانِ فاطمہؑ
یوں چمکا کب نصیب کسی نوعروس کا   پائی حیاتِ تازہ بھی، ایماں بھی مل گیا
کیا کہیے اس کو عالمِ بالا سے کیا ملا
نور اُس کو فاطمہ کا وہاں، یاں پتہ ملا

پروانہ وار اٹھ کے ہوئی شمع پر نثار   عصمت کا کلمہ پڑھ کے ہوئی حق کی حلقہ دار
چادر ہے فاطمہؑ کی کہ ایمان کا حصار   نظریں بھی اِس سے مس ہوں تو ملتا ہے اعتبار
اُمِّ حبیبہ ہو گئی مشہور شہر میں
پایا شرف کنیزیِ زہراؑ کا دہر میں

چوکھٹ پہ فاطمہؑ کی رہی برسوں باریاب   اب سمجھی، تھی کنیزیِ زر خدمتِ سراب
رشکِ صد آفتاب ہے یاں گوشۂ نقاب   اِس در سے ملتی ہے جو، وہ دولت ہے بے حساب
زہراؑ کی باندیوں کو بھی کیا کیا نہیں ملا
عرفانِ پنجتن ملا، نورِ یقیں ملا

ناراضگی ہو جس کی قضا، اور خوشی حیات   جس کے غضب سے درہم و برہم ہوں شش جہات
جس کی دعا سے پار لگے کشتیٔ نجات   تکلیف سے ہوں جس کی غمیں فخرِ کائنات
بعدِ نبیؐ وہ حلقۂ جور و جفا میں ہے
جانِ رسولؐ کشمکش و ابتلا میں ہے

اُلٹا جہانِ کج رو کج بیں نے وہ ورق   ہے نفس کے جہاد پہ مامورِ نفسِ حق
لیتا ہے ذوالفقار سے صبر آن کر سبق   گرتا ہے آسمان نہ ہوتی ہے ارض شق
آنسو چمک رہے ہیں ردائے بتولؑ پر
ہے زلزلے میں عرشِ ندائے بتولؑ پر
کہتی ہیں بعد آپ کے یا شاہِ انبیاءؐ   دیکھے ہیں وہ مصائب و آلام برملا
دن دیکھتا تو اوڑھتا شب کی سیہ عبا   ہو جاتا ٹکڑے ٹکڑے پہاڑوں کا سلسلہ
پابندیاں فغاں پہ ہیں، قدغن ہے آہ پر
چلمن ہے آنسوؤں کی ہمیشہ نگاہ پر
اے رحمتِ دو عالم و محبوبِ کبریا   دنیا کو بیٹی آپ کی دے کیسے بددعا
کل تک جو زندگی تھی کنیز، آج ہے خفا   روٹھی ہوئی ہے سیدہؑ دھر سے قضا
بعد آپ کے نظر میں زمانہ سیاہ ہے
مالِ نبیؐ پہ صاحبِ دیں کی نگاہ ہے
حق کا غرور خدمتِ خیرالوریٰ میں تھا   غربت کا عیش دیدِ حبیبِ خدا میں تھا
فتحِ مبیں کا وعدہ نبیؐ کی دعا میں تھا   لطفِ جہاد زندگیِ مصطفیٰؐ میں تھا
ہر جنگ اب تو مالِ غنیمت کی جنگ ہے
طاقت کی، اقتدار کی، دولت کی جنگ ہے
قرآں میں گوشہ گیر ہے علمِ نبیؐ کا باب   دُر دیدۂ مباہلہ کے غم سے ہیں خراب
تطہیر کی ردا ہے کہ برسات کا سحاب   رُوپوش آنسوؤں میں ہے عصمت کا آفتاب
دیوارِ گریہ در ہے رسالت مآبؐ کا
ہے کشتِ اشکِ فاطمہؑ گھر بوترابؑ کا
دن بھر جنابِ فاطمہؑ جاں اپنی کھوتی ہیں   باغِ بقیع میں دُرِ غم جا کے بوتی ہیں
راتوں کو خود کو روک کے گھٹ گھٹ کے رُوتی ہیں   پر آس پاس نیندیں پریشان ہوتی ھیں
کہتے ہیں امتی کہ نبیؐ کو نہ روئیے
اے شاہزادی اتنا کسی کو نہ روئیے

ہم سایگاں کے شکوے پہ زہراؑ نے یہ کہا   کہدیجے اہلِ شہر سے اے شاہِ لافتا
اک دو دن اور امتی سُن لیں مری بکا   رُو رُو کے پھر نہ لے گا کوئی نامِ مصطفاؐ
بابا سے چھٹ کے ڈھائی مہینے گذر گئے
سینے میں دم الٹتا ہے ہم کیوں نہ مر گئے

دنیائے بے حیائی تو ہے زندگی طویل   حساس دل کی فرصتِ گریہ بھی ہے قلیل
گل اختصارِ عمرِ لطافت کی ہے دلیل   خوشبو و رنگ و نور ہیں آوازۂ رحیل
ہے ہے خدا نہ کردہ سکوں میں خلل پڑے
سب سوئیں چین سے کہ ہم اب گھر سے چل پڑے

اک روز آ کے دیکھتے ہیں گھر میں مرتضیٰؑ   مصروف کام میں ہیں بہت بنتِ مصطفےٰؐ
رکھا ہے ایک سمت کو کھانا پکا ہوا   بچوں کے کپڑے دھونے کو پانی بھی ہے بھرا
اطفال کے نہانے کا بھی اہتمام ہے
رخسارِ زرد فاطمہؑ کا لالہ فام ہے

پوچھا، یہ اہتمام ہے کیا دخترِ رسولؐ   مدت کے بعد سرخ و شگفتہ ہے رخ کا پھول
پھر میرے خاکداں پہ ہے نعمات کا نزول   گویا ہوئیں علیؑ کی طرف دیکھ کر بتول
آج آخری یہ دن مرا دنیا کے گھر میں ہے
اے بوالحسنؑ! بتولؑ کا دل اب سفر میں ہے

ہے فکر میرے بعد نہ بچے پھریں تباہ   یہ اہتمام ہے اسی اندیشے کا گواہ
بنتِ عمیس رکھے گی اطفال پر نگاہ   مشکل کشا سے لطف کی خواہاں ہے عذر خواہ
بچوں سے میں بچھڑتی ہوں اس کا ملال ہے
بار آپ پر پڑے گا بہت، یہ خیال ہے

ایسا نہ ہو کہ دیدۂ حسنینؑ نم رہے   زینبؑ نہ میرے واسطے وقفِ الم رہے
کلثومِؑ خورد سال پہ چشمِ کرم رہے   دیجے وہ پیار، بچوں کو ماں کا نہ غم رہے
میری طرح یہ بچے بھی عاشق ہیں باپ کے
میں ان کو چھوڑتی ہوں بھروسے پہ آپ کے

دلِ شیرِ حق کا پھٹنے لگا، کٹ گیا جگر اشکوں کو روک کر یہ کہا دل کو تھام کر
کیوں ایسی باتیں کرتی ہو زہراؑ اے خوش سیر مانا تمھاری شان کے شایاں نہیں یہ گھر
جیسے بھی گزرے ساتھ ہمارے بسر کرو
معصوم ہو، اکیلے نہ لمبا سفر کرو

یہ سچ ہے بعدِ خیرِ بشر زندگی ہے عار پر کیا کریں کہ ہے یہی مرضیِ کردگار
اٹھارہ سال کا بھی ہے جینے میں کچھ شمار دیکھی نہ تم نے عمر کی انیسویں بہار
بچوں کے ساتھ رہ کے سبک ہو تو فرض سے
پھر ایک ساتھ نپٹیں گے جینے کے قرض سے

تم سے ہے میرا خانۂ افلاس مال دار تم سے خزاں میں بھی ہے چمن میرا پُر بہار
تم سے ہے رنگ و بو مرے پھولوں کا مستعار تم یورشِ جفا میں وفا کا ہو اعتبار
خوشبو و رنگ چھوڑتے ہیں جب خیامِ گل
رہ جاتی ہیں دریدہ قبا میں بنامِ گل

جینا ہے صرف اپنی خوشی کے لیے فضول وابستہ تم سے کنبے کی خوشیاں ہیں اے بتولؑ
تم خوش نہیں حیات سے، دنیا سے ہو ملول سکھلاؤ جی کے بیٹوں کو صبر کے اصول
گھر میں غریب کے کوئی راحت نہیں تمھیں
پر ایسے روٹھنے کی اجازت نہیں تمھیں

رو رو کے سیّدہؑ نے کہا، اے ابوالحسنؑ میں اور روٹھوں آپ سے، کیوں ہے یہ سوئے ظن
غربت میں آپ کی ہے امیری کا بانکپن ساتھ آپ کا ہے شاہیِ عالم شہِ زمن
بابا سے فخرِ فقر کا میں تاج لائی تھی ؛
خود اختیار کرنے کو میں صبر آئی تھی ؛

خود اختیار سے ہو غریبی تو راج ہے مستغنی ہوں جہاں سے، یہی تخت و تاج ہے
حاجت روائی خلق کی حق کا مزاج ہے اس سلطنت کا مرضیِ خالق خراج ہے
ہم راہی آپ کی تھی نہ شاہنشہی سے کم
ہر دولتِ زمانہ ہے اس ہمرہی سے کم

بچوں کا میرے بعد ہے خالق نگاہ باں   بعدِ خدا ہیں آپ یتیموں کے حرزِ جاں
حسنین پل کے آپ کے سائے میں ہوں جواں   ہوں مستفیض تربیتِ حق سے بیٹیاں
میری حیات کے بھی کریں قرض آپ ادا
میری طرف سے کیجیے گا سب قرض آپ ادا
اچھے گھروں میں لاڈلیوں کی ہوں شادیاں   سکھلا چکی ہے صبر کے انداز اُن کو ماں
حسنینؑ لائیں بیاہ کے گھر شاہزادیاں   سائے میں آپ کے رہے یہ کشت شادماں
سیدانیوں کے باغ گلوں سے بھرے رہیں
میرے لہو کے پودے ابد تک ہرے رہیں
ہم کو عطا ہوئی تھی یہی عمرِ مختصر   اس عمر ہی میں دیکھ لیے سارے خشک و تر
شاخِ مراد بھی ہوئی بچوں سے بارور   لایا نہالِ دل بھی مصائب کے برگ و بر
صدموں کے ساتھ صبر بھی ہم کو عطا ہوا
حق شکرِ فضلِ رب کا نہ ہم سے ادا ہوا
جاتی ہیں کاش یاں سے سبکبار یا علیؑ   بچوں میں رہتا دل نہ گرفتار یا علیؑ
رہیے ان الفتوں کے نگہدار یا علیؑ   لطف و کرم ہے بچوں کو درکار یا علیؑ
گریہ گر اِن کا صبر و رضا کے خلاف ہو
نادان ہیں، خطائے یتیماں معاف ہو
کچھ روز ماں کو روئیں گے اطفالِ خورد سال   اُن کی طرف سے دل میں نہ آئے کبھی ملال
نانا کے لطف سے بھی ہیں محروم نونہال   ان کی جگہ بھی آپ ہیں اے شیرِ ذوالجلال
زینبؑ کو دیکھتی ہوں تو دل کانپ جاتا ہے
نام حسینؑ لیتے ہی دل امڈا آتا ہے
میرا حسینؑ دشتِ بلا میں جو جائے گا   پیاسا رہے گا زخموں پہ وہ زخم کھائے گا
عباسؑ کے فراق سے تن تھرتھرائے گا   اکبرؑ کے غم سے ضعف بصارت میں آئے گا
زینبؑ اکیلی تھامے گی کس طرح بھائی کو
آپ آئیے گا بیٹے کی مشکل کشائی کو

میں تو رہوں گی ساتھ ہی چھوٹے گا جب وہ گھر ہر زخم دل میں رکھوں گی اس کا بچشمِ تر
آئے گا جب فرس سے زمیں پر مرا پسر گودی میں اپنے لوں گی میں لختِ جگر کا سر
لاشے پہ اس کے چادرِ تطہیر اُڑھاؤں گی
پھر مدد میں آپ کو اس دم بلاؤں گی
پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ مصطفےٰؐ چھینے نہ ظلم زینبؑ و کلثومؑ کی ردا
قیدی بنانے پائیں نہ عابدؑ کو اشقیا فوجِ جفا نہ لوٹ لے گھر میری آل کا
ہیں آپ کل جہاں کے مددگار یا علیؑ
در در پھرے نہ عترتِ اطہار یا علیؑ
بولے علیؑ کہ اے مری غمخوار صبر کر اے ورثہ دارِ کاشفِ اسرار صبر کر
ہے کربلا مقدرِ احرار صبر کر قبلِ ستم ہو غم کا نہ اظہار ، صبر کر
منظور تم کو مجھ سے جو رخصت ہے آج ہی
میرے لیے تو روزِ قیامت ہے آج ہی
آرام تم کو گھر میں علیؑ کے ملا نہیں لیکن تمھارا ظرف کہ شکوہ کیا نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو تم پر ہوا نہیں پر آئنے میں دل کے کدورت ذرا نہیں
اب عذر کر کے مجھ سے نہ مجھ کو خجل کرو
ہاں مجھ سے جو خطائیں ہوئی ہیں ، بحل کرو
زہراؑ نے ہاتھ ہاتھ میں حیدرؑ کا لے لیا آنکھوں سے مل کے چوم کے ہونٹوں سے یہ کہا
اس ہاتھ کی قسم ، مجھے شکوہ نہیں ذرا جو عمر ساتھ گزری وہ حاصل ہے عمر کا
انعامِ ہم رہی سرِ محشر مجھے ملے
اس ہاتھ ہی سے ساغرِ کوثر مجھے ملے
بولے علیؑ ، اگر ہو وصیت کوئی ، کہو فرقت زدہ کے حق میں بھی ارشاد کچھ کرو
شاید اسی طرح سے مداوائے ہجر ہو داغِ غمِ فراق کو نور اپنا بخش دو
زہراؑ نے دیکھا چہرۂ حیدرؑ کو ناز سے
پھر کچھ وصیتیں کیں دلِ بے نیاز سے

ملبوسِ وقتِ غسل نہ میرا ہٹائیے   مجھ کو کفن عبائے نبیؐ کا پنھائیے
اوپر سے پھر خدیجہؓ کی چادر اڑھائیے   تابوت میرا پردۂ شب میں اٹھائیے
اک عمر تک اٹھاتے رہے میرے ناز آپ
میت پہ میری پڑھیے گا مولا نماز آپ
جب ڈھل چکے ہوں رات کے بھی ایک دو پہر   ظلمات پردے ڈال دیں مردم کی چشم پر
تابوت اٹھائیے گا ردا اُس پہ ڈال کر   کیا غیر، اپنوں کی بھی نہ مجھ پر پڑے نظر
اک غیر بھی جنازے پہ میرے نہ آنے پائے
تابوت کو بھی ہاتھ نہ کوئی لگانے پائے
تیرہ کی شب ہے، ہوگی بہت آج چاندنی   میت کے ساتھ ہو نہ لحد پر ہو روشنی
یا شاہ! آرہا ہے قریں وقتِ جاں کنی   تن میں کھٹک رہی ہے بہت جان کی انی
یہ وقت ہے خدائے جہاں سے نیاز کا
کرلوں ادا فریضۂ آخر نماز کا
حجرے میں فاطمہؑ گئیں، مسجد میں مرتضیٰؑ   حسنینؑ آئے گھر میں تو اسماء نے یوں کہا
شہزادو کھانا کھالو کہ ماں کی ہے یہ رضا   حسنینؑ بولے، حکم ہے یہ آج کیوں نیا
ماں کے بغیر ہم نے نہ کھایا نہ سوئے ہیں
تنہا گئی ہیں گھر سے تو ہم پہروں روئے ہیں
حجرے میں پڑھ رہی تھیں مناجات فاطمہؑ   اک بار بند ہوگئی تہلیل کی صدا
اسماء نے کھولا دوڑ کے در بیتِ حزن کا   دیکھا کہ جسم سرد ہے اور دل رُکا ہوا
چلّا کے روئیں یوں کہ کلیجے دَہل گئے
حجرے میں جانے کے لیے بچے مچل گئے
اسماء سے پوچھتے ہیں کہ کیوں پیٹتی ہو سر   سونے دو سو رہی ہیں جو زہراؑ نامور
کیا بات ہے جو آتا نہیں کچھ ہمیں نظر   بے اختیار آنکھیں ہوئی جا رہی ہیں تر
اسماء کی چپ سے لفظ لبوں میں سمٹ گئے
اطفال دوڑ دوڑ کے ماں سے لپٹ گئے

جب دیکھا دل دھڑکتا نہیں، سرد ہے بدن   گھبرا کے یہ حسینؑ سے کہنے لگے حسنؑ
اب تک تو تپ رہا تھا حرارت سے اِن کا تن   کیا بات ہے جو سرد ہوا جسم دفعتاً
بابا کو دو خبر کہ وہ آ کے دوا کریں
جب تک وہ آئیں ماں کے لیے ہم دعا کریں
ہاتھ اُٹھے یاں حسینؑ و حسنؑ کے پئے دُعا   کلثومؑ و زینبؑ آ گئیں روتی برہنہ پا
چاروں نے اپنے حلقے میں مادر کو لے لیا   رُو رُو کے ربِّ راحم و غفّار سے کہا
یارب نہ چھین بچوں سے بنتِ رسولؐ کو
صحت کے ساتھ عمرِ خضر دے بتولؑ کو
یارب! ہمارے جینے کی صورت ہے ماں کے ساتھ   عیش و نعم ہیں، فرحت و راحت ہے ماں کے ساتھ
دنیائے بے اماں میں مسرت ہے ماں کے ساتھ   دولت ہے، سلطنت ہے، حکومت ہے ماں کے ساتھ
یہ سلطنت نہ چھین، نہ ہم کو غریب کر
سوگندِ مصطفےٰ، ہمیں روشن نصیب کر
مسجد سے آ کے سنتے کھڑے تھے علیؑ دعا   بند آنسوؤں پہ باندھ کے آہستہ سے کہا
اے بیٹو اب فضول ہے ہر عرض و التجا   اے بیٹیو نہ روؤ، جو ہونا تھا ہو چکا
ہم جس سے تھے امیر وہ دولت نہیں رہی
دنیا میں شاہزادیٔ جنت نہیں رہی
حسرت سے دیکھا بچوں نے چہرے کو باپ کے   آئی سمجھ میں بات تو غش کھا کے گر پڑے
غش سے اٹھے تو بہنوں سے بھائی لپٹ گئے   آنسو ٹپک رہے تھے یتیمی کی آنکھ سے
عترت پہ مصطفےٰؐ کی قیامت کا وقت تھا
مشکل کشا پہ سخت مصیبت کا وقت تھا
بولے علیؑ کہ اے مری غم خوار الوداع   اے نورِ چشمِ سیّدِ ابرار الوداع
اے میرے گھر کی مالک و مختار الوداع   غم آشنائے بے کس و بے یار الوداع
صحرائے ہجر، غم کا سمندر ہے سامنے
تنہا علیؑ ہے، ظلم کا لشکر ہے سامنے

لرزہ تھا گھر میں ضبطِ شہِ مشرقین سے
تھرا رہا تھا عرش فغانِ حسینؑ سے
کہرام قدسیوں میں تھا زینبؑ کے بین سے
کس طرح روحِ فاطمہؑ بھی سوتی چین سے
پھیلا کے ہاتھ گود میں سب کو اٹھا لیا
بچوں کو فاطمہؑ نے گلے سے لگا لیا
امت نے کیسے لوٹی ریاضت بتولؑ کی
برباد کس طرح ہوئی دولت بتولؑ کی
خوشیوں کے پھل نہ لائی مشقت بتولؑ کی
خاک اور خوں میں مل گئی محنت بتولؑ کی
لختِ دلِ حسنؑ ہوئے مقتولِ زہرِ غم
خونِ حسینؑ بن گیا دریائے شہرِ غم
بعدِ علیؑ حسنؑ سے خلافت نے کی دغا
صلحِ حسنؑ نے جھوٹ کا منھ بند کر دیا
بے مُلک ہو کے مُلکِ سخاوت کو لے لیا
ان کی سخا کے سامنے شاہی کا سر جھکا
سایل کو مال کیا ہے، خلافت بھی بخش دی
طبل و علم بھی بخشا، حکومت بھی بخش دی
نورِ امام شام کی ظلمت پہ تھا گراں
آب و غذا سے سازشیں کرتی تھیں تلخیاں
مقتولِ جامِ زہر ہوئے سیدِ جناں
بارانِ تیر سے ہوا تابوت ضو فشاں
غاصب نے دی جگہ نہ جوارِ رسولؐ میں
آخر کو سوئے پہلوئے قبرِ بتولؑ میں
لے دے کے پنجتن میں تھی اب صرف ایک ذات
وہ ذات جس کا جزو تھا مجموعۂ صفات
مجموعۂ صفات تھا تلخیصِ کائنات
تلخیصِ کائنات کا عنوان تھی نجات
شر کو تھا ڈر نجاتِ ہمہ کائنات سے
کد ظلم کو تھی ذاتِ سراپا صفات سے
بربادیٔ حسینؑ کے ساماں ہوئے بہم
اک نقطے پر سمٹ گئے اسبابِ درد و غم
زہراؑ کے لختِ دل پہ ہوا زغنۂ ستم
شاخیں نہالِ فاطمہؑ کی ہو گئیں قلم
نازاں تھا جس پہ حق وہ سپاہی نہیں رہے
وہ مرد جن سے ڈرتی تھی شاہی، نہیں رہے

مقتل کی نذر ہو گیا لشکر حسینؑ کا
بیٹا رہا نہ کوئی برادر حسینؑ کا
دستِ اجل نے لوٹا بھرا گھر حسینؑ کا
ہونے کو فدیہ رہ گیا اک سر حسینؑ کا
زینبؑ پکارتی رہی، بھائی کو چھوڑ دے
اے شمرؔ! فاطمہؑ کی کمائی کو چھوڑ دے
مادر کا فرض بنتِ نبیؐ نے ادا کیا
چادر کو اپنی ریگِ تپاں پر بچھا دیا
کٹتے گلے کو زانو پہ اپنے اٹھا لیا
بیٹے کا وقتِ ذبح پڑھا پہلا مرثیہ
اصغرؑ کی لاش دل سے لگائے ہوئے رہیں
ہر ظلم میں سکینہ کو تھامے ہوئے رہیں
سر کی ردائیں لے گئی جب فوجِ اشقیا
سیدانیوں پہ سایۂ نورِ کِسا کیا
زینبؑ کا ساتھ گیارھویں کی شب کو یوں دیا
جو اشک ٹپکا اپنی مژہ پر اٹھا لیا
آئے علیؑ جو بیٹی کی مشکل کشائی کو
زہراؑ نے دیکھا صدق کی وعدہ وفائی کو
زینبؑ نے کی شمار جو دولت حسینؑ کی
دیکھا ہے گم یتیم شہ مشرقین کی
کی جستجو ہر ایک طرف نورِ عین کی
مقتل سے آ رہی تھی صدا شور و شین کی
نعشِ پسر کے پہلو میں زہراؑ دکھائی دیں
دادی کے زیرِ سایہ سکینہ دکھائی دیں
چھوڑا جو کاروانِ محمدؐ نے کربلا
ہمراہ تھیں سفر میں اسیروں کے فاطمہؑ
گر کوئی طفل بھاگتے ناقے سے گر پڑا
زہراؑ نے اپنی گود میں اس کو اٹھا لیا
سایہ فگن سروں پہ ردائے بتولؑ تھی
روشن شبوں کو شمعِ صدائے بتولؑ تھی
بڑھتا رہا قدم بہ قدم کاروانِ غم
طے کر رہی تھی اشکوں کے صحرا فغانِ غم
کرتی تھی قطع جادۂ آلام جانِ غم
بالا تھی جشنِ عیش و مسرت سے شانِ غم
ناقوں پہ آل، نیزوں پہ تھے سر بلند سر
پستی میں فوج، عرش پہ تھے ارجمند سر

کوفے کی ہر گلی میں تھا انبوہِ اہلِ کیں   ہر گھر تماشا گاہ تھا، ہر در تماش بیں
استادہ بام پر تھے تماشے کو نازنیں   عبرت کی آنکھیں خوفِ تماشا سے بند تھیں
آخر ورودِ قافلۂ ہل اتیٰ ہوا
کوفے میں وارد ابنِ شہِ لافتا ہوا
بالائے بام بیٹھی تھی اک بی بی ڈھانپے سر   تھیں گرد باندیاں کہ نہ اس پر پڑے نظر
اس صاحبِ حشم کو تھا بے پردگی کا ڈر   تھا حکم ایستادہ نہ ہوں مرد بام پر
رطب اللساں تھی مدحِ شہِ انس و جاں میں وہ
شبیرؑ آنے والے ہیں، تھی اس گماں میں وہ
اتنے میں شور آیا قریں، گونجے قہقہے   بت سے بے حسی کے بیچ سے رستے کے ہٹ گئے
بالائے بام بیٹھے تھے جو، اٹھ کھڑے ہوئے   آوازیں دب گئیں دف و قرنا کے شور سے
ماہی مراتب ابھرے، علم آئے سامنے
خود و زرہ میں اہلِ ستم آئے سامنے
پیچھے نشاں کے نیزوں پہ ہیں کچھ بریدہ سر   غلطاں بخاک چہروں پہ ہے نور جلوہ گر
لب خشک، آنکھیں بند، جبینیں لہو میں تر   کچھ اس قدر حسیں کہ لگے زندوں کی نظر
ہے درمیاں میں سر کسی عزّت مآب کا
جیسے گھرا ہو تاروں میں پھول آفتاب کا
ابرو ہلال، ماتھا فلک، آنکھیں ماہتاب   بینی بلند، گوش ہیں گل، ہونٹ ہیں خوش آب
واللیل زلفیں، چہرہ ہے والفجر کی کتاب   رخسار لالہ رنگ، ذقن دستۂ گلاب
چھینٹوں سے خوں کے ریشِ مطہر خضاب ہے
گردن ہے یا کہ شاخِ گلِ آفتاب ہے
بی بی نے دیکھا ہو کے پریشاں اِدھر اُدھر   بولی کنیزوں سے کہ ٹھہرتی نہیں نظر
یہ آدمی کا سر ہے کہ نورِ خدا کا سر   مارا ہے ظالموں نے کسے کچھ تو دو خبر
اس سر کے گرد سر نہیں انوار ہیں تمام
لگتا ہے انبیاءؑ کے یہ آثار ہیں تمام

بولیں کنیزیں سنتے ہیں باغی تھے یہ تمام   یہ چاہتے تھے ملکِ عراق اور تختِ شام
حاکم کا ان کے دل میں نہ تھا کچھ بھی احترام   سردار اِن کا کہتا تھا، میں حق کا ہوں امام
اس کے جواں خلیفہ سے لڑنے کو آئے تھے
یثرب سے کربلا میں اجڑنے کو آئے تھے
بولی جو ہو سو ہو، یہ ہے کس حُسن کی نمود،   نیزے پہ سر نہیں ہے یہ، ہے صبح کا ورُود
ایسا جوان دیکھے گی کب چشمِ ہست و بود   دیکھوں اِدھر تو پڑھتی ہے جیسے نظر درود
دل کہہ رہا ہے پھول یہ باغِ علیؑ کا ہے
میرے دہن میں خاک، یہ چہرہ نبیؐ کا ہے
اور اس بلند نیزے پہ دیکھو خدا کی شان   کیا طنطنہ ہے، رعب ہے کیا، کیسی آن بان
یہ سر ہے یا کہ فوجِ صداقت کا ہے نشان   چہرہ وفا کا نور، شجاعت کا ہے جہان
لگتا ہے یوں کہ دوش پہ ہے آج بھی علَم
کھولے ہوئے نہ سر پہ ہوں اس کے علیؑ علم
اس سبز نیزے پر ہے جو سر، ہو گا گلبدن   پھولوں میں ہے بسی ہوئی زلفوں کی ہر شکن
کانوں کے پاس سہرے کی لڑیاں ہیں ضوفگن   ہے ہے خدا نہ کردہ ہو یہ صورتِ حسنؑ
کرنیں ہیں گرد یا کہ دعائیں دلہن کی ہیں
آنکھوں میں بند شاید ادائیں دلہن کی ہیں
یہ کہتے کہتے چیخ کے بولی وہ حق شناس   اے بی بیو! وہ ننھا سا نیزہ ہے عرش اساس
اک شیر خوار، آنکھوں لبوں میں ہے کیسی پیاس   آغشتہ ہے لہو میں یہ کس ماں کے دل کی آس
پھولوں کے درمیان یہ غنچہ کھلا ہے کیوں
کھیتی میں سورجوں کی یہ تارا اگا ہے کیوں
وہ دیکھو ساتھ ساتھ ہیں دو نیزوں پر دو سَر   جیسے کہ اب بھی دیکھتے ہوں سوئے یک دگر
چہروں پہ ہے تہور و غیرت کا کیا اثر   کم سن ہیں پر غضب کے ہیں تیور، عجب نظر
جعفر کا دبدبہ ہے یہ، تیور علیؑ کے ہیں
کس منہ سے میں کہوں کہ یہ دلبر علیؑ کے ہیں

نیزوں پہ نور اٹھائے ہوئے ہے سپاہِ شام   ہر سر کو مومنہ کی نظر کرتی ہے سلام
کہتا ہے دل انہی کی زیارت کرو مدام   بولی مصاحبوں سے، میں کہتی ہوں لا کلام
یہ سب جواہر ایک ہی کانِ شرف کے ہیں
کچھ لعل ہیں مدینے کے، کچھ دُر نجف کے ہیں
یہ کہتے کہتے جھک کے اٹھی جو نگاہِ زار   دیکھا سروں کے پیچھے ہے اونٹوں کی اک قطار
بے سایہ ہیں کجاوے تو ناقے ہیں بے مہار   کچھ پر ہے مال لوٹ کا اور کچھ پہ ہیں سوار
اونٹوں کے ساتھ بھاگتا ہے اک نحیف و زار
چہرہ مریض، پاؤں برہنہ، ضعیف و زار
مڑ کر کہا کہ دیکھو ہے یہ ظلم بھی عجیب   پہنے ہوئے ہے بیڑیاں پیروں میں بدنصیب
پھر بھی یہ حکم ہے کہ نہ ٹھہرے کہیں غریب   دیکھو وہ تھک کے ٹھہرا، وہ آیا کوئی قریب
ہے ہے یہ کیا غضب ہے کہ دُرّے لگاتے ہیں
دو بھر ہے جس کو چلنا بھی، اس کو بھگاتے ہیں
گردن سے اپنا طوق نکالے تو وہ چلے   زنجیریں ہتھکڑی سے سنبھالے تو وہ چلے
دیں راہ اُس کو چلنے کی بھالے تو وہ چلے   یہ ظالم اپنا دُرّہ ہٹا لے تو وہ چلے
تلوؤں میں چبھتے ہوں گے بہت خار، کیا چلے
پرسش ہو اسلحوں سے تو بیمار کیا چلے
نیزے بھی، برچھیاں بھی، تبر بھی ہیں بھالے بھی   تیر و کمان والے بھی، تلوار والے بھی
گھوڑا سوار فوج بھی، پیدل رسالے بھی   دستے حبش کے بھی ہیں، عرب کے جیالے بھی
ہیں اتنی فوجیں اک اسی بیمار کے لیے
اتنے ستم ہیں ایک تنِ زار کے لیے
ناقوں پہ سر برہنہ یہ کون ارجمند ہیں   کچھ عورتیں ہیں غم زدہ، اطفال چند ہیں
بالوں سے منہ ڈھکے ہوئے ہیں، آنکھیں بند ہیں   تیور یہ ہیں کہ گر کے بھی سب سے بلند ہیں
شور و شرِ ہجوم سے آنکھیں بچائے ہیں
شرما کے بچے گودیوں میں منہ چھپائے ہیں

بڑھتا گیا ہجوم، ہوا بند راستہ
رستا رکا تو فوج رکی، قافلہ رکا
اک ناقہ چلتے چلتے وہیں پر ٹھہر گیا
تین آفتاب اس میں تھے، اک ماہ زاد تھا
چہرے نہاں تھے زلفوں میں، زلفیں غبار میں
دل اختیار میں تھے نہ اشک اختیار میں
کوزہ دکھا کے ننھا سا مہ زاد نے کہا
اے بی بی! کوئی پانی پلا دے ہمیں ذرا
چھڑکاؤ راستوں پہ تو ہوتا ہے جا بجا
اک قطرہ ہم کو دینے سے رکتے ہیں اشقیا
پاکر اشارہ بی بی کا، اک باندی آب لائی
اور اک طعامِ گرم سے لبریز قاب لائی
لڑکی نے دیکھا اپنی بزرگوں کو گھوم کر
پھر خود ہی بولی بی بیوں سے پھیر کر نظر
دو گھونٹ پانی پی لیں تو ہو جائے حلق تر
خواہش نہیں غذا کی ہمیں اے نکو سیر
بی بی پکاری، آپ کے قربان جایئے
کچھ لیجیئے طعام، مری مان جایئے
زلفیں ہٹا کے ایک خوزادی نے یہ کہا
پانی اسے پلادو تو دے گا خدا جزا
گذریں جو تین روز بھی بے آب و بے غذا
خیرات صدقہ لیتی نہیں آلِ مصطفےٰؐ
گھبرا کے بولی مومنہ یہ کیا کلام ہے
خیرات ہے نہ صدقہ، یہ نذرِ امام ہے
پھر ایک بار چونک کے پوچھا یہ کیا کہا
کچھ آپ نے کیا تھا ابھی ذکرِ مصطفےٰؐ
کیا رشتہ آلِ پاک سے ہے کچھ جناب کا
بولی خوزادی، دور کا ہے اُن سے واسطا
ہم تو اسیر و بے وطن و بے نقاب ہیں
وہ آسمانِ جنابِ رسالت مآبؐ ہیں
وہ بولی صاف صاف کہیں آپ اپنا حال
آج آرہے ہیں بندی کے دل میں عجب خیال
نیزوں پہ جب سے دیکھے ہیں سر ہے بہت ملال
زنجیر بستہ دوڑتا ہے کون خوش خصال
ہو حال اگر امام کا معلوم، کچھ کہو
کس حال میں ہیں زینبؑ و کلثومؑ کچھ کہو

بولی خوزادی اُن سے تعلق نہیں ہے کیا
وہ بولی میں ہوں ذرۂ دہلیزِ فاطمہؑ
کلثومؑ کی کھلائی ہوں، زینبؑ کی خادمہ
کہتی تھی مجھ کو اپنی کنیزِ آلِ مصطفےٰؐ
ان کے طفیل دین بھی دولت بھی پائی ہے
جو دیکھتی ہیں آپ، وہ حشمت بھی پائی ہے
اُمِّ حبیبہ کہتی تھیں لونڈی کو فاطمہؑ
اترا تھا ایک شب مرے گھر نورِ کبریا
میں مرگئی تو جینے کا حکم اُن سے ہی ملا
پائی حیاتِ تازہ بھی، ایماں بھی مل گیا
ظلمت نصیب تھی، مری قسمت سنور گئی
عقبیٰ چمک گیا، مری دنیا نکھر گئی
واصل بحق ہوئیں وہ، مرے دن پلٹ گئے
اوراق ماہ و سال کے کتنے اُلٹ گئے
عشاقِ آل سیکڑوں شہروں میں بٹ گئے
کوفے میں آکے سلسلے ماضی سے کٹ گئے
مولائے کائنات ہی سے پھر شرف ملا
کوفے کو چند سال عروجِ نجف ملا
مولا جو آئے، آئیں یہاں شاہزادیاں
لوٹ آئیں اِس کنیز کے گھر شادمانیاں
خدمت میں اُن کے جاتی تھیں ہر دن جو باندیاں
حاصل تھا امتیاز مجھے اُن کے درمیاں
سب کہتے تھے مصاحبِ زہراؑ رہی ہے یہ
دی تھی انہوں نے جاں جسے، بندی وہی ہے یہ
آقا ہوئے شہید تو کوفہ ہوا تباہ
غدار شہر میں نہ حسنؑ کو ملی پناہ
پھر جا بسے مدینے میں عترت کے مہر و ماہ
مدّت سے تک رہی ہوں میں شہزادیوں کی راہ
شہرت یہ ہے حسینؑ ہدایت کو آئیں گے
دعوت پہ اہلِ کوفہ کی تشریف لائیں گے
میں روز میہمانی کا کرتی ہوں اہتمام
آبِ خنک بھی رکھتی ہوں، پکواتی ہوں طعام
کرتی ہوں روز فرش کا، مسند کا انتظام
شور آج صبح سے تھا کہ آنے کو ہیں امام
بیٹھی تھی یہ امید لیے آکے بام پر
جاؤں گی صدقے آج ضیائے امام پر

لیکن یہ کیا تماشا ہے آتے نہیں ہیں شاہ   فوجوں نے چار سمت سے کر دی ہے بند راہ
کچھ سر دکھائی دیتے ہیں مانندِ مہر و ماہ   کچھ بی بیاں ہیں ناقوں پہ، نیچے ہیں کچھ تباہ
دل دہلا جا رہا ہے کہ یہ ماجرا ہے کیا
اے بی بیو! بتاؤ کہ تم نے سُنا ہے کیا
اب دوسری خوزادی نے رُخ سے ہٹائے بال   اس مومنہ کے چہرے کو دیکھا بصد ملال
فرمایا تو نے دیکھ لیا ہے ہمارا حال   چہرے ہمارے غور سے دیکھ اے محبِ آل
شاید تجھے شباہتِ زہراؑ دکھائی دے
زینبؑ کا بھی یہیں کہیں چہرہ دکھائی دے
اُمِّ حبیبہ چیخ اٹھی، شاہزادیو!   آیا یقیں کہ زینبؑ و کلثومؑ تم ہی ہو
قربان ہو کنیز کچھ احوال تو کہو؛   کس طرح پہنچیں بی بیاں اِس حالِ زار کو
ہے خیر تو امامِ زماں خیریت سے ہیں
کہہ دو حسینؑ ابن علیؑ عافیت سے ہیں
زینبؑ نے سر جھکا کے کہا کیسی خیریت   فرزندِ مصطفےٰؐ نے کہاں پائی عافیت
خاک اور خوں میں مل گئی زہراؑ کی ذرّیت   ہوتے اگر حسینؑ تو چھنتی نہ حرّیت
سر قطع کر کے ان کا سِناں پر چڑھا لیا
بے وارثوں کو ظلم نے قیدی بنا لیا
عباسؑ پانی لانے گئے تھے، نہ آ سکے   قاسمؑ نہ اکبرؑ اپنی جراحت دکھا سکے
پامال لاشیں ہو گئیں، ہم کر ہی کیا سکے   نے دفن کر سکے نہ کفن ہی پنہا سکے
یہ پیاسی ہے یتیم شہِ مشرقین کی
یہ سر برہنہ بیٹھی ہیں بانو حسینؑ کی
چادر کو سر سے پھینک کے چلائی مومنہ   شہزادیاں برہنہ سر اور اوڑھوں میں ردا
بولی کنیزوں سے کہ میں کہتی تھی تم سے کیا   نیزوں پہ سر بریدہ ہے کنبہ رسولؐ کا
ہے ہے ہماری بی بی کا کنبہ اُجڑ گیا
شہزادیوں سے شاہ سفر میں بچھڑ گیا

زینبؑ نے غم زدہ سے کیا رو کے یہ کلام   پہچانا تو نے کیوں نہیں اے عاشقِ امام
ٹھہرا تھا سر امام کا آکر قریبِ بام   آئے تھے کرنے ماں کی مصاحب کو وہ سلام
اک شب تو میزبان بنی تھی بتولؑ کی؛
مہمانی تیری سبطِ نبیؐ نے قبول کی؛
وہ بولی جان و دل مرے صدقے امام پر   ساتھ ان کے کون نور کے پارے ہیں جلوہ گر
کلثومؑ نے کہا کہ عزیزوں کے سب ہیں سر   دو سر جو ساتھ ساتھ تھے زینبؑ کے ہیں پسر
عباسؑ بھی جلو میں ہیں، اکبرؑ بھی ساتھ ہیں
قاسمؑ بھی، چھوٹے نیزے پہ اصغرؑ بھی ساتھ ہیں
بچوں کے ساتھ پیاسے رہے تین روز بھائی   قاسمؑ کو سہرا بھایا نہ شادی ہی راس آئی
پیاسوں کے خوں سے سرخ ہوئی نہر کی ترائی   اصغرؑ کی پیاس زہرِ لبِ تیر نے بجھائی
آیا جو وقتِ عصر نبیؐ کا شجر کٹا
سجدے میں تھے حسینؑ تو خنجر سے سر کٹا
آئی قیامت، آگ لگی، جل گئے خیام   بے پردہ ہو گئے ورثائے کسا تمام
عارض ہوئے سکینہ کے سیلی سے لالہ فام   عابدؑ کو حکمِ قید ملا بنتے ہی امام
کوفہ پھرا ہے فاتحِ بدر و حنین سے
زنجیریں بات کرتی ہیں ابنِ حسینؑ سے
امِ حبیبہ بولی یہ کیا انقلاب ہے؟   کوفے میں ننگے پاؤں بنِ بوترابؑ ہے
زنجیر میں وصیِ رسالت مآب ہے   سچ کہتے ہیں کہ دہر سراسر سراب ہے
محتاجِ قبر لاشۂ سلطانِ دیں رہے
ملکِ خدا یزید کے زیرِ نگیں رہے
زینبؑ یہ بولیں رونے کو اک عمر ہے پڑی   ہے مختصر بہت یہ ملاقات کی گھڑی
آگے کی منزلیں ہیں ابھی اور بھی کڑی   حسرت کی پھانس کیوں ترے دل میں ہے اڑی
مہمانی کے ہیں جتنے بھی اسباب کر بہم
پھر ہوں گے تیرے گھر نہ شہیدوں کے سر بہم

اے نیک بخت آئے ہیں سب تیرے مہماں   کر اہتمامِ فاتحہ، کھانوں سے بھر دے خوان
کوزے بھی آبِ سرد سے پُر ہوں، رہے یہ دھیان   قرآن پڑھ کے نذر دے، قرآں کی ہیں یہ جان
ہفتم سے آج تک ہے گرسنہ نبیؐ کی آل
پانی کی کر سبیل، ہے تشنہ نبیؐ کی آل

جلدی سے فاتحہ کا کیا اس نے اہتمام   لائیں کنیزیں سر پہ اٹھائے ہوئے طعام
بچّوں کو اپنے ہاتھ سے دیتی تھی بھر کے جام   آبِ خنک پہ گرتے تھے اطفالِ تشنہ کام
روتی تھی بار بار وہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
سنتی تھی کربلا کا بیاں کانپ کانپ کر

زینبؑ نے آخر اُمِّ حبیبہ سے یہ کہا   ہے تجھ سے بنتِ فاطمہؑ کی ایک التجا
دے دے رسول زادیوں کو ایک اک ردا   اس خیر کے عوض ترا پردہ رکھے خدا
خود اس نے دوڑ دوڑ کے سب کو ردائیں دیں
سیدانیوں نے ڈھانپ لیے سر، دعائیں دیں

اتنے میں غل مچاتے بڑھے دشمنانِ دیں   نیزوں پہ آگے آگے سروں کی صفیں بڑھیں
بے اختیار ناقوں پہ سیدانیاں چلیں   پھر سے ردائیں نیزوں کی نوکوں نے چھین لیں
زینبؑ نے دیکھا مومنہ کو مڑ کے یاس سے
رو رو کے اس نے فوج کو دیکھا ہراس سے

اُمِّ حبیبہ بولی بصد آہ، الوداع   اے میرے شاہزادو، مرے شاہ الوداع
اے شاہزادیانِ فلک جاہ الوداع   حافظ رہے اسیر دل کا اللہ الوداع
مہماں سب چلے گئے، غم خوار رہ گئی
مصروفِ گریہ تشنۂ دیدار رہ گئی

کوفے سے شام تک گئی عترت بتولؑ کی   درباروں میں طلب ہوئی بضعت بتولؑ کی
ہر جا تھی سر پہ چادرِ عصمت بتولؑ کی   ہے اہلِ عصمت آج بھی اُمّت بتولؑ کی
شہزادیاں ہیں اب بھی کنیزانِ فاطمہؑ
محشر تلک وسیع ہے دامانِ فاطمہؑ

گھر عاشقانِ آل کے آتی ہیں فاطمہؑ   اُن کی خوشی یہی ہے کہ ہو مجلسِ عزا
وہ جانتی ہیں اشکِ عزادار کی بہا   رومال اُن کا پائے گا ہر دیدۂ ولا
گوہر غمِ حسینؑ کے چنتی ہیں فاطمہؑ
ذکرِ حسینؑ ہو کہیں سُنتی ہیں فاطمہؑ

مرثیہ ۲

قلعہ کشا

قلعے تعمیر کیے دستِ ہوس کاری نے

(درحال مولائے کائنات اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالب)

مولا مشکل کشاؑ کی ذاتِ گرامی بُت شکن بھی ہے اور قلعہ شکن بھی۔ قلعہ استعارہ ہے ظلم، طاقت، ہوسِ زر و اقتدار، شاہی، سرمایہ داری کا اور اسی کے ساتھ قلعہ نشین ہونے والوں کے اس خوف و ہراس کا بھی، جو انھیں انقلاب آفریں قوتوں کے سامنے محسوس ہوتا ہے۔ قلعہ ہر دور کے استحصال و استثمار کی نمائندگی کرتا ہے اور قلعہ شکن اس انسانی انقلابی قوت کا جو انسانی تہذیب کے قافلۂ ارتقا میں ہر رکاوٹ پر غالب آتی اور تہذیب و تمدن، اخلاق و اقدار، علم و ادب کی رہنمائی کرتی رہی ہے۔

قلعہ گری و قلعہ شکنی کے اس ازلی و ابدی معرکے میں باطل پر حق کی فتح کی ایک علامت ہے حضرت علیؑ ابن طالب اسد اللہ الغالب کا نفسِ بے نفس ایمان کلّ ایمان بن کر آیا تھا۔ خندق (احزاب) اور خیبر اسی ستیز کے دو مراحل ہیں۔ غزوۂ احزاب میں عمرو ابن عبد ود کے مقابلے میں شیرِ خدا نے زبانِ رسالت سے کلِّ ایمان کا خطاب حاصل کیا۔ خندق کو بھی زر پرستی اور استضعاف کی درمیانی خلیج کا استعارہ مانا جا سکتا ہے۔ معرکۂ خیبر کی معنویت آج صیہونیت اور اسلام کے تصادم کے تناظر میں اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ دونوں معرکے اسلام نے شیرِ خدا کی نانِ جویں سے زائیدہ قوتِ حق سے جیتے۔ اُحد میں، عام روایات کے مطابق، سیف اللہ کے لیے آسمان سے تلوار اتری۔ بدر، پہلا غزوہ، بھی اسد اللہ الغالبؑ کے عنفوانِ شباب کی جرأت کا حماسہ سناتا ہے۔ اس شجاعت و سپاہ گری کے ساتھ علم، تفکر، فصاحت، بلاغت اور قوتِ فیصلہ و اجتہاد بھی اس ایک ذات میں مرتکز ہو گئے تھے۔ یہی نہیں، صوفیا سے پوچھیے تو نقشبندی سلسلے کی ایک شاخ کے علاوہ، ہر ایک اپنا سلسلہ باب العلم کو وارثِ علمِ لدنی مان کر اُنہی سے ملاتا ہے۔

اس مرثیے میں جنگِ صفین اور واقعۂ تحکیم کی طرف بھی اشارے ہیں اور اس سازش کی طرف بھی

جس کے نتیجے کے طور پر آپ کو عبدالرحمن ابن ملجم نے شہید کیا۔ اسلام میں یہ شرف صرف مولا مشکل کشا کی ذات کو حاصل ہے کہ ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی اور شہادت خانۂ خدا میں، رسولؐ نے اپنا نفس کہا، اور خدائے تعالیٰ نے شبِ ہجرت آپ کا نفس اپنی رضا کے عوض خرید لیا (ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغا مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد)۔ خوابِ شبِ ہجرت کا سلسلہ خانۂ خدا میں آپ کے ابدی خواب سے ملتا ہے، لیکن یہ خواب آج بھی بیداروں کی نگہبانی اور مصیبت زدوں کی مشکل کشائی کرتا ہے۔

مرثیے میں جو تلمیحات و استعارات ہیں، ان سے مجالسِ عزا میں شرکت کرنے والے بخوبی واقف ہیں۔ قارئین ہر تلمیح کو خود مرثیے کے سیاق و سباق میں سمجھ سکتے ہیں۔

قلعے تعمیر کیے دستِ ہوس کاری نے   سرحدیں آگ کی کھینچی ہیں ستم گاری نے
شہروں کو بیچ دیا طمع کی ناداری نے   ملکوں کو بانٹا ہے سرمایہ کی عیاری نے
خوں پہ بنیاد رکھی عیش نے دارائی کی
ظلم نے آنسوؤں سے انجمن آرائی کی
خاک نے اگلا جو آہن تو بنا طوقِ محن   پیٹ کی آگ نے باغوں کو بنایا ایندھن
نفع اندوزی نے فصلوں کے بنائے مدفن   روند ڈالا قدمِ حرص نے فطرت کا بدن
نامِ تسخیر پہ تخریب کے سامان ہوئے
جل گئے شہر تو پرنور کچھ ایوان ہوئے
تھی زمیں صحنِ کشادہ تو اسے تنگ کیا   تھی خوش آہنگ ہوا، اس کو بدآہنگ کیا
تھی فضا رنگ کا طوفاں، اسے بے رنگ کیا   فطرت آئینہ تھی، اس کو گروِ زنگ کیا
آسماں شیشۂ ساعت تھا اسے چور کیا
چاند خورشید لقا تھا، اسے بے نور کیا
بے کراں تھا جو مکاں نقطوں میں اسکو کاٹا   وقت دریا تھا اسے قطرہ بہ قطرہ توڑا
کائنات ایک تھی اس کو عددوں میں بانٹا   چھوڑ کر ایک خدا لاکھ بنائے دیوتا،
تھے سب انساں نسب و رنگ میں تقسیم ہوئے
مذہب و قوم کے بت لائقِ تعظیم ہوئے
یہ ہے چھوٹا، وہ بڑا، یہ ہے غریب اور وہ امیر   یہ غرض مند، وہ داتا، یہ سخی اور وہ فقیر
یہ رعایا ہے، وہ حاکم، یہ معزز، وہ حقیر   یہ ہے کرسیٔ عدالت پہ، وہ ہے پُرتقصیر
حق بھی دولت کا ہے قانون بھی ہے طاقت کا
نام جمہور کا، سکّہ ہے رواں دولت کا

اہلِ طاقت نے لکھا خود کو خوش اوقاتوں میں   نام مجبوروں کے لکھے گئے کم ذاتوں میں
کھوکھلا فخر پلا عیش کی باراتوں میں   مفلسی بہلی رہی نیکیوں کی باتوں میں
وقت سازوں کے لیے بن گئے عشرت کے باغ
ملے مجبوروں کو بس وعدۂ جنت کے باغ

نام مجبوری و محرومی کا طاقت رکھا   نام لوٹ اور تباہی کا حکومت رکھا
نام غربت کی زبونی کا قناعت رکھا   نام لاحاصلیٔ عیش کا عزت رکھا
رہزن و سارق و خائن نے بنائے قانون
ظلم و سرمائے نے محنت کو سکھائے قانون

نکلے بطنِ ہوسِ زر سے ستم کے لشکر   خاک پیمائی سے پیدا ہوئے لاکھوں سیزر
شوق تخریب کا سیلاب بنے اسکندر   حرصِ زر چھا گئی چنگیز و ہلاکو بن کر
قبر پر شاہوں کی ایوان نئے شاہوں کے بنے
جرم کے ملبے سے پھر قلعے گناہوں کے بنے

روم و یونان کی شمعوں میں جلا خونِ عوام   آئے زنجیروں میں جکڑے ہوئے پابستہ غلام
دوش پر لادے ہوئے سلطنتِ مصر و شام   ہاتھوں میں قصر لیے، سر پہ اٹھائے اہرام
ہڈیاں پس گئیں قلعوں کو بنانے کے لیے
لاشیں کام آ گئیں دیوار اٹھانے کے لیے

ہوسِ خاک بناتی ہے ہوا کے قلعے   خوفِ پاداش بناتا ہے جفا کے قلعے
زرگری کرتی ہے تعمیرِ جفا کے قلعے   مکر اور کذب بناتے ہیں ریا کے قلعے
سج کے خود اور زرہ خوف ہوا قلعہ نشیں
ظلم ہتھیاروں کی چادر میں ہوا پردہ نشیں

کوہِ زر کہتا ہے آ جائے کوئی تیشہ زن   شمعِ ایوانِ ہوس مانگے ہے طوفاں کا چلن
بت شکن ڈھونڈتا ہے بت کدۂ رسمِ کہن   ظلم کے قلعے ہیں خود منتظرِ قلعہ شکن
خواہشِ اصنام میں بھی سجدۂ تعظیم کی ہے
منتظر آلِ براہیمؑ، براہیمؑ کی ہے

طلبِ نقرہ و گوہر کے ہیں قلعے محکم   رنگ اور نسل کی دیوار میں ہے قید آدم
بزدلی چومتی ہے دولت و طاقت کے قدم   بیٹھے ہیں کعبۂ دل میں ہوسِ زر کے صنم
کب تک انسان رہے طاعت میں ہر اک شاہی کی
دیر ہے ضربتِ شمشیرِ یدُ اللّٰہی کی

عدل نے کی تھی جہاں کعبۂ دل کی تعمیر   بے نیازی نے مٹا دی تھی جہاں ہر تصویر
حق نے چھوڑی تھی جہاں نقشِ قدم کی تحریر   بن گئی جھوٹے خداؤں کی وہ مٹی جاگیر
در نیا کھلنے کو ہے قلعہ کشا آئے گا
گر کے بت کہتے ہیں کعبے میں خدا آئے گا

ساعتِ بت شکنی ہے شہِ مرداں آ جا   اے خریدارِ رضائے دلِ یزداں آ جا
دل ہیں بت خانے بنے، حاصلِ ایماں آ جا   مقصدِ بعثتِ احمدؐ کے نگہباں آ جا
وا ہے دیوارِ حرم، حق کا ولی آ جائے
منتظر ختمِ نبوت ہے، علیؑ آ جائے

بت شکن، قلعہ کشا، نفسِ حق آگاہ علیؑ   منتہائے شرفِ خاک، فلک جاہ علیؑ
صاحبِ سلطنتِ فقر، شہنشاہ علیؑ   عینِ حق، مرضئِ معبود، یداللہ علیؑ
وہ علیؑ، جس کی ولایت ہے رسل کا ایماں
جس کے ایمان کا پاسنگ ہے کل کا ایماں

کعبہ کیا، اس کے لیے عرش بھی خود در کھولے   اس کی اک ضرب دو عالم کی عبادت تولے
لب کشا ہو تو وحی لفظوں کے گوہر رولے   نطق مل جائے خدا کو بھی، اگر وہ بولے
ساتھ اس کے حرمِ کعبہ میں ایماں اترا
آیا آغوشِ رسالت میں تو قرآں اترا

اس کی اک ذات سے کونین کو کیا کیا نہ ملا   صبحِ پیمانِ ازل کو دلِ دیوانہ ملا
عرش والوں کو کرامات کا افسانہ ملا   خاک کے ذروں کو اعزازِ امیرانہ ملا
ذو الفقارِ احدی کو اسد اللہ ملا
دہر کو عقدہ کشا، حق کو ید اللہ ملا

مل گیا علم کو در، روحِ امیں کو اُستاد   جوئے عرفاں کو ملا آبِ بقا کا فرہاد
مل گیا سیّدہ کو زوج، نبیؐ کو داماد   مل گیا رحمتِ کونین کو بازوئے جہاد
نفسِ بے نفس خدا اور پیمبرؐ کو ملا
ربِ نصیری کو، ولیِ مرضیِ داور کو ملا
ذوالعشیرہ کا وصی حق کی ضیافت کو ملا   وعدہ نصرت کا ہر اک کارِ نبوّت کو ملا
نورِ واحد کا امیں بسترِ ہجرت کو ملا   دین و دنیا کا اخی ختمِ رسالت کو ملا
فضل مریم سے بڑا مادرِ حیدرؑ کو ملا
ساقیٔ عدل صفت چشمۂ کوثر کو ملا
حکمِ بلّغ نے سرِ عام صراحت پائی   کنتُ مولا کے معانی نے بلاغت پائی
قولِ بخٍّ کے نتائج نے وضاحت پائی   دین نے حق کی رضا، آخری نعمت پائی
مستیِ روحِ تولا کو ملا جامِ غدیر
پایا اسلام نے اکملتُ کا انعامِ غدیر
درِ ہر قلعۂ دولت کو ملا کارکشا   بابِ خیبر کو ملا ناخنِ دشوار کشا
امنِ عالم کو ملی ضربتِ بیکار کشا   کنزِ مخفی کو ملا دیدۂ اسرار کشا
پردہ در معرفتِ حق کے حجابوں کو ملا
چہرۂ انوارِ "لیذہب" کی نقابوں کو ملا
ثمرِ آرزوئے نخل ملا خلّت کو   مل گیا فضل براہیمؑ کی ذرّیت کو
عدل کی تیغ ملی شاخِ گلِ رحمت کو   قدرداں، مرتبہ آگاہ ملا عصمت کو
شجرِ نورِ امامانِ حق آغاز ہوا؛
محترم کعبہ ہوا، سجدہ سرافراز ہوا
مبدءِ فیض و سخاوت کو ملا دستِ عطا   بھیک سائل کو ملی اس کی تمنّا سے سوا
ذرّے کو مہر تو قطرے کو سمندر بخشا   جو غلامی کے لیے آیا، شہنشاہ ہوا
مانگا مسجد سے، درِ عقدہ کشا سے پایا
جو خدا دیتا ہے، وہ دستِ خدا سے پایا

ہیں یداللہ کی بخشش کا ثمرِ کل نعمات   فیض اسی کا ہے جو ہیں سارے جہاں خوش اوقات
زندگی اس سے ہے اور اس سے بقا بعدِ ممات   مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے وہ بخشندہ ذات
رب کے فرمانِ رضا پر ہے لکھا نامِ علیؑ
ہے حیاتِ ابدی دُردِ تہِ جامِ علیؑ
ہے عجائب کی زبانوں پہ صدا نادِ علیؑ   جنھیں کہتے ہیں غرائب، وہ ہیں ایجادِ علیؑ
ہیں صحف نقطۂ دیباچۂ ارشادِ علیؑ   خلدِ موعود غبارِ دہش و دادِ علیؑ
مرتضیٰؑ ہی سے رسالت کا پتہ ملتا ہے
اسی دروازے سے طالب کو خدا ملتا ہے
درِ علیؑ کا ہے فرشتوں کے لیے سجدہ گاہ   پہرہ دیتی ہے یہاں حق کے رسولوں کی سپاہ
یہیں روشن ہے چراغِ دلِ محبوبِ الٰہ   یہی دنیا، یہی دین اور یہی دین پناہ
خاک اس در کی ہو جس سر پہ، اسے تاج ملے
نسبت اس گھر سے میسّر ہو تو معراج ملے
دیکھنا چہرۂ حیدرؑ کا عبادت ٹھہرا   ان کے الفاظ کو دہرانا تلاوت ٹھہرا
حکم پر ان کے عمل کرنا ولایت ٹھہرا   مرنا بھی ان کی محبّت میں شہادت ٹھہرا
ہر شرف اہلِ تصوّف کو اسی در سے ملا
سلسلہ جس کا ملا اِن سے، وہ داور سے ملا
دلِ حیدرؑ سے ملا زہد کو سوز اور گداز   عشق کو علم ملا، علم کو عرفان کا راز
پائی عرفاں نے نظر، اور نظر نے پرواز   ملا پرواز کو معراجِ نبوت کا فراز
اس سے آگے ہے جو منزل وہ خدا کو معلوم
یا محمدؐ کو ہے یا عقدہ کشا کو معلوم
کس جگہ رکتا ہے جبریل کے شہپر جانیں   پردے میں کون ہے گھر والے ہی بہتر جانیں
سدرہ کے پار جو دیکھا، وہ پیمبرؐ جانیں   بات کس لہجے میں کی رب نے یہ حیدرؑ جانیں
قدم احمدؐ کے گئے حدِ ملک سے آگے
خاک پر رہ کے علیؑ پہنچے فلک سے آگے

آسماں زیرِ قدم خاک سے رشتہ ہے مگر   رو برو صاحبِ عرش اور نظر ذرّوں پر
دردِ خاشاک سے خوں حاکمِ رضواں کا جگر   لامکاں کو ہے غریبوں کے مکانوں کی خبر
تین فاقے کریں روزے میں امیرانِ جہاں
نہ رہیں بھوکے یتیمان و اسیرانِ جہاں
باغ میں آب کشی کرتا ہے ساقیٔ جناں   کھاتا ہے نانِ جویں قاسمِ رزقِ دوجہاں
چکیاں پیستی ہے سیّدۂ کون و مکاں   کئی پیوند ہیں تطہیر کی چادر سے عیاں
بار اٹھاتے ہیں نجاتِ دو جہاں کی خاطر
شاہزادوں کو ہیں دکھ امتیاں کی خاطر
اختیار ایسا کہ قدموں میں ہیں کون اور مکاں   اعتبار ایسا اشارے سے کھلے بابِ جناں
ماریں ٹھوکر تو کھنچے پل میں طنابِ دوجہاں   قم باذنی کا ہے محتاج نظامِ دوراں
ملتے ہیں شاہوں سے افلاک نشینوں کی طرح
اور ناداروں میں ہیں خاک نشینوں کی طرح
جنّتیں بانٹیں غریبوں میں، امارت ایسی   شاہیاں بخشیں غلاموں کو، حکومت ایسی
ظلم کے قلعے گرے قدموں پہ، شوکت ایسی   ہو گئے قصر زمیں بوس، جلالت ایسی
گرتے ہیں طبل و علم، تخت زبوں ہوتے ہیں
لیں اگر نامِ علیؑ تاج نگوں ہوتے ہیں
آب و دانہ بھی مہیّا نہیں، غربت اتنی   رحم دشمن پہ بھی آتا ہے، مروّت اتنی
جام قاتل کو دیا اپنا، شرافت اتنی   دی طلاق آپ نے دنیا کو، قناعت اتنی
لپٹی ہے قدموں سے کونین کی دولت پھر بھی
در پہ آتی ہے گدا بن کے حکومت پھر بھی
چومیں جبریل و نبیؐ ہاتھ، شجاعت یہ ہے   انبیاء آ کے ہوں ماموم، امامت یہ ہے
ہیں کھڑے دوشِ رسالت پہ، فضیلت یہ ہے   مہر مغرب سے پلٹ آتا ہے، قدرت یہ ہے
لوگ تو پتھروں کو اپنا خدا کہتے ہیں
شان ہے جس میں خدا کی، اسے کیا کہتے ہیں

سارے اسمائے صفت پست نظر آتے ہیں   دعوے اظہار کی قوت کے بکھر جاتے ہیں
شعراء کے قلم اٹھتے ہوئے شرماتے ہیں   لفظِ قرآں بھی جھلک تھوڑی سے دکھلاتے ہیں
یوں تو کونین نے مولا کا شرف مانا ہے
صرف اللہ و نبیؐ نے انہیں پہچانا ہے
کرے افلاک کی تخئیل وَرق گردانی ،   روشنائی کے لئے لائیں سمندر پانی
سارے اشجار قلم بن کے کریں جولانی   سارے الفاظ کریں مل کے قصیدہ خوانی
ایک ہی وصفِ علیؑ پھر بھی رقم ہو نہ سکے
منقبت کا حق ادا ، حق کی قسم ہو نہ سکے
اے زباں! شعبدۂ لفظ و معانی ہے عبث   اے قلم! تیری خداداد رَوانی ہے عبث
اے تخیّل! تری تشبیہہ رسائی ہے عبث   اے گماں! تیری ہر اک زمزمہ خوانی ہے عبث
جامِ کوثر اگر مل جائے مجھے ساقی سے
پرِ جبریل جلیں فکر کی براقؔ سے
لطف کی ایک نظر، اے دو جہاں کے ساقی   ملیں تخئیل کو پَر، کون و مکاں کے ساقی
کر عطا جام، قلم اور زباں کے ساقی   جنتِ فکر ہو آباد ، جناں کے ساقی
در دل ، بابِ فلک ، تارِ نگہ کھل جائے
عقدۂ لفظ ، معانی کی گرہ کھل جائے
ایک ہی گھونٹ سے کھل جائے ستاروں کی راہ   آئیں چھونے کو تخئیل کے قدم مہر و ماہ
قلم و لوح کے سینے میں اتر جائے نگاہ   فکر ہو سدرہ بدام اور نظرِ عرش پناہ
لب کشا ، ذہن کشا ، چشم کشا ساغر دے
میرے ساغر میں مئے عشقِ محمدؐ بھر دے
انصحِ خلق ، زبانِ فصحا کے ساقی ،   انبیاء و عرفاء و شعرا کے ساقی
زمزم و کوثر و تسنیم و بقا کے ساقی   مرشدِ روحِ امیں، نطقِ خدا کے ساقی
فکر کو اک رمقِ طبعِ یداللّٰہی دے
نطق کو جوہرِ تیغِ اسداللّٰہی دے

ساقیا! عقدہ کشا! دیں پناہا! شاہا   شورشِ عشق کو دے جام تولّا شاہا
نشّے کی موج بنے نطق کا دریا، شاہا   مے سے دے عقل کو غسل، آج مسیحا، شاہا
خردِ مصلحت اندیش کا قلعہ ٹوٹے
دے وہ ساغر کہ غمِ ذات کا نشہ ٹوٹے
چھوڑتا ہی نہیں پیچھا غمِ آسیبِ مآل   محبسِ ذات کی دیوار کا گرنا ہے محال
تارِ انفاس ہے فکرِ شکم و جاں کا جال   زندگی خود دل و اعصاب کا ہے استحصال
ساغرِ حوصلۂ خودشکنی مل جائے
جراتِ ترک کو روحِ حسنی مل جائے
مشورہ عقل کا ہے جھوٹ کی بیعت کر لے   زر کا اصرار ہے دنیا سے محبت کر لے
حکم حاجت کا ہے، حاکم کی اطاعت کر لے   مصلحت کہتی ہے، کچھ مدحِ حکومت کر لے
ساقیا! ہمّتِ اظہارِ ابوذر دے دے
صدق کو نشۂ انکارِ ابوذر دے دے
رنگ نے کھینچا ہے انسانوں کے مابین حصار   نسب و ذات کی تفریق کے ہیں نام ہزار
آدمی چھوٹا ہے اور اونچی ہے زر کی دیوار   اقتدار آج بھی ہے باطل و حق کا معیار
ساقیا! عشقِ بلالِ حبشی مل جائے
روحِ سلماں کی صداقت نگری مل جائے
ہوسِ منصب و کرسی کا ہے سکّہ جاری   ہے ترقی کی طلب دل کے لیے بیماری
رعب ہے جھوٹے خداؤں کا ہر اک پر طاری   حق کے اعلان، نفیِ کذب میں ہے دشواری
صف شکن موجِ شرابِ دلِ عمّار ملے
ساقیا! حق کو لبِ میثمِ تمّار ملے
ہے گھنی تیرگیِ بارشِ انعام کی شام   سچ کا خوں پیتی ہے عیشِ دہن و کام کی شام
ظلمتیں بانٹتی ہے ظلم کے اکرام کی شام   کعبے میں بیٹھی ہے چھپ کر ہوسِ شام کی شام
ساقیا! جامِ شرابِ غمِ شبیرؑ ملے
روح کی پیاس کو عباسؑ کی شمشیر ملے

کذب ہے بھولا ہوا بدر کی حق بیں پیکار ،   یاد آجائے زمانے کو اُحد کی تلوار،
جست اک اور کہ ہے معرکہ خندق کے پار   ضربتِ قلعہ شکن مانگے ہے خیبر کا حصار
ظلم کا ایک بھی در اپنی جگہ اب نہ رہے
ساقیا! ایک ہی ضرب ایسی کہ مرحب نہ رہے

قلعۂ ظلم سے پسپا ہے نبیؐ کا لشکر،   ہیں تہی ہمتِ مردانہ سے حق کے یاور
زر مبارز طلبی کرتا ہے خندق کے اُدھر   منتظر اپنے علم دار کی ہے فوجِ ظفر
جس کے آگے نہ رکے لشکرِ جرّار، آئے
ہے رسالت کی دعا، حیدرِ کرّار آئے

مصلحت ڈھونڈتی ہے حیلۂ صد مجبوری   عقل کی عاقبت اندیشیاں ہیں معذوری
قسمتِ خوف ہے حرمان و غم و مہجوری   ہے بہت جان کے خطرے کو ذرا سی دوری
بوتراب آئے زمیں خود ہی سمٹ جائے گی
دوریٔ وقت بھی اک جست میں کٹ جائے گی

منتظر معرکہ ہے، فاتحِ خیبر آجا   حاکمِ دورِ زماں، صاحبِ قنبر آجا
پسرِ بنتِ اسد، حق کے غضنفر آجا   تشنۂ دید ہیں خود شافعِ محشر آجا
عالم آشوب ہے محتاج مسیحائی کو
مصطفٰے آنکھیں بچھائے ہیں پذیرائی کو

قدم اُٹھے گا، طناب اپنی زمیں کھینچے گی   نقش قدموں کے ستاروں کی جبیں کھینچے گی
گرد تصویرِ سرِ عرشِ بریں کھینچے گی   تیغ نصرت کے لیے فتحِ مبیں کھینچے گی
چترِ زر بن کے علم فرق پہ لہراتا ہے
پیشوائی کو رسولِؐ دوسرا آتا ہے

ساقیا! فتح کی تمہید میں پھر جام چلے   موجِ نشہ کی طرح رخشِ سبک گام چلے
ابرِ رحمت کا کیے سایۂ اکرام چلے   فصلِ زر پر شرر آسا تری صمصام چلے
آئے در سیلِ رجز ظلم کی بنیادوں میں
ساقیا! خوف کا ہو راج ہوس زادوں میں

قصرِ نمرود گرے، جنتِ شدّاد گرے   ٹوٹ کے قدموں میں بابِ ستم آباد گرے
علَم و تخت گریں، قلعۂ بے داد گرے   صورتِ شاخِ خزاں دستِ زر ایجاد گرے
گرز اٹھیں تو حبابوں کی طرح پھٹ جائیں
موجِ مے چھلکے تو لب تیغوں کے کٹ کٹ جائیں

سرِ مغرور پہ تلوار اطاعت کی پڑے   جو بچے دار سے مار اس پہ بھی لعنت کی پڑے
جس جگہ چاہیے واں چشمِ عنایت کی پڑے   ایک ہی ضرب میں بنیاد عدالت کی پڑے
دیکھو جبریل! زمیں بھی نہ الٹ جائے کہیں
اپنے شہپر کو بچالو کہ نہ کٹ جائے کہیں

تیغِ ساقی ہی سے ہر رشتۂ جاں قائم ہے   علم کا شہر، محبت کا مکاں قائم ہے
عدل محکم ہے نظامِ دوجہاں قائم ہے   خیر باقی ہے، صداقت کا نشاں قائم ہے
ساقیا! جام کا سایہ ہے اماں کا سایہ
سر پہ رندوں کے رہے پیرِ مغاں کا سایہ

ساقیا! ہے تری تلوار عدالت کا نشاں   عاشقوں کے لیے امن اور حفاظت کا نشاں
دشمنوں کے لیے ہے صورِ قیامت کا نشاں   ظلم کے دل میں ہے اب تک تری ضربت کا نشاں
تھی رعونت کی ہوا جس میں، وہ سر ٹوٹ گیا
درِ خیبر نہیں، ہر قلعۂ زر ٹوٹ گیا

تو نے فرمایا کہ ہے عیشِ امیراں لعنت   خونِ مزدور سے آلودہ ہے خوانِ دولت
لقمۂ زر سے زبوں ہوتا ہے فقرِ غربت   دعوتِ اہلِ امارت ہے ہوس کی رشوت
نفسِ حق نے نہ لیا ایک دیا گھر کے لیے
کی رعایت نہ ذرا سی بھی برادر کے لیے

نفع اورنگِ خلافت سے اٹھایا نہ کبھی   مالِ امت سے کوئی فیض بھی پایا نہ کبھی
اچھا بچوں کو غلاموں سے کھلایا نہ کبھی   خود رہے فاقے سے بھوکوں کو بھلایا نہ کبھی
دن کٹا روزوں میں، شب حق کی عبادت میں کٹی
ہو جوانی کہ ضعیفی غمِ امت میں کٹی

جو سپر بیچ دی شادی کی ضیافت کے لیے   پھر خریدی نہ کبھی اپنی حفاظت کے لیے
کچھ بھی رکھا نہ بجز تیغ ضرورت کے لیے   زندگی بھر رہے آمادہ شہادت کے لیے
ہر نفس وہ کہ ہوں قرباں شہدا کی جانیں
ہر عمل وہ کہ فدا اہلِ خدا کی جانیں

اک جہاں سجدہ کرے، جائے ولادت وہ ملی   جو ہے خود آیۂ تطہیر، رفاقت وہ ملی
دونوں عالم کی جو رحمت ہے، محبت وہ ملی   تا ابد گھر سے نہ جائے گی، امامت وہ ملی
نام احمدؐ کا چلا جن سے وہ فرزند ملے
کربلا کے لیے عباس سے دلبند ملے

پدر ایسا جسے کہتے ہیں پدر خیرِ اُمم   ماں کا وہ رتبہ، کریں رشک جناب مریم
بیوی ایسی ہے جو ہے سیدۂ دو عالم   جس کی تعظیم کو اٹھتے ہیں رسولؐ اکرم
بیٹیاں صبر میں ہم رتبۂ حسنینؑ ملیں
شان میں ثانیٔ معصومۂ کونین ملیں

جس کے ہوں اتنے فضائل، ہے کہاں ایسا بشر؟   کس کا دیدار عبادت ہے، نظرِ حق کی نظر؟
ہے زباں کس کی وحی ہاتھ ہے کس کا داور؟   کس کا نام آتے ہی کھل جاتے ہیں قلعوں کے در؟
کس کو فاقوں میں بھی دنیا نے شہنشاہ کہا
بے کسی دیکھ کے بھی لوگوں نے اللہ کہا

مانا کچھ لوگوں نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا   پر کوئی شخص بھی اللہ انہیں کہہ نہ سکا
رب کے محبوب پہ ہو سکتا تھا رب کا دھوکہ   صرف احمدؐ کا وصی ربِ نصیری ٹھہرا
جو ملے ان سے، رسولِ دوسرا کو مانے
عبد کو دیکھ کے کافر بھی خدا کو مانے

نہ ہو گر حبِ علیؑ، سینہ ہے ایماں سے تہی   بے علیؑ نقطۂ "با"، معنیٔ قرآں سے تہی
بے علیؑ ہے گلِ حق روحِ گلستاں سے تہی   بے علیؑ ہے صدفِ دیں گہرِ جاں سے تہی
بغض رکھے جو علیؑ سے وہ مسلمان نہیں
منکرِ اشرف الانساں ہو جو، انسان نہیں

یہ بلندی، یہ مدارج، یہ غریبوں سے نیاز   قبضے میں کون و مکاں، قلب میں سوز اور گداز
خوابِ معراج ہے، بیداریِ جاں ہے اعجاز   پہونچیں امداد کو، دے کوئی کہیں سے آواز
نم کوئی آنکھ ہو، خوں ان کا جگر ہوتا ہے
دردِ دشمن کا بھی سینے میں اثر ہوتا ہے

نفس کو اپنے کبھی جنگ میں شامل نہ کیا   ہوا گستاخ جو دشمن تو اسے بخش دیا
اپنے حق کی جہاں بات آ گئی، ہونٹوں کو سیا   تیغ کا نام بھی شیرِ احدی نے نہ لیا
ایسے بے نفس سے دنیا نے عداوت کی ہے
عشقِ حق سے ہوسِ زر نے بغاوت کی ہے

نام قرآں کا جو لیتے تھے منافق نکلے   مدعی دین کے دنیا ہی کے عاشق نکلے
کل حواری تھے جو، دشمن کے موافق نکلے   تول کر نیزے سوئے مصحفِ ناطق نکلے
جبر کے قلعے اٹھے بابِ شرف کی خاطر
بانٹے رشوت نے گہر دُرِّ نجف کی خاطر

دام سازش کے بچھے طائرِ سدرہ کے لیے   جن کو دی جاں کی اماں، وہ عدوئے جاں نکلے
مکرِ تحکیم نے بیعت کے اتارے حلقے   تیغِ صفین کے زخمی ہوئے خوں کے پیاسے
زہر میں حرصِ حکومت نے بجھائی تلوار
دامنِ مکر میں بزدل نے چھپائی تلوار

اتنے پردوں میں ہے پوشیدہ ریا کا چہرہ   نظر آتا نہیں دستار و عبا کا چہرہ
ظلم کے تن پہ ہے مکر اور دغا کا چہرہ   پردہ ہے حرص کا زرتارِ قبا کا چہرہ
مسخ ہیں رہنِ اجل زندگیوں کے چہرے
موت کے چہرے ہیں بے چہرگیوں کے چہرے

عزمِ وعدہ شکنی صلح کے پیغام میں ہے   بادشاہی کی ہوس ظلم کے انعام میں ہے
بت پرستی کی لگن سینۂ اسلام میں ہے   نیتِ قتل چھپی جامۂ احرام میں ہے
خارجی کعبۂ حق ڈھاتے ہیں غازی بن کر
جرم خوابیدہ ہے مسجد میں نمازی بن کر

آج اٹھارویں روزے سے ہیں شاہِ ابرار دن کٹا کارِ امامت میں، ہیں شب کے آثار
لائیں کلثوم پدر کے لیے خوانِ افطار ساغرِ شیر لگاتے نہیں منہ سے زنہار
جس نے قلعہ سرِ انگشتِ یقیں سے توڑا
اس نے روزہ نمک و نانِ جویں سے توڑا

آج کچھ اور ہی تھا نفسِ خدا کا انداز رات بھر آتی رہی حمد و ثنا کی آواز
بعدِ افطار مصلّے پہ گئے بہرِ نماز رات بھر حق سے رہا سلسلۂ ناز و نیاز
منتظر تھا کسی لمحے کا نگہ دارِ جہاں
صحن تک آئے کئی مرتبہ سرکارِ جہاں

پوچھا کلثوم نے کیا بات ہے اے حق کے جلال تھا کسی معرکے سے قبل نہ یہ آپ کا حال
اضطراب آج ہے کیوں اے پدرِ صبر خصال فکر آنکھوں میں ہے کیوں، رخ پہ ہے کیوں رنگِ جلال؟
کیا کوئی جنگ ہے درپیش یہ حیرانی کیوں؟
مطمئن نفس کے مالک یہ پریشانی کیوں؟

نفسِ حق نے کہا "درپیش ہے آج ایسا سفر جس سے واپس نہیں آتا کبھی کوئی بھی بشر
جانا ہے مجھ کو بہت جلد حضورِ داور دیکھتا ہوں کہ قضا آ کے کھڑی ہے در پر
موت ہر لمحہ لگی رہتی ہے انسان کے ساتھ
آج ہے لپٹی ہوئی تارِ رگِ جاں کے ساتھ

"موت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں اربابِ نظر یہی انجام ہر اک شے کا ہے، سب کو ہے خبر
تم اسے بھولو بھلائے گی نہ یہ تم کو مگر واقفِ انجام سے رہتا ہے خوش انجام بشر
موت کو جس نے بھلایا وہ گرفتار ہوا
خوار عقبیٰ میں تو دنیا میں نگوں سار ہوا"

"موت ہے تکملۂ سلسلۂ کارِ حیات موت کر سکتی نہیں قطع کبھی تارِ حیات
موت بن سکتی نہیں مرہمِ آزارِ حیات موت ہوتی نہیں چارہ گرِ بیمارِ حیات
زندگی جیسی ہو ویسی ہی قضا ملتی ہے
کہیں انعام کہیں بن کے سزا ملتی ہے"

” موت خود اپنے ہی اعمال کی آوردہ ہے   خوانِ نعمت ہے کہیں اور کہیں پس خوردہ ہے
موت سے ہے کوئی شاد اور کوئی افسردہ ہے   مر کے زندہ کوئی، جی کر بھی کوئی مردہ ہے
مر کے بھی رہتے ہیں آزاد امامانِ حیات
قید ہیں دونوں جہانوں میں غلامانِ حیات“
” موت تکمیل ہو مقصد کی تو پیغامِ حیات   موت انجامِ ہوس ہو تو ہے دشنامِ حیات
موت خود اپنی چنے کوئی تو انعامِ حیات   موت سے بھاگئے تو زہر بنے جامِ حیات
موت آئے جو رہِ حق میں تو آزادی ہے
راہِ باطل میں اگر آئے تو بربادی ہے“
بولیں کلثوم کہ” اے صاحبِ عرفانِ حیات   آپ ہیں محرمِ گنجینۂ اسرارِ حیات
آپ کے سامنے معدوم بھی ہیں موجودات   ماورا زندگی و موت سے ہے آپ کی ذات
کہیے کچھ درد گساری کا سلیقہ کیا ہے ؟
موت کے سامنے جینے کا طریقہ کیا ہے ؟“
کہا مولا نے کہ” اے جانِ پدر ، جانِ امام   زیست ہے اہلِ تمنّا کے لیے جہدِ دوام
ہر نفس درد گساروں کے لیے صبر کا جام   ہو نہ گر حق کی رضا آرزوئے مرگ حرام
یوں رہو زندہ کہ ہر سانس عبادت ہو جائے
زندگی مرضیٔ حق ، موت شہادت ہو جائے
زندگی اہلِ نظر کے لیے عبرت ساماں   کر کے گم اپنے کو اک لمحہ بھی جینا ہے زیاں
حرّیت تج کے ملے قصرِ شہی تو زنداں   قیمتِ گوہرِ عزّت سے ہے کم دولتِ جاں
زندگی خاکِ مدینہ بھی ہے، کوفہ بھی ہے
کربلا بھی، حرمِ خانۂ کعبہ بھی ہے“
”تیرگی دہر کی ہے دشمنِ اربابِ نگاہ   چاہتے ہیں ستم و جور کہ ہو عدل تباہ
آسمانوں کو نہیں ملتی ہے پستی سے پناہ   آفتابوں کو نگل لیتے ہیں ذرّاتِ سیاہ
امتحاں گاہ ہے دنیا یہ تمھیں دھیان رہے
کوئی بھی غم ہو وہی فاطمہؓ کی شان رہے

اشک آنکھوں سے نہ برساؤ مری جاں کے لیے   یہ مہ و مہر نہیں ہیں مہِ رمضاں کے لیے
ہیں یہ شمعیں شبِ عاشورِ شہیداں کے لیے   کام دیں گے یہ دیئے شامِ غریباں کے لیے
روشن ان شمعوں سے تم گنجِ شہیداں کرنا
قیدِ زنداں میں اِن اشکوں سے چراغاں کرنا
زندگی تم کو سکھا دے گی خود اپنے آداب   آفتیں لائیں گی ساتھ اپنے سکوں کے اسباب
غم پڑیں گے تو بڑھے گی دل و جاں کی تب و تاب   بے ردا ہونے پہ کام آئے گی عصمت کا نقاب
منتظر ہوگا مرا دیر سے رب جانے دو
تم کسی کو نہ جگاؤ مجھے اب جانے دو"
رات ابھی باقی تھی، خوابیدہ تھے زہراؑ کے پسر   سحری میں ابھی تاخیر تھی، سنسان تھے گھر
چادرِ ماہ میں لپٹا ہوا سوتا تھا نگر   گلیوں کی شمعیں تھیں خاموش، تھے چپ بام و در
مہرساں ذرّوں سے گزرے قدمِ شب بیدار
خاک پر نفسِ خدا، عرش پہ تھا رب بیدار
صحنِ مسجد میں ہوا جلوہ کناں نورِ امام   روئے تاباں کی ضیا سے چمک اٹھے در و بام
اک طرف خواب میں تھے محو کچھ آسودہ کام   ان کے چہروں پہ جھکے بادشہ عرش مقام
عازمِ قتل کو الہام سے پہچان لیا
تیغ دامانِ عبا میں ہے چھپی جان لیا
اس سے فرمایا کہ خوابیدہ ہے کیوں چہرے کے بل   تیری نیت سے خبردار ہے قسامِ ازل
تیرے دامن میں ہے پوشیدہ گناہوں کا پھل   دیکھتا ہوں میں، کھڑی ہے ترے سر پر بھی اجل
تیری تلوار ترے دل میں اتر جائے گی
موت ہے گھات میں، کیا نیند تجھے آئے گی
جانچ لے اپنے ارادوں کو، ابھی ہے فرصت   درمیاں جتنے ہیں انفاس، ہے اتنی مہلت
ہو جو توفیق تو کر ترک بدی کی نیت   تو ہے مختار، بدل سکتا ہے اپنی قسمت
حشر پر تیرے مری روح لرز جاتی ہے
جرم کرنا ہے تجھے، شرم مجھے آتی ہے

خیر کا نیتِ بد پر نہ ہوا کوئی اثر ؛
نیند کا مکر کیے بیٹھا رہا بد گوہر ؛
چپ رہا پھیر لیا چہرے کو کروٹ لے کر
کہیں مقتول سے قاتل نے ملائی ہے نظر
تیرگی زادہ اجالوں سے نظر کیا لیتا
سنگ دل حرفِ رگِ گل سے اثر کیا لیتا
حجتِ حق نے کیا حجتِ آخر کو تمام
نکہتِ گل نے کیا تیغ خزاں پر اکرام
دلِ قاتل نے گواہی دی ، یہ ہیں حق کے امام
بغضِ حق نے بھی کہا ، ہیں یہی ہادیِ انام
پھر بھی مجرم اپنے ارادے پہ اٹل تھا ، سو رہا
تنگ ظالم کے لیے دامِ اجل تھا ، سو رہا
آئے سجادۂ طاعت پہ امام الابرار
کھل گیا بابِ مناجاتِ لبِ گوہر بار
تھا نہ گھر میں دلِ کلثومؑ کو اک لمحہ قرار
زینبؑ اور بھائیوں کو کر دیا آخر بیدار
چشمِ حسنینؑ کھلی ، زینبِ ذیشاں جاگی
دردِ بیدار ہوا ، دولتِ ایماں جاگی
کہا کلثومؑ نے ، مضطر تھے پدر آج کی رات
تارے گنتی رہی سورج کی نظر آج کی رات
اپنے مرنے کی مجھے دی ہے خبر آج کی رات
کوئی لے آئے منا کر انہیں گھر آج کی رات
منع کرتی رہی میں ان کو برابر ، نہ رُکے
درِ زنجیر نے روکا تھا لپٹ کر ، نہ رُکے
سن کے کلثومؑ کی باتیں ہوئیں زینبؑ بے چین
آئے مسجد میں پریشان حسنؑ اور حسینؑ
کہا بابا سے کہ گھر چلیے امیرِ کونین
یا اجازت ہو کہ خدمت میں رہیں نور العین
بیٹیاں روتی ہیں گھر چلیے پیمبرؐ کے لیے
دیجیے چل کے دلاسا انہیں دم بھر کے لیے
متبسم ہوئے بیٹوں کے سخن پر حیدرؑ
کہا ، رونا ہے عبث ، بہنوں سے کہہ دو جا کر
وقت آجائے تو بچتا نہیں کوئی بھی بشر
ہم ہی کیا بچ نہ سکے موت سے خود پیغمبرؐ
تم کہو زینبؑ و کلثومؑ سے ، گریہ نہ کریں
قبل از وقت مری موت پہ نوحہ نہ کریں

دست بستہ کہا حسنینؑ نے، اے شیرِ خدا   ہو اجازت تو رہیں ساتھ یہ خادم، مولا
ہنس کے فرمایا علیؑ نے کہ ہے ردِ استدعا   کیا تمہیں خود پہ بھروسہ ہے خدا سے بھی سوا؟
کیا عزیز آج مرے رب کو مری جان نہیں
کوئی حافظ نہیں، خالق جو نگہبان نہیں
زندگی رب کی عطا، موت ہے اس کا انعام   گھر ہو، مقتل ہو کہ مسجد ہو کہ ہو راہِ عام
موت آنی ہے تو آجاتی ہے بے قیدِ مقام   جو بھی ہونا ہے، وہی ہوگا، کرو تم آرام
تم رہو پاس کہ دور، آنی ہے موت آئے گی
جان جانی ہے کسی حال میں ہوں، جائے گی
وقت کم ہے مجھے خالق سے لگانے دو لو   آگیا پچھلا پہر، ہو گئی کم چاند کی ضو
جاؤ، سو جاؤ کہ بے کار ہے ساری تگ و دو   لوٹ کر آئیو جب پھوٹنے والی ہو پو
تم سے احوال مرا سوزشِ جاں کہہ دے گی
ابھی زندہ ہے علیؑ، حق کی اذاں کہہ دے گی
لوٹ کر گھر گئے حسنینؑ، مصلّے پہ علیؑ   جتنی شب باقی تھی، حمد اور ثنا میں کاٹی
جب سفیدی افقِ شب پہ نمودار ہوئی   داعئ خیر کی آواز نے تکبیر کہی۔
سن کے آوازِ اذاں نیند سے تلوار، اُٹھی
نیتِ قتل ہوئی چونک کے بیدار، اُٹھی
نیتِ فرضِ سحر متقیاں نے باندھی   جرم نے قتل کی نیت پہ کمر اپنی کسی
آ کے استادہ ہوا پشتِ امامت پہ شقی   موت کی چاپ سنی، جھک گئے سجدے میں علیؑ
سر اٹھا بھی نہ تھا سجدے سے کہ شمشیر چلی
قبر سے روتی ہوئی صاحبِ تطہیر چلی
ظلم کی ضرب نے ڈالا سرِ حیدرؑ میں شگاف   تیغ یوں سر سے نہ گزری تھی کبھی وقتِ مصاف
بھر گئی خوں سے جبیں، تر ہوئے آنکھوں کے غلاف   ربِّ کعبہ کی قسم کھا کے کیا چہرے کو صاف
دی صدا روحِ امیں نے، ہوئے قتل آج علیؑ
جاتے ہیں عقدہ کشا، خلق کے سرتاج علیؑ

کوفے نے چونک کے جبریل کی فریاد سُنی   خانۂ حیدرِ صفدرؑ میں یہ آواز گئی
فرق سے زینبؑ و کلثومؑ نے چادر پھینکی   بیٹیاں رو کے پکاریں کہ ہوئے قتل علیؑ
گھر سے مسجد کی طرف دوڑ کے حسنینؑ گئے
سر برہنہ عجب انداز سے بے چین گئے

دیکھا مسجد میں کہ ہیں غش میں امامِ ازلی   روئے پُرنور پہ ہے خون کی تحریر جلی
سر کے خوں میں ہے نہایا ہوا خالق کا ولی   پھیلی ہے منبر و محراب میں خوشبوئے علیؑ
لے کے آغوش میں سر باپ کا، شبرؑ روئے
چوم کر ماتھے کو شبیرؑ دلاور رُوئے

پائی جو بوئے امیرانِ جوانانِ جواں   آ گئے ہوش میں اک بار امامِ دوجہاں
متبسّم ہوئے لب، کِھل گیا روئے تاباں   کہا بیٹوں سے کہ تم آئے تو پھر آ گئی جاں
میں ہوں زندہ ابھی، صورت نہ بناؤ غم کی
کیوں پریشان ہو، کچھ فکر کرو مرہم کی

کہا شبرؑ سے کہ ہے تنگ بہت وقتِ نماز   آج سے کارِ امامت سے ہو تم سرافراز
تم نماز ان کو پڑھاؤ، میں سنوں گا آواز   لوگ پڑھتے تھے نماز اور تھے علیؑ محوِ نیاز
کر لیا سجدہ گزاروں نے ادا فرضِ سحر
نکلا خورشید کہ باقی نہ رہے قرضِ سحر

اتنے میں شور اٹھا خانۂ حق کے در پر   لوگ قاتل کو پکڑ لائے ہیں مشکیں کس کر
عاشقانِ درِ عرفاں کے ہیں بگڑے تیور   ہدفِ لعنت و دشنام ہے ملجم کا پسر
کھنچ کے مقتول کے دربار میں قاتل آیا
پیشِ مظلوم ستم صورتِ سائل آیا

دیکھا اس حال میں قاتل کو تو شرمائے علیؑ   کہا مجمع سے کہ ہاتھ اس پہ اٹھائے نہ کوئی
یہ ہمارا ہے خطاوار، کریں بات ہمی   بولے حسنینؑ سے تم کھول دو اس کی رسی
دست و پا باندھنا اچھا نہیں انسانوں کا
پاس لازم ہے خطاکاروں کی بھی جانوں کا

دیکھو اس شخص کے چہرے کو ہے کتنا ویراں   کئی دن سے تھا اسی فکر میں یہ سرگرداں
آنکھیں کہتی ہیں کہ سویا نہیں شب بھر ناداں   ہم سے کہہ دیتا تو کر دیتے یہ مشکل آساں
تھی ہوس زر کی اگر اس کو تو زر دے دیتے
مانگتا حق کے لیے تو اسے سر دے دیتے

اس کرم پر بنِ ملجم کی بھر آئیں آنکھیں   ہو کے مقتول سے شرمندہ، جھکائیں آنکھیں
بات کی لطف سے، پھر بھی نہ اٹھائیں آنکھیں   دودھ کا جام ملا، پر نہ ملائیں آنکھیں
جام قاتل کو جو دے، کون ہے حیدرؑ کے سوا
ظرف یہ کس کا ہے، اک ساقیٔ کوثر کے سوا

بولے انصار سے، حق پیاسے کا ہے ساغر پر   پہرہ پانی پہ بٹھاتے نہیں حق کے یاور
دست و پا باندھنا رسی میں، ہے توہینِ بشر   ہر پریشان پہ لازم ہے عنایت کی نظر
بد سلوکی نہیں آئینِ شرافت کو قبول
بھوکے پیاسے رہیں کافر، نہیں فطرت کو قبول

واجب القتل نہیں، قید رہے گا یہ ابھی   بچ گئے ہم تو ہے یہ شخص ہمارا قیدی
دیں سزا اس کو کہ بخشیں، یہ ہماری مرضی   عفو سے بڑھ کے جہاں میں نہیں کوئی نیکی
اس کی ضربت سے سفینہ جو مِرا پار لگے
ہے یہی شرطِ قصاص، اس پہ بھی اک وار لگے

بچ گیا یہ تو یہ سمجھو کہ نصیب اِس کا بڑا   ہے یہ انصاف گنہ سے نہ زیادہ ہو سزا
اے حسنؑ! اس کو رہا کرنا جو پا جائے شفا   دنیا کچھ رختِ سفر بھی اسے، کرنا جو رہا
ایک ہی وار میں بدبخت اگر کام آئے
رہے ملحوظ عدالت پہ نہ الزام آئے

اس کی میت کو نہ پہونچے کوئی ایذا اصلا   نہیں منظور مجھے یہ کہ ہو سر تن سے جدا
قطع کرتے نہیں اعضائے بدن بعد قضا   اس کے گھر والوں کو ممکن ہو تو پرسہ دینا
کلمہ گو ہے، اسے غسل و کفن دے دینا
قبر کی جا اسے اے خلقِ حسنؑ دے دینا

غم میں اس کو نہ فراموش کریں آلِ عبا　　جب تلک قید میں ہے دیتے رہو آب و غذا
قتل کرتے نہیں قاتل کو بھی بھوکا پیاسا　　یہ رہے یاد، نہ پامال ہو اس کا لاشہ
قبرِ منکر پہ بھی بارانِ کرم ہوتا ہے
دلِ قاتل ہو غمیں تو، ہمیں غم ہوتا ہے

ابھی کرتے تھے یہ باتیں کہ ہوئیں آنکھیں بند　　اُٹھا کہرام، ہوئی رونے کی آواز بلند
بولا کوئی کہ بکا کرتی ہیں تطہیر پسند　　گھر میں بے تاب ہیں زہراؑ و نبیؐ کی دلبند
شب رہے نکلے تھے، آئے نہیں گھر میں حیدرؑ
شام سے محو تھے سامانِ سفر میں حیدرؑ

حرمِ آلِ علیؑ لوگوں سے فرماتے ہیں　　نہیں گھر آتے جو مولا تو ہمیں آتے ہیں
ہوتی ہے دیر تو دل سینوں میں گھبراتے ہیں　　اشک کلثومؑ کی آنکھوں سے بہے جاتے ہیں
آکے دروازے پہ یہ کہتی ہیں فضہؑ سب سے
کرتی ہیں آہ و بکا ثانیٔ زہراؑ کب سے

غش میں حیدرؑ تھے تو حسنینؑ اٹھا کر لائے　　لوگ روتے ہوئے تا بابِ شرف ساتھ آئے
سب سے کہتے ہوئے پھرتے تھے حرم گھبرائے　　رُخ ہمیں حیدرِ صفدرؑ کا کوئی دکھلا دے
پائینتی بیٹھیں جو کلثومؑ سرہانے زینبؑ
چوم کر زخم، لگیں رو کے جگانے زینبؑ

غش سے چونک اٹھے علیؑ بیٹیوں کے رونے پر　　کہا زینبؑ سے اُڑھا دو مرے تن پر چادر
وقت آیا نہیں رونے کا ابھی اے دُختر　　سر پہ قائم ہے ابھی بیٹیوں کے ان کا پدر
نیند اک عمر کی آنکھوں میں سمٹ آئی ہے
رات ہجرت کی پھر اک بار پلٹ آئی ہے

لوگ ملنے کے لیے آتے رہے جاتے رہے　　دل علیؑ درد گساروں کا بھی بہلاتے رہے
شدّتِ درد میں غم خواروں کا غم کھاتے رہے　　کلمے صبر کے ہر ایک سے فرماتے رہے
مشکل ایک ایک درِ علم نے آساں کر دی
مرتے مرتے طلبِ علم کی جھولی بھر دی

گزرے دو روز یونہی، آ گئی اکیس کی شب　　ہوئے بے چین علیؑ، بڑھنے لگا درد و تعب
کہا بیٹوں سے کہ ہے زخم میں تکلیف غضب　　درد کہتا ہے کہ ہم جانے ہی والے ہیں اب
رخصت احباب ہوں، ہر سمت سے پردہ کر لو
اہلِ خانہ کو مرے پاس اکٹھا کر لو،

کیا ہر اک کو سپردِ حسنِ سبز قبا　　پر نہ عباس کی جانب بھی علیؑ نے دیکھا
جوڑ کے ہاتھوں کو عباس کی ماں نے یہ کہا　　آپ ہیں کیوں مرے فرزند سے اے شاہ خفا
آپ اس کے لیے بھی کوئی وصیت کر دیں
جو مناسب ہو، سپرد اس کے بھی خدمت کر دیں

متوجہ ہوئے عباس کی جانب حیدرؑ　　کبھی ان پر، کبھی شبیرؑ پہ کرتے تھے نظر
کہا عباس سے، پاس آ مرے اے جانِ پدر　　بیٹے حسنینؑ نبی کے ہیں، تو ہے میرا پسر
ہاتھ شبیرؑ کے ہاتھوں میں ترا دینا ہے
ان کی نصرت میں تجھے ہاتھ کٹا دینا ہے

دونوں کے ہاتھوں کو ہاتھوں میں پکڑ کر یہ کہا　　دیکھو شبیرؑ نہ کرنا اسے قدموں سے جدا
ظلم سے جنگ میں ساتھ اس کو ہمیشہ رکھنا　　باپ کا فدیہ ہے، دینا اسے مرنے کی رضا
کربلا والوں کے لشکر کا علم دار ہے یہ
اک تمہاری ہی غلامی کا طلب گار ہے یہ

رخ پھر اک بار سوئے زینبؑ و کلثوم کیا　　کہا دونوں سے ردا شانوں سے سرکاؤ ذرا
بیٹیاں آئیں جو نزدیک اٹھے شیرِ خدا　　بازوئے زینبؑ و کلثوم کو پیہم چوما
قطرے ابھرے جو پسینے کے دمک اٹھا رخ
نزع میں اور بھی حیدرؑ کا چمک اٹھا رخ

پڑھنے کو سورۂ یٰسین حسنؑ نے کھولا　　حمد کا باب لبِ تشنہ دہن نے کھولا
بالوں کو اپنے اسیرانِ محن نے کھولا　　عقدۂ روح و بدن شاہِ زمن نے کھولا
نیند آئی شبِ ہجرت کی طرح حیدرؑ کو
پھر پسند آ گئی سونے کی ادا داور کو

پیشوائی کے لیے روحِ نبوت آئی   ہمرہی کے لیے شہزادیِ عصمت آئی
بسترِ خواب لیے پھر شبِ ہجرت آئی   لینے گاہک کو رضائے احدیت آئی
کہا گھر والوں نے رخصت کی گھڑی آ پہنچی
حشر سے پہلے قیامت کی گھڑی آ پہنچی

بولا ہاتف کہ گئے خلق کے سردار علیؑ   اٹھے دنیا سے غریبوں کے مددگار علیؑ
سیفِ اللہ علیؑ صبر کی تلوار علیؑ   منہ کو پھیریں گے نہ مظلوموں سے زنہار علیؑ
ظلم کے قلعوں کو ہے قلعہ کشا کی حاجت
کربلا کو ہے ابھی عقدہ کشا کی حاجت

رن میں لانے کے لیے لاشیں جو جائیں گے حسینؑ   تھک کے مولائے دو عالم کو بلائیں گے حسینؑ
نوجواں بیٹے کی میت پہ جب آئیں گے حسینؑ   یا علیؑ کہہ کے جنازے کو اٹھائیں گے حسینؑ
یا علیؑ آپ نہ آئے جو اٹھانے کے لیے
زینبؑ آ جائے گی اکبرؑ کو اٹھانے کے لیے

یا علیؑ قاسمؑ و اکبرؑ کو بچانا ہے تمھیں   علم و مشکِ دلاور کو بچانا ہے تمھیں
اصغرؑ و سبطِ پیمبر کو بچانا ہے تمھیں   بیٹیوں بہوؤں کی چادر کو بچانا ہے تمھیں
دشمنِ آلِ نبیؐ ایک زمانا ہو گا ؛
کربلا میں تمھیں عاشور کو آنا ہو گا ،

سن کے بیواؤں کی فریاد کو آنا ہے تمھیں   ردِ تیغِ ستم ایجاد کو آنا ہے تمھیں
قطعِ دست و لبِ بیداد کو آنا ہے تمھیں   صبرِ سجاد کی امداد کو آنا ہے تمھیں
تمھیں بیٹی کو سکھانی ہے زبانِ شمشیر
لبِ زینبؑ کو بنانا ہے لسانِ شمشیر

یا علیؑ! جسم سے سر ہوں گے شہیدوں کے جدا   خنجرِ حرص سے کاٹیں گے ستم گر اعضا
لاشِ شبیرؑ پہ دوڑائیں گے گھوڑے اعدا   دیں گی بیواؤں کو شعلوں کی زبانیں پرسا
شب ڈھلے آئے گا شامِ غریباں رن میں
پہرہ دینا ہے شبِ یازدہم کو بن میں

آپ کہتے ہیں کہ قاتل کو نہ مارو پیاسا   تین دن آپ کی اولاد رہے گی تشنا
طلبِ آب پہ چھد جائے گا اصغرؑ کا گلا   پائے گا بوند دمِ ذبح نہ ابنِ زہراؑ
کہا ہاتف نے ہر اک پیاس بجھا دیں گے علیؑ
پیاسوں کے واسطے کوثر کو لنڈھا دیں گے علیؑ

جب بھی ہوتا ہے کہیں ظلم تو آتے ہیں علیؑ   عدل کا درس دو عالم کو پڑھاتے ہیں علیؑ
قلعۂ زر کرتا ہے تعمیر، گراتے ہیں علیؑ   کرتی ہے نفع ذخیرہ تو لٹاتے ہیں علیؑ
جہل تعمیر کرے قصرِ ہوس کاری کے
ہیں مددگار علیؑ علم کی ناداری کے

صبر کی منزلِ دشوار کے رہبر ہیں علیؑ   سرفرازانِ سرِدار کے افسر ہیں علیؑ
قاسمِ آبِ بقا، ساقیٔ کوثر ہیں علیؑ   حق علیؑ کا ہے خدا، خلق کے داور ہیں علیؑ
ادب و علم کے خالق ہیں ثنا خوانِ علیؑ
بے نیازانِ زمانہ ہیں غلامانِ علیؑ

اے علیؑ والو! بنو عشقِ علیؑ کے شایاں   نام لیتے ہیں اگر ان کا تمھارے دل و جاں
غیر کی مدح سے ہرگز نہ ہو آلودہ زباں   جان جائے کہ رہے، جھک نہ سکے حق کا نشاں
خاک کھائے گی ہر اک قلعہ گری کا پرچم
تا ابد دہر میں اونچا ہے علیؑ کا پرچم

مرثیہ ۳

شہیدِ عطش

برسی نہیں نغموں کی گھٹائیں کئی دن سے

(در حال علی اصغرؑ ابن الحسینؑ)

یہ مرثیہ پیاس اور شیر خوارگی کے خون کی داستان ہے۔ اسی لحاظ سے گھٹاؤں کے نہ برسنے کی شکایت سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ قحطِ باران و آب ہمارے دور میں جنگ کے تباہ کن ہتھیاروں کی کثرت اور امیدِ امن کے فقدان کا بھی استعارہ ہے۔ ہماری صدی نے جو مصائب اور جنگیں جھیلی ہیں، وہ پوری انسانی تاریخ نے اپنی طویل عمر میں کبھی تصور بھی نہ کی تھیں۔ مرثیے کا چہرہ اسی 'عالم آشوب' سے عبارت ہے۔ مصایب کے سامنے صبر اور ظلم کے مقابل جہاد اگر سیکھنا ہو تو ہماری صدی کو بھی کئی سو سال پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھنا ہوگا۔ کربلا کے چند دنوں میں تمام دورِ زماں کے شداید اور غم و آلام کا نقطۂ ارتکاز سید الشہداؑ کے شش ماہے پسر علیؑ اصغر کی شہادت ہے، اور ان کا نقطۂ عروج حسینؑ کا سجدۂ عصر ہے۔

جدید شاعری میں علیؑ اصغر کی پیاس بھی استعارہ کے طور پر رائج ہوگئی ہے اور ان کی شہادت بھی مظلومی کا وہ آخری نقطہ مانی جاتی ہے جس پر تمام کربلا والوں کی پیاس سمٹ کر مرتکز ہوگئی تھی۔ حسینؑ ایسے صابر کے ہاتھ سے اگر کہیں دامنِ شکر چھوٹتا نظر آتا ہے تو اسی مرحلے پر۔ لیکن جو لرزتے ہوئے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے تھے، انھوں نے اس خونِ بے گناہی سے اپنے چہرے کو تابناک کرکے شمشیرِ جہاد بھی اٹھائی اور ظلم کو شجاعت کے ساتھ جواب دینا بھی سکھایا۔ سجدۂ عصر اسی جہاد کی آخری منزل ہے صبر و رضا کی انتہا۔

کربلا کی تمام شہادتوں میں اس شہادت کو، جو شہادتِ حسینؑ کی تمہید تھی، بڑا امتیاز حاصل ہے۔ میں نے اسی شہادت سے اپنی مرثیہ گوئی کا آغاز کیا، اس لیے کہ انسانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والا اس سے بڑا المیہ کوئی اور نہیں۔ یہ شہادت جذبات کی طہارت بھی کرتی ہے اور غم کو وہ غلو بھی بخشتی ہے جس کا دوسرا نام صبرِ حسینؑ ہے۔ اس شہادت کی روشنی میں ہی یہ قول اپنے پورے معانی کے ساتھ روشن ہوتا ہے کہ کربلا تلوار پر خون کی فتح کا نام ہے۔

برسی نہیں نغموں کی گھٹائیں کئی دن سے   سنکی نہیں مدھ ماتی ہوائیں کئی دن سے
لب بستہ ہیں جینے کی دعائیں کئی دن سے   ناکردہ ہیں معصوم خطائیں کئی دن سے
وہ حبس ہے، آواز کا دم ٹوٹ رہا ہے
ہر گیت کا، ہر ساز کا دم ٹوٹ رہا ہے
اے خالقِ الفاظ، مسیحائے معانی   اے صانعِ لوح و قلم و سحر بیانی
اے صاحبِ کُن سازِ سکوتِ ہمہ دانی   اے نغمۂ گل، صوتِ لبِ غنچہ دہانی
زاغ و زغن و بوم نوا سنج ہیں کب سے
لب بستہ ہیں مرغانِ خوش الحان ادب سے
تو نے ہی زباں بخشی ہے پتھر کے دہن میں   کانٹوں کو کیا محتسبِ غنچۂ چمن میں
بوجہل کیے پیدا رسولوں کے وطن میں   پھر حکم دیا صبر کا ہر رنج و محن میں
جس سینے کو عرفان کے بخشے ہیں سمندر
اس سینے پہ رکھوا دیے خاموشی کے پتھر
مدت ہوئی معنی نے نہ کی چہرہ نمائی   الفاظ لیے پھرتے ہیں کشکولِ گدائی
تخئیل نے پرواز کی مہلت نہیں پائی   بے رنگ ہیں نظریں کہ دھنک ہاتھ نہ آئی
کیا شعر و ادب، گردِ لطافت نہیں ملتی
یوں زندہ ہیں جینے کی اجازت نہیں ملتی
یہ عہدِ پُر آشوب کہ ہم کو جو ملا ہے   اس بانیِ بیداد کا انداز نیا ہے
دن نکلے تو معلوم ہو دل ڈوب رہا ہے   شام آئے تو بجھتا ہوا مرقد کا دیا ہے
ہر ایک نفس عمرِ عذابِ دو جہاں ہے
دھڑکن بھی مزاجِ دلِ نازک پہ گراں ہے

ہے قافلۂ وقت رواں سیلِ فنا کا   اڑتے ہوئے لمحات کا رکتا نہیں دریا
امّید کا ہر لمحہ ہے اک خوابِ رمیدہ   ڈھونڈو تو نشانِ کفِ پا بھی نہیں ملتا
اس راہ میں ہر موڑ کمیں گاہِ اجل ہے
جو ہاتھ ہے مجروح ہے، جو پاؤں ہے شل ہے
اِک سمت یہ پروازِ ترقی ہے بشر کی   ہے قبضۂ قدرت میں عناں شمس و قمر کی
افلاک میں ہے دھوم زمیں زادِ نظر کی   منّت نہیں درکار دعاؤں کو اثر کی
ہر عقدۂ تقدیرِ جہاں کھُلنے لگا ہے
خورشید بھی ہم وزنِ خزف تُلنے لگا ہے
اور دوسری جانب ہیں غمِ زیست کے سائے   اندیشۂ جاں سے نہ یہاں نیند بھی آئے
اس آگ کے طوفاں میں کوئی چین نہ پائے   آنکھوں کے لیے خواب بھی اپنے ہیں پرائے
ذرّے کا بھی دل ٹوٹے تو ہل جاتی ہے دنیا
پرساں نہیں کوئی دلِ انساں کی تڑپ کا
انساں ہے انساں کی صحبت سے گریزاں   نے پاسِ مروّت ہے، نہ ہے عشق پہ ایماں
اخلاص کے پھولوں سے بھی خوشبو ہے پرافشاں   ہر نقشِ تعلق کا ہے خود آپ سے نالاں
اسرارِ زماں اور مکاں کے تو ہیں روشن
کھلتا نہیں کون اپنا ہے اور کون ہے دشمن
دل محض ہے اک آلۂ خوں فیضِ مشیں سے   دنیا سے تعلق، نہ علاقہ کوئی دیں سے
ہے علم کا سینہ بھی تہی سوزِ یقیں سے   احساس کا رشتہ ہے زماں سے نہ زمیں سے
ہیں جسم کہ مرغولے بھٹکتے ہیں ہوا میں
ہیں ذہن کہ شعلے سے بھڑکتے ہیں خلا میں
ہے شعبدۂ مکر فنِ اہلِ سیاست   بک جاتی ہے، لُٹ جاتی ہے افکار کی عصمت
ممنوع ہے، معتوب ہے ذہنوں کی دیانت   ممدوح ہے، مرغوب ہے ایماں کی تجارت
یہ طرزِ ستم وقت نے ایجاد کیا ہے
ویراں ہیں گھر، روضنوں کو آباد کیا ہے

گر کوئی کرے عظمتِ انساں کا سبق یاد   آوارہ وطن ہوتا ہے وہ خانماں برباد
ہے فکرِ معاش اُس کے لیے روز کی بیداد   آئینِ فقیہانِ ہوس کرتا ہے ارشاد
تقدیسِ محبّت کا بھی ذکر آنے نہ پائے
یہ شیخ تہہِ دامنِ فکر آنے نہ پائے
بیدار نگاہوں پہ ہے نظّاروں کی قدغن   حسّاس دلوں کے لیے ہر بات ہے اُلجھن
تابندہ دماغوں میں ہیں افکار کے مدفن   فرخندہ جبینوں کا ہر اک سنگ ہے دشمن
اے بے ہنری! پاؤں اماں جاں کی تو بولوں
میزانِ مژہ پر غمِ کونین کو تولوں
بازارِ زر و سیم میں کھولی ہے وہ دکاں   جس جنس کی قیمت نہیں جز نالۂ حیراں
در در پہ گیا لے کے میں شمعِ دلِ سوزاں   ہے کون خریدارِ دُرِ اشکِ غم یاں
جو آنکھ بھی چھلکے، وہ مرا دیدۂ تر ہے
جو قلب ہو صد چاک، مرا لختِ جگر ہے
اس طور سے مضمونِ سخن جمع کیا ہے   ہر دامنِ گل بن کے صبا میں نے سیا ہے
شبنم میں تھا جو زہر، کرن بن کے پیا ہے۔   ہر ایک صدف کو دُرِ نایاب دیا ہے
تب فن نے بھی یوں میری مسیحائی ہے مانی
گر لفظ کو چھولوں تو پکار اُٹھیں معانی
اک عمر میں عقدہ یہ کھلا طبعِ رواں پر   سودائے سخن کی ہے بنا صرفِ زیاں پر
نغمہ جو کوئی چھیڑیں تو بن جاتی ہے جاں پر   دانش کے گہر رولیں تو بندش ہے زباں پر
پتھر سے جو سر پھوڑیں تو نغمات کا خوں ہو
سورج سے اگر رشتہ ہے، ذرّات کا خوں ہو
اک عمر سے ہوں موردِ بیداریِ جاں کاہ   جھپکی بھی ہو گر آنکھ تو شاہد ہے خود اللہ
اس دشتِ سیہ بخت میں سایہ نہ کہیں چاہ   بچھڑے ہوئے خوابوں کو جو ڈھونڈوں تو نہیں راہ
بے مونسِ غم شامِ بلا کاٹ رہا ہوں
تنہائی کی سفّاک سزا کاٹ رہا ہوں

جو خواب بھی دیکھا، وہ پریشاں نظر آیا   اپنا جسے سمجھا، وہ گریزاں نظر آیا
جس باغ کو سینچا، وہی ویراں نظر آیا   پوچھا جسے وہ چاک گریباں نظر آیا
جو ہے ستمِ دہر سے فریاد بہ لب ہے
کلیوں سے سبب چپ کا جو پوچھیں تو غضب ہے
شمعِ سرِ رہ بن کے میں صدیوں سے ہوں بیدار   انداز سے ہر موجِ ہوا کے ہوں خبردار
ان آنکھوں نے دیکھی ہے زمانے کی بھی رفتار   محفوظ تصور میں ہیں ہر عہد کے آثار
آدم ہوں، سفر میرا ازل تا بہ ابد ہے
عیسیٰ ہوں، مرا گھر ہے، پتہ ہے نہ لحد ہے
تاریخ کے ہر صفحے پہ ٹوٹا ہے نیا قہر   بن باس ملے رام کو، گوتم کو غمِ دہر
عیسیٰ تو چڑھے دار پہ، سقراط پیے زہر   پیاسا پسرِ ساقیِ کوثر ہو لبِ نہر
مہتابِ شبِ چار دہم چاندنی مانگے
چوکھٹ پہ اندھیروں کی سحر روشنی مانگے
خسرو کا محل دولتِ شیریں سے غنی ہو   فرہاد کے تیشے کو غمِ خود شکنی ہو
جو شخص سرافراز ہے گردن زدنی ہو   بوئے گلِ تر وقفِ غریب الوطنی ہو
کانٹے تو لہو پی کے ہوں سیراب و سرافراز
شاہینِ فلک سیر ہو صیدِ غمِ پرواز
ہر عہد میں بوجہل رہے صاحبِ دولت   پائی ہے تہی ذہنوں نے وسعت پہ حکومت
اندھوں ہی کو مانا گیا اربابِ بصیرت   کم ظرفوں سے منسوب ہے حاتم کی سخاوت
کیوں اس کو ستم گاریِ دنیا نہ کہیں ہم
جلّادوں کے آگے ہیں نبیوں کے بھی سر خم
جو بھی سگِ دنیا کی پرستش نہیں کرتا   گھر اس کا زر و مال سے ہرگز نہیں بھرتا
جو حق کے لیے قیدِ ستم سے نہیں ڈرتا   ہر سانس پہ جینے کے لیے ہے وہی مرتا
کٹ جاتی ہیں اظہارِ صداقت میں زبانیں
دب جاتی ہیں بے معنی صداؤں میں اذانیں

کس منہ سے کہیں ہم کہ غلط بخش ہے فطرت   کافی ہے ہمارے لیے افکار کی دولت
ہے روشنیِ ذہن ہی شاعر کی وراثت   ہیں کون و مکاں اپنے اگر دل میں ہے وسعت
بادہ طلبی شوق کی دریوزہ گری ہے
صد شکر کہ تقدیر ہی یاں تشنہ لبی ہے

ہر دور میں ہم لوگ رہے غم کے نگہباں   دل تنگ نہ کر پائی ہمیں تنگیِ دوراں
ہمت ہی سے آباد رہا عرصۂ امکاں   ہیں دل زدگاں آبروئے عصمتِ جاناں
نقشِ قدم اپنے ہیں بیابانوں میں روشن
خونِ رگِ مظلوم ہے ایوانوں میں روشن

ہر چند نہ کر پایا ہمیں کوئی نگوں سار   لیکن ہیں ابھی راہ میں حائل کئی کہسار
طوفانوں سے لڑنا ہے برائے دُرِ شہوار   دے دیں نہ رہِ حق میں تو سر تن پہ گراں بار
انصاف سے معمور زمیں گر نہیں ہوگی
تسخیرِ دو عالم کی مہم سر نہیں ہوگی

لازم ہے کہ اس دور کے فرعونوں سے ٹکرائیں   واجب ہے کہ نمرودوں کے دوزخ سے گزر جائیں
مل جائے جو شدّادوں کی جنّت بھی تو ٹھکرائیں   تخریب کو تعمیر کے آداب بھی سکھلائیں
ہر رنگ میں موجود یزیدانِ زماں ہیں
دنیا متلاشی ہے کہ شبیرؑ کہاں ہیں

آوارگیِ کوچۂ جاناں اِدھر آنا   آشفتگیِ چشمِ نگاراں اِدھر آنا
وارفتگیِ دشتِ غزالاں اِدھر آنا   تابندگیِ دیدۂ گریاں اِدھر آنا
گنجینۂ صاحب نظراں تم کو دکھائیں
تدبیرِ علاجِ غمِ جاں تم کو سکھائیں

اک مشہدِ خونیں جگراں دور سے دیکھو   اک دولتِ بیدار و جواں دور سے دیکھو
اک گنجِ شہیداں ہے عیاں دور سے دیکھو   اک شامِ غریباں کا دھواں دور سے دیکھو
اس دشت میں ہر غم کے لیے خاکِ شفا ہے
ہر ذرّے پہ اک سجدۂ اربابِ وفا ہے

مرہم کی ہے گر فکر تو زخمی اِدھر آئیں   چاہیں جو مداوائے الم چارہ گر آئیں
کشکول لیے اشکوں کے چشمانِ تر آئیں   حسرت ہے تجلّی کی تو صاحب نظر آئیں
موسیٰ کو ملا ہے یدِ بیضا اسی در سے
اعجاز اثر ہے دمِ عیسیٰ اسی در سے

افسردہ ہو جو شورشِ دنیائے دنی سے   دل تنگ ہو جو نیزۂ غربت کی انی سے
پامال ہو جو گردِ غریب الوطنی سے   نالاں ہو جو آلام کی ناوک فگنی سے
ہم اُس کو دکھائیں کہ ستم سہتے ہیں ایسے
مر کر بھی رہِ حق میں امر رہتے ہیں ایسے

اس دشت کو بھولا ہے، نہ بھولے گا وہ منظر   جب اُترے تھے اربابِ شہادت یہاں آکر
کچھ طفل تھے، کچھ عورتیں اور مرد بہتّر   نرغے کے لیے جمع ہوئے لاکھوں کے لشکر
ان لاکھوں کے نام آج نہیں یاد کسی کو
کرتا ہے ہر اِک یاد حسینؑ ابنِ علیؑ کو

وہ لشکرِ اشرار ہے گم سیلِ فنا میں   اب خاک بھی اس کی نہیں دامانِ ہوا میں
آوازِ ستم کی نہیں لہریں بھی فضا میں   شمشیر و سناں غرق ہیں دریائے جفا میں
آوازۂ حق پھر بھی جہاں گیر ہے اب تک
ہر سینے میں روشن غمِ شبیرؑ ہے اب تک

اس دشت میں گونجی ہوئی اب تک وہ صدا ہے   جو مرہمِ دل سوزیِ اربابِ وفا ہے
جو چارۂ بے چارگیِ دستِ دُعا ہے   جو گوہرِ دامانِ سماعت کی ضیا ہے
دیکھے تو کوئی وسعتِ آوازِ صداقت
ہر دور کو سکھلا گئی اندازِ صداقت

آزادیٔ افکار سے قند نہیں ہے   جو لب ہے حق آگاہ، وہ خورسند نہیں ہے
سن لے کوئی اُمید یہ ہرچند نہیں ہے   پھر بھی تو زبانِ شہدا بند نہیں ہے
کٹ جائے زبان ہر بُنِ مو بول رہا ہے
سر تن سے جدا ہیں تو لہو بول رہا ہے

اس دشت میں وہ قافلہ اترا تھا بہ مشکل
جس کو نہ اماں بیتِ اماں میں ہوئی حاصل
جس کے نہ قدم روک سکی کوئی بھی منزل
تھا دشتِ بلا لیلیِٰ مقصود کی محمل
اترے جو یہاں عرشِ منوّر ہی پہ اترے
یاں سے جب اُٹھے چشمۂ کوثر ہی پہ اترے
اس قافلۂ امن کا انداز نیا تھا
اس لشکرِ بے تیغ کا آئین وفا تھا
اس فوج کا سالار امامِ شہدا تھا
اس کعبۂ ایماں میں ہر اک قبلہ نما تھا
ماتھا جہاں ٹیکا وہیں کعبہ سمٹ آیا
وہ شانِ عبادت تھی کہ سورج پلٹ آیا
کتنے ہی علم دیکھ چکی ایسے بھی دنیا
اقلیموں پہ تھا سایہ فگن جن کا پھریرا
تھا جن کا نشاں اوج میں ہم دوشِ ثریا
کھل جائیں پھریرے تو ہو دن میں بھی اندھیرا
حرکت میں جو آئیں تو چلے موت جلو میں
بہہ جاتے تھے تنکوں کی طرح ملک بھی رو میں
لیکن وہ علم وقت کے ہاتھوں میں نگوں سر
چنگیز و ہلاکو ہوں کہ ہوں سیزر و ہٹلر
تاریخ کی میزان میں تُلتے ہیں برابر
ہر لمحہ حساب اپنا طلب کرتا ہے آ کر
ہر قطرۂ خوں اٹھ کے پکڑ لیتا ہے ان کو
خود اپنا ہر اک ظلم جکڑ لیتا ہے ان کو
فوجوں کے سمندر میں ہیں کچھ ایسے نشاں بھی
جو روحِ لطافت بھی ہیں اور کوہِ گراں بھی
جو دست بہ شمشیر بھی ہیں جائے اماں بھی
جن کے لیے رک جاتا ہے خود سیلِ زماں بھی
بڑھ کر جنہیں سینے سے لگا لیتی ہے تاریخ
یہ ہیں وہ علم جن کو اٹھا لیتی ہے تاریخ
شبیرؑ کے لشکر کا علم بھی ہے نرالا
خورشید بھی اک ذرّہ ہے، اس کا ہے وہ ہالا
ظلمات سے کونین کو اِس نے ہی نکالا
گرتے ہوئے انسانوں کو اِس نے ہی سنبھالا
یہ بارِ امانت جو اُٹھا لے وہ علم دار
یہ رایتِ حق جو بھی سنبھالے وہ علم دار

یہ رایتِ حق عظمتِ انساں کا ستارا   قرآنِ صداقت کا ہے یہ آخری پارا
کمزوروں کی آواز غریبوں کا سہارا   ظالم کے لیے موت کا رقصندہ شرارا
جذب اس میں رسالت کی امامت کی نگاہیں
جھک جاتی ہیں اربابِ حکومت کی نگاہیں
آغاز کیا مقصدِ بعثت کو اسی نے   تکمیل کیا کارِ نبوّت کو اسی نے
پورا کیا انساں پہ نعمت کو اسی نے   پھیلایا ہے پیغامِ شہادت کو اسی نے
حامل ہے جو اس کا، وہ رسالت کا امیں ہے
عصمت کا نگہباں ہے، امامت کا امیں ہے
اس قافلۂ امن کے افرادِ دلاور   کس شان سے آئے تھے ہتھیلی پہ لیے سر
ہاتھوں میں نہ تیر و تبر و تیغ نہ خنجر   حق دل میں تھا، پیغامِ محبت تھا زباں پر
تلوار بھی تھا، کلمۂ حق ان کی سپر بھی
منزل بھی تھا حق ان کے لیے، راہ گزر بھی
دریا کے کنارے پہ جو خیمے ہوئے برپا   معلوم ہوا عرش زمیں پر اتر آیا
اک قطعۂ فردوسِ بریں بن گیا صحرا   بڑھ بڑھ کے قدم لیتا تھا امڈا ہوا دریا
دل سیر تھے ایسے کہ ترائی کو بھی چھوڑا
کیا سلطنتِ شام، خدائی کو بھی چھوڑا
دشمن کو بھی دکھلایا کہ ہیں ساقیِ کوثر   غیروں نے بھی دیکھا کہ ہیں یہ شافعِ محشر
جنگجویوں نے بھی مانا کہ ہیں امن کے پیکر   سجدہ کیا شکرانے کا آکر تہِ خنجر
قاتل نے بھی اظہارِ عقیدت کا کیا ہے
تلواروں میں بھی درسِ محبّت کا دیا ہے
وہ دشت، وہ موسم کی تمازت، وہ ہوا گرم   اک آتشِ سیّال سے تھے ارض و سما گرم
تھی ریگِ تپاں صورتِ میدانِ قضا گرم   خیمے تھے حبابوں کے بھی سورج سے سوا گرم
تھا شعلوں کے دامن میں رسولوں کا سفینہ
یا آگ کے طوفاں میں تھا پھولوں کا سفینہ

اصحابِ حسینی میں ہر اک سرو سمن تھا
تھا شیرِ وغا، بزم میں جو غنچہ دہن تھا
رم کرتا تھا باطل سے جو آہوئے ختن تھا
نرمی میں صبا، جوشش میں کہسار شکن تھا
ہر اک تھا شہنشاہ غریب الوطنی میں
کوثر کو بھی دیکھا نہیں تشنہ دہنی میں

دکھلا دیا کونین کو کرتے ہیں وفا یوں
کرتے ہیں حقِ زیست جواں مرد ادا یوں
اَڑ جاتے ہیں حق بات پہ مردانِ وغا یوں
عزّت کے لیے دیتے ہیں جاں نامِ خدا یوں
کم جمع ہوئے ہوں گے کہیں ایسے مجاہد
خود جن کی شرافت پہ شرافت بھی ہو شاہد

یہ لوگ ہی انسان کی عظمت کے امیں تھے
یہ پیکرِ انوار محبت کے امیں تھے
یہ صادق الاقوال صداقت کے امیں تھے
یہ غازیِ کردار امامت کے امیں تھے
جب تک رہے شبیرؑ پہ آنچ آنے نہ پائی
انسان کی توقیر پہ آنچ آنے نہ پائی

یہ لوگ تھے پروانۂ شمعِ دلِ ایماں
یہ لوگ تھے خورشید بکف، صبحِ درخشاں
یہ لوگ تھے پیغمبرِ اخلاص کے قرآں
یہ لوگ تھے آیندہ زمانوں کے نگہباں
ہم آج جو ہر ظلم سے ہوتے ہیں صف آرا
یہ بھی ہے انہی لوگوں کا دَر پردہ اشارا

ان لوگوں نے قاتل سے بھی کی مٹ کے بھلائی
ان لوگوں نے خود ہار کے جیتی ہے لڑائی
قیمت گہرِ جاں کی جو ظالم سے نہ پائی
لی مول حیاتِ ابدی دے کے خدائی
برجِ فلکِ زیست کا مہتاب ہے ہر ایک
شہرِ ابدیّت کا نیا باب ہے ہر ایک

یہ لوگ خداوندِ خدایانِ جہاں تھے
میدانِ شجاعت میں ہمالہ سے گراں تھے
تاریکیِ نفرت کے لیے برق بہ جاں تھے
انسانوں کا ہو قحط تو یہ آبِ رواں تھے
خود چشمۂ حیواں سے تو اک بوند نہ پائی
ہر خارِ رہِ غم کی مگر پیاس بجھائی

پیری تھی ضعیفوں کی ارادے کی جوانی   بچوں کے لیے شہد تھا تلوار کا پانی
سیلاب تھی پیاسوں کی طبیعت کی روانی   سلطانوں کی شرط ان کے غلاموں نے نہ مانی
بک جائیں کئی یوسفِ کنعاں وہ جواں تھے
پابوسی کریں قیصر و خاقاں، وہ جواں تھے

اِن پھولوں کے داغ ابنِ محمدؐ نے اٹھائے   یہ لعل و گہر بندگیِ حق میں لٹائے
وہ صابر و شاکر کہ گلہ لب پہ نہ لائے   خوں ہو کے بہا دل، مگر آنسو نہ بہائے
ہوتے جو محمدؐ انھیں قرآن سمجھتے
ہر پیاسے کو اللہ کا احسان سمجھتے

اصحاب سدھارے تو اعزا کی تھی باری   مسلم کے پسر، عون و محمد ہوئے واری
قاسم کو دلہن بن کے شہادت ہوئی پیاری   پھر آرتی عباسؑ کی سورج نے اتاری
گر کر بھی علم خاک پہ خورشید نشاں تھا
مولا کے ارادے کی طرح درد جواں تھا

ہم شکلِ نبیؐ تھے گلِ گلزارِ محمدؐ   رفتار میں گفتار میں آثارِ محمدؐ
تابانیِ رخ مطلعِ انوارِ محمدؐ   وہ لحن کہ تھا گرمیِ بازارِ محمدؐ
نعمت کی تھی تکمیل یہ تفسیر نبیؐ کی
ایک ایک ادا ان کی تھی تصویر نبیؐ کی

جس منزلِ دشوار میں رہ جاتے پیمبر   جس موجۂ گرداب سے تھا نوحؑ کو بھی ڈر
یعقوبؑ و براہیمؑ بھی کھاتے جہاں ٹھوکر   جو صدمہ ہوا رحمتِ عالم کو بھی دوبھر
اس عہدۂ مشکل سے بھی شبیرؑ بر آئے
نعشِ گلِ رعنا پہ سنبھالے جگر آئے

تاریخ میں بے مثل ہے صبرِ شہِ والا   عیسیٰؑ نے تنِ تنہا لہو اپنا اچھالا
سقراط نے بھی خود ہی پیا زہر کا پیالا   شانِ پسرِ فاطمہؑ ہے سب سے دوبالا
ہر کشتے کے ساتھ آپ ہوئے کشتۂ داور
پینا نہ کوئی جام شہادت کے بہتر

سب کچھ بھی لٹا کر یہ لٹانے کی تھی حسرت
جیسے کہ خداوند سے ہو اب بھی ندامت
یوں دل سے لگا لیتے تھے ایک ایک کی میّت
جیسے کہ ہر اک داغ تھا انعامِ مشیّت
اک لاش اٹھی، دوسری تیار دھری تھی
کٹتی گئی جتنی بھی یہ شاخ اور ہری تھی
کوئی نہ ہو، پر کلمۂ حق ساتھ تھا ہر آن
ایقانِ صداقت سے قوی تھے جگر و جان
دل سرد تھا جینے سے مگر رخ پہ وہی شان
وہ رعبِ نظر تھا کہ لرز جاتا تھا میدان
آواز میں دنیا کے شہیدوں کی تھی آواز
ہر عشق کے نغمے سے ہم آہنگ تھا یہ ساز
اس دشت سے اٹھی تھی جو آوازِ جہاں گیر
اعدا نے کیا اپنے تئیں کشتۂ شمشیر
کب قتل ہوئی ظلم سے سچائی کی تاثیر
پہنا نہیں سکتا کوئی آواز کو زنجیر
شامل اس اک آواز میں آوازِ خدا تھی
ساتھ اس کے ازل اور ابد کی بھی صدا تھی
صدیاں متوجّہ تھیں کہ حق بول رہا ہے
انسان کی قسمت کی گرہ کھول رہا ہے
وہ حق جو خدا کی طرح انمول رہا ہے
پایا ہے، مگر کانوں میں رس گھول رہا ہے
ساکت ہے جہاں، عقدہ کشا بول رہا ہے
انسان کے ہونٹوں سے خدا بول رہا ہے
شبیرؑ کی آواز محمدؐ کا تھا پیغام
وہ طرزِ ملامت تھی کہ بے طعنہ و دشنام
وہ لہجہ کہ ہر لفظ تھا اک مصحفِ الہام
وہ نرمی کہ نکہت بھی ہو کم جس سے سبک گام
وہ پھول کی پتی کہ رگِ سنگ بھی کٹ جائے
وہ بارِ لطافت، طبقِ ارض الٹ جائے
فرماتے تھے کس دبدبۂ و جاہ سے سرکار
ہیں ہیچ نظر میں مری فرعونوں کے دربار
جانو ہوسِ مال کو رسوائیِ بازار
سمجھو سپہِ ظلم کو ٹوٹی ہوئی تلوار
یہ سلطنتِ شام تو خاکِ کفِ پا ہے
ہے گردِ قدم، وسعتِ کونین بھی کیا ہے

منظور ہم انسان کی ذلت نہیں کرتے   مومن کبھی ایماں کی تجارت نہیں کرتے
آزاد غلاموں کی اطاعت نہیں کرتے   نیلام شریف اپنی شرافت نہیں کرتے
اے خالقِ کُل! تیری دُہائی ہے دُہائی
زیست اور کرے موت کی چوکھٹ پہ گدائی

انسان سے بیعت کا طلب گار ہو حیواں   مُردے کو ہو دعوائے مسیحائیِ دوراں
بندہ سگِ دنیا کا ہو کعبے کا نگہباں   بوجہل محمدؐ سے اطاعت کا ہو خواہاں
ذرّے کو ہے یہ زعم ہمالا پہ ہے بھاری
قطرے کو ہے یہ وہم کہ دریا پہ ہے بھاری

ہے جھوٹ کی خواہش کہ صداقت کو خریدے   کم ظرف کو ارماں کہ سخاوت کو خریدے
زر کو ہوس ایماں کی دولت کو خریدے   غاصب کو یہ امید دیانت کو خریدے
ہم وہ کہ بِکیں گر تو بِکے مرضیِ حق بھی
افلاک بھی بِک جائیں زمینوں کے طبق بھی

ہم تشنگیِ روحِ تمنائے صداقت   ہم عزمِ سرافرازیِ پروازِ شجاعت
ہم باعثِ تخلیقِ جہاں، خاتمِ نعمت   ہم صاحبِ لولاک کی ہیں زندہ امانت
ہم صاحبِ تطہیر ہیں، ہم رحمتِ عالم
ہم آیتِ تکمیلِ عروجِ بنِ آدم

تم بندۂ ظلمات، خداوندِ سحر ہم   تم ظلم کی تلوار، محبت کی سپر ہم
تم ابنِ زمانہ ہو تو فردا کی خبر ہم   تم جہل کی آواز ہو، عالم کی نظر ہم
ہے خون اُدھر، اشک کی سوغات ادھر ہے
ہے ظلم اُدھر، دل کی مناجات ادھر ہے

تم آج سرافرازوں کے سر چھین رہے ہو   تابندگیِ دیدۂ تر چھین رہے ہو
معصوم دعاؤں سے اثر چھین رہے ہو   تم اہلِ بصارت سے نظر چھین رہے ہو
ہم پرورشِ باطل سے اماں دیتے ہیں تم کو
اک دولتِ بیدار و جواں دیتے ہیں تم کو

جاں دے کے ہم انسانوں کو جاں بخش رہے ہیں مظلوموں کے اشکوں کو زباں بخش رہے ہیں
ہم لٹ کے تمھیں گنجِ گراں بخش رہے ہیں ہمّت ہو تو لو، کون و مکاں بخش رہے ہیں
کل یہ نہیں کہنا کہ زیاں کار رہے تم
ظلماتِ جہالت میں گرفتار رہے تم
حق ساتھ ہو جس کے اسے کچھ بھی نہیں درکار تیغ و تبر و تیر تو غاصب کے ہیں ہتھیار
ظلم اپنی لحد آپ کیا کرتا ہے تیّار ہم موت میں بھی دیکھتے ہیں فتح کے آثار
ہم آج رہے چپ تو ہے قرآں کا نقصان
سوگند زمانے کی ہے انسان کا نقصان
ہم رات کو دیں حکم تو سورج نکل آئے ہم ماریں جو ٹھوکر، ابھی دریا اُبل آئے
ہم تیغ اٹھالیں تو تمھاری اجل آئے ہم جب بھی کہیں نظمِ جہاں میں خلل آئے
مختار ارادے کے ہیں، مجبور نہیں ہم
تم کیا ہو خدائی سے بھی معذور نہیں ہم
مقصود ہے تم قعرِ ضلالت سے ابھر آؤ منظور ہے، کوہِ ہوسِ زر سے اُتر آؤ
مطلوب ہے عزت تو غلامی سے گزر آؤ مرغوب ہے گر جامِ شہادت تو اِدھر آؤ
ہے ذلتِ جاوید یزیدوں کے حشم میں
تاجِ ابدیت ہے شہیدوں کے قدم میں
ہے کون معینِ دلِ بے چارہ و بے یار ہے کون رفیقِ شہِ بے یاور و انصار
ہے کون محمدؐ کی امانت کا نگہدار ہے کون بنِ فاطمہؑ زہرا کا مددگار
کیا بولتے پتھرؔ، نہ سماعت نہ زباں تھی
کہنے کو تو لبیک بس اک ننھی سی جاں تھی
اِک دن میں جو شبیرؑ نے صدمات اٹھائے اک صدمہ بھی ان میں کا کوئی جھیل نہ پائے
اک نیشِ اَلم بھی جو کسی دل میں در آئے اک عمر خلش اس کی رگِ جاں سے نہ جائے
یوں قطعِ رہِ درد کوئی کر نہیں سکتا
زندہ کوئی ہر سانس پہ یوں مر نہیں سکتا

قاسمؑ تھے نہ اکبرؑ تھے، نہ عباسؑ دلاور   جاں پہلے ہی قربان کیے سوتے تھے صفدر
لیکن شہہِ مظلوم کی آواز کو سُن کر   اک بار لرز اٹھا تھا ہر اک تنِ بے سر
ہر لاش پکاری کہ نثار آپ پہ ہے جان
سو بار ملے زیست تو سو بار ہوں قربان
فرمایا پلٹ کر سوئے اصحابِ گرامی   تم میں سے ہر اک عشق کے میداں میں ہے نامی
دیتے ہیں تمھیں جھک کے پیمبر بھی سلامی   زیبا ہے شہنشاہوں کو ایسوں کی غلامی
ہوتے ہیں شہیدانِ رہِ حق کے یہی طور
جو تم نے وفا کی ہے، کرے گا کوئی کیا اور
یاں گنجِ شہیداں میں ہوئی لاشوں میں ہلچل   واں سن کے صدا باپ کی اصغرؑ ہوئے بے کل
آمادۂ نصرت ہوئے، کی دیر نہ اک پل   چھوٹے تھے بہت جا نہ سکے خود سوئے مقتل
یوں تڑپے کہ گہوارے سے باہر اچھل آئے
خشک آنکھوں کے صحرا سے بھی آنسو نکل آئے
اہلِ حرمِ پاک میں برپا ہوا کہرام   معلوم یہ ہوتا تھا قیامت کا ہے ہنگام
سجادؑ بھی چونک اٹھے غشی سے بصد آلام   آوازِ فغاں پہنچی جو تا شاہِ خوش انجام
دل دھڑکا کوئی حادثہ خیمے میں ہوا ہے
یا پیاس کی شدت سے کوئی طفل موا ہے
خیمے سے اٹھا شور تو شبیرؑ پلٹ آئے   محرومیِ امّت سے غمیں، فرق کو نیوڑھائے
خیمے کے قریب آن کے لب پر یہ سخن لائے   کیا حادثہ گزرا ہے کوئی مجھ کو تو بتلائے
گریہ تھا گلوگیر، کوئی بول نہ پایا
ہلتا ہوا گہوارۂ اصغر نظر آیا
معلوم ہوا پیاس کی شدت سے ہیں بے ہوش   چھ ماہ کا سن، نے غمِ فردا نہ غمِ دوش
معصوم کا گہوارہ ہے ماں بہنوں کی آغوش   پھر بھی اثرِ خونِ حسینی کا ہے یہ جوش
پیغامِ طلب سنتے ہی یوں چونک پڑے ہیں
گویا کہ علیؑ تیغ بکف رن میں کھڑے ہیں

فرمایا کہ اس ہدیۂ آخر کو بھی لاؤ　　چہرہ علی اصغرؑ کا مجھے لا کے دکھاؤ
پیاس ان کی بجھانی ہے، نئے کپڑے پہناؤ　　جاگے ہیں تو اب لوریاں دے کر نہ سلاؤ
اِس چاند سے چہرے پہ گھٹا چھا نہیں سکتی
بے پانی پیے نیند انھیں آ نہیں سکتی

زینبؑ نے کہا، چاہیے سورج سے حفاظت　　لو تند، ہوا گرم، فضا مصدرِ حدّت
بھوکے بھی ہیں پیاسے بھی ہیں کچھ کچھ ہے حرارت　　مرجھائے نہ اس دھوپ میں یہ چاند سی صورت
آپ اپنی عبا ان کو اڑھا دیجئے بھائی
گھبرائیں تو دامن کی ہوا دیجئے بھائی

اصغر کے لیے روتی ہے رہ رہ کے سکینہؑ　　سمجھایئے اس کو بھی ذرا شاہِ مدینہ
خشک اتنے میں اصغرؑ کا بھی ہو جائے پسینہ　　طوفان قیامت کا ہے، نازک ہے سفینہ
یہ گرم ہواؤں کا ستم سہہ نہ سکیں گے
اس پیاس میں لو دھوپ کا غم سہہ نہ سکیں گے

شبّیر تھے ہر ایک سے آنکھ اپنی چرائے　　مقصد تھا کوئی ہدیۂ حق بچنے نہ پائے
پانی کے بہانے سے تھے لینے انھیں آئے　　کیا کہتے کہ اب بچے سے ماں ہاتھ اٹھائے
انجام جو ہونا تھا وہ سب جان رہے تھے
اصغر کو لیے گود میں چپ چاپ کھڑے تھے

اے کاش کوئی کہتا کہ اے سرورِ عالم　　لے جایئے ان کو نہ خدا کے لیے اس دم
ہیں سنگ دل و سنگ نظر شام کے اظلم　　ان کے لیے اک عمر اٹھائیں گے حرم غم
یہ داغ ہر اک قلب میں تا عمر رہے گا
ہر آنکھ سے ہو ہو کے لہو قلب بہے گا

لے آئے چھپائے ہوئے دامن میں شہِ دیں　　تھا خشک لب و خشک دہن یہ گلِ بے کیں
شش ماہہ سزا پائے یہ ہے کون سا آئیں　　قربانیاں اِس شان کی دنیا نے نہ دیکھیں
جس وقت کہ دامن رُخِ زیبا سے ہٹا ہے
تھا سب کو گماں رحل پہ قرآن کھلا ہے

یہ پارۂ قرآں تھا کہ تھی حجّتِ آخر   مظلومیتِ آلِ عبا ہو گئی ظاہر
روتا تھا جگر تھام کے ہر خون کا تاجر   کانپ اٹھا تھا اس وار سے ہر جابر و قاہر
عباسؑ کے حملے سے تو بچ جانا تھا آساں
ہر ضربتِ اصغرؑ کا نہیں تھا کوئی درماں
منہ پھیر کے رونے لگے دشمن کے سپاہی   وہ نور تھا، شرما گئی خود تیرہ نگاہی
اک لحظے کو لو دینے لگی دل کی سیاہی   دینے لگے قاتل بھی صداقت کی گواہی
اعجاز تھا یہ ساقیِ کوثر کے خلف کا
ذلّت کو خیال آ گیا انساں کے شرف کا
بے دست تھے، مجبور تھے بے بس تھے جفاکار   خوشبوئے صداقت سے تھے عاجز رسن و دار
معصومیتِ طفل پہ اٹھتی نہیں تلوار   پیغامِ خموشی کو دباتی نہیں للکار
تھی کس میں یہ جرأت کہ وہ شمشیر پکڑتا
کٹ جاتے تھے دل، تیرِ نظر جس پہ بھی پڑتا
ہاں ایک کماں ایسی تھی، جیسے ہو کڑا دل   جو تیر بھی اس کا تھا، وہ تھا زہر سے قاتل
مر جاتے جو کھاتے بھی ہوا اس کی عنادل   ہو پاتا دلِ کوہ بھی اُس کے نہ مقابل
اس تیر کو چھ ماہ کے معصوم نے روکا
شبیرؑ کے دل، بچّے کے حلقوم نے روکا
عباسؑ کے صدمے سے خم آیا تھا کمر میں   اکبرؑ کے بچھڑنے سے کمی آئی نظر میں
قاسمؑ کی جواں مرگی کا تھا زخم جگر میں   تھے داغ بھتیجوں کے دلِ خاک بسر میں
ظالم نے جو یہ پیکِ اجل جوڑ کے چھوڑا
قلبِ شہِ مظلوم کو بھی توڑ کے چھوڑا
اک دن میں بڑے صدمۂ جاں کاہ سہے تھے   ہر پیارے کی رخصت کا سماں دیکھ چکے تھے
ہر لاش اٹھا لینے کے لیے آپ گئے تھے   ہر آنکھوں کی سوگند کہ آنسو نہ بہے تھے
خاموشیِ اصغرؑ نے وہ روداد سنائی
اس طرح سے دل ٹوٹا کہ آواز نہ آئی

اصغرؑ نے بڑے چاؤ سے دیکھا رخِ شبیرؑ   ہو دادطلب جیسے شجاعت کا وہ بے شیر
تھی خون میں ڈوبی ہوی وہ چاند سی تصویر   ہونٹوں پہ تبسم کی چمکتی ہوئی تحریر
وہ شوقِ شہادت کہ شہادت کو بھی پیار آئے
پیروں سے نہ چل سکتے تھے گودی میں سوار آئے

شبیرؑ وہیں بیٹھ گئے تھام کے پہلو   ہر چند کیا ضبط مگر امڈے تھے آنسو
سلجھانے لگے بیٹے کے الجھے ہوئے گیسو   سونگھا کیے پیراہنِ خوں بار کی خوشبو
یاں ابنِ محمدؐ پہ قیامت کی گھڑی تھی
دروازے پہ ماں ہاتھوں کو پھیلائے کھڑی تھی

کیا ظلم ہے اس بحرِ سخاوت کا شناور   قاتل کو بھی جو دیتا تھا چھلکا ہوا ساغر
اک بوند کا طالب ہو برائے علی اصغرؑ   اور تیر کے ہونٹوں سے جواب آئے پلٹ کر
لوٹانے کے وعدے سے انھیں لائے تھے گھر سے
نظریں نہ ملا سکتے تھے اب ماں کی نظر سے

اک گام بھی شہ نے سوئے خیمہ نہ بڑھایا   ایسے تھے حیادار کہ پھر منہ نہ دکھایا
میت پہ وہیں دامنِ خوں گشتہ اڑھایا   پانی تھا چھڑکنے کے لیے منہ پہ نہ سایا
منہ رکھے ہوئے منہ پہ کھڑے روتے تھے شبیرؑ
اصغرؑ کا لہو اشکوں سے یوں دھوتے تھے شبیرؑ

معلوم تھا اسوارِ اجل کی تگ و دَو میں   لاشوں کی بھی حرمت نہیں کرنے کی یہ قومیں
یہ لاش بھی پامال نہ ہو ظلم کی رَو میں   گہنائے تو فرق آئے گا اِس چاند کی ضو میں
یہ سوچ کے شبیرؑ نے خود قبر بنائی
اور صورتِ گل خاک کے پردے میں چھپائی

فرمایا کہ اے روٹھ کے جاتے ہوئے راہی   ہے تیری شہادت مری حجّت کی گواہی
غیرت نے تری بوند بھی پانی کی نہ چاہی   تو ہار کے جیتا مرے ننھے سے سپاہی
جو قلب ہے صدچاک، وہ گہوارہ ہے تیرا
جو چشم ہے نم، ساغرِ صد پارہ ہے تیرا

اب ماں کی ہے آغوش یہی گوشۂ تربت   یہ سچ ہے کہ تنہائی میں بڑھ جاتی ہے وحشت
یاد آتی ہے ہر جانے والے کی محبت   راس آئے مرے چاند تجھے قبر کی ظلمت
مادر کے لیے جان کو ہلکان نہ کرنا
تم فاطمہؑ کو رو کے پریشان نہ کرنا
نادم ہوں کفن بھی تمھیں میں دینے نہ پایا   آغوش سے ماں بہنوں کی بے وجہ چھڑایا
مرتے ہوئے دو بوند بھی پانی نہ پلایا   اس دھوپ میں مرقد کو میسر نہیں سایا
نانا سے گلہ میرا نہ تم کیجیو اصغرؑ
پوچھیں جو علیؑ ہونٹوں کو سی لیجیو اصغرؑ
ماں تک جو شہادت کی خبر جائے گی بیٹا   اس پر تو قیامت ہی گزر جائے گی بیٹا
بن تیرے وہ کس طرح سے گھر جائے گی بیٹا   ڈرتا ہوں کہ اس غم سے وہ مر جائے گی بیٹا
اک پل تری تصویر نہ آنکھوں سے ہٹے گی
ماں ٹھیرے ہوئے جھولے کے اطراف پھرے گی
ماں سے کوئی کہہ دے کہ نہ اب آئیں گے اصغرؑ   اب دودھ کی ضد کر کے نہ تڑپائیں گے اصغرؑ
کپڑے بھی نہ اب ماں سے بدلوائیں گے اصغرؑ   آرام سے اب قبر میں سو جائیں گے اصغرؑ
روتی رہو تا عمر یہ گوہر نہ ملے گا
صغرا سے تو مل لو گی پر اصغرؑ نہ ملے گا
اصغرؑ کی شہادت ہے شہِ دیں کی شہادت   یہ فوجِ ستم کے لیے تھی آخری حجت
کیا اُن سے لڑیں جن میں سماعت نہ بصارت   جو کھودیں گے چھ ماہ کے بچے کی بھی تربت
پانی کے لیے بیٹے سے شرمندہ ہیں شبیرؑ
وہ مر گیا، مرنے پہ کمربستہ ہیں شبیرؑ
شبیرؑ کا یہ چاند نہ ظلمت میں چھپے گا   یہ حق ہے دبانے سے کبھی دب نہ سکے گا
شبیرؑ کے پیغام کو یوں عام کرے گا   کٹ کر بھی سرِ نیزہ سرافراز رہے گا
باطل کو ہر اک گام پہ جھٹلائیں گے اصغرؑ
حق جب بھی پکارے گا تو کام آئیں گے اصغرؑ

مرثیہ

علمدارِ امن

اے ساقیٔ حیات و مسیحائے کائنات

(درحال ابو الفضل العباسؑ ابن علیؑ)

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی جلالت مآب شخصیت، خود سیدالشہداؑ کے بعد معرکۂ کربلا کی سب سے دل آویز و کشش انگیز شخصیت ہے۔ وہ شجاعت جس پر شیرِ خدا کو ناز تھا، کربلا میں بچوں کی سقائی کی نذر ہو گئی۔ علمِ عباسؑ سے مشک آج بھی برصغیر کے تعزیہ خانوں میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس طرح یہ علم جہاد سکینہ کی پیاس کی علامت بن گیا ہے۔ پیاس اور سقائی کے ساتھ عباسؑ کا ایک نام وفا بھی ہے۔

حضرت ابوالفضلؑ کی ولادت کے بارے میں روایت ہے کہ امیرالمومنینؑ نے اپنے بھائی عقیلؑ ابن ابی طالب سے، جو نسّاب تھے، یہ خواہش کی کہ ایسی عورت کا نام و نشان بتائیں جس کے خاندان میں شجاعت کی روایت مستحکم ہو تاکہ اس سے ایسا بیٹا پیدا ہو جو کربلا میں مولا مشکل کشا کی نیابت کر سکے۔ اسی کے بعد حضرت ام البنین سے آپ نے عقد فرمایا اور حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی۔ بچپن سے اس بھائی کو برادرِ بزرگ حسینؑ سے بے مثال عقیدت رہی علم کے ساتھ شجاعت باپ سے ورثے میں پائی ہی تھی، وہ وفا بھی جو ہر وقت رسالت مآبؐ کا سایہ بنی رہی عباسؑ کو شیرِ خدا ہی سے ورثے میں ملی تھی۔ کربلا میں روزِ عاشور علمداری کا منصب پایا تو پیاسی بھتیجی نے انعام میں پانی لانے کی خواہش کی۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت ابوالفضلؑ کا آغازِ شباب تھا جب معرکۂ صفین میں چہرے پر نقاب ڈال کر مبارز طلبی کرنے آئے تھے۔ اندازِ حرب دیکھ کر دونوں طرف کی فوجیں پکار اٹھیں "یہ اور کوئی نہیں، خود علیؑ ہیں" تو شیرِ خدا نے بڑھ کر اپنے بہادر بیٹے کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور فرمایا "ھذا قمر بنی ھاشم" حق تو یہ ہے کہ کربلا میں شیرِ خدا کے اس جانشین کو جنگ کی اجازت ہی نہ ملی۔ پانی لانے گئے تو ظلم نے بزدلی کے حربوں سے آپ کے دونوں ہاتھ قطع کر دیے اور مشک کو تیر باراں کر کے عباسؑ کے حوصلوں کا خون بہا دیا۔

اسی مناسبت سے اس مرثیے میں عباسؑ کے علم کو 'امن کا نشان' کہا گیا ہے۔

یہ علم آج بھی ہزاروں لاکھوں عاشقانِ ابوالفضل العباسؑ کے ہاتھوں ہر سال بلند ہو کر جنگ کے خوف سے سہمی ہوئی دنیا کو امن کا راستہ دکھاتا اور وفا کا پیغام دیتا ہے۔ یہ علم مظلوموں کا سہارا ہے۔ مستضعفین کی امید اور بچوں کی معصوم خواہشوں کا نگہدار۔

اے ساقیٔ حیات و مسیحائے کائنات   اے ماورائے کون و مکاں روحِ شش جہات
اے خالقِ صفات و منزّہ عن الصّفات   اے وہ کہ خود وجود بھی ہے جس کا عینِ ذات
ہر رمزِ معرفت کی ہے اِک سعیٔ ناتمام
حدِّ ثناء و حمد سے برتر ترا مقام!

امکاں کو تیرے فیض سے حاصل ہوا وجود   لاانتہا زمان و مکاں کو ملے حدود
تیری رضا سے شر ہے زیاں، اور خیر سود   تجھ سے ہی اختیار بنے جبر کے قیود
جب سارے ممکنات کا تو کردگار ہے
ہے وہم جبر اور گماں اختیار ہے

تیری نظر ہے شکل گرِ ظلمتِ عدم   تیرا ارادہ کُن فیکون، کا ہے زیر و بم
ہے سازِ ارتقاء کی یہ آواز دم بدم   تخلیق ازل ابد ترے اک کُن میں ہیں بہم
تیرے کرم کا چشمۂ جاری حیات ہے
انوارِ حق کی آئینہ داری حیات ہے

یہ کائنات پردہ بھی ہے، پردہ در بھی ہے   نغمہ بھی، سازِ نغمہ بھی ہے، نغمہ گر بھی ہے
نظارہ بھی ہے، دید بھی ہے اور نظر بھی ہے   یہ خود ہی مبتدا بھی ہے خود ہی خبر بھی ہے
کثرت ہے خود نگاہ کی وحدت کا آئینہ
سارے مظاہر ایک حقیقت کا آئینہ

چشمِ جہاں نگر میں ہے تصویرِ کائنات   انسان ہے خلاصۂ تفسیر کائنات
مظہر خدا کی ذات کا توقیرِ کائنات   کرتا ہے مُشتِ خاک سے تعمیرِ کائنات
جامع یہ مرتبہ ہے کمالاتِ خیر کا
انسان ہی رسول ہے آیاتِ خیر کا

انساں کو کائنات میں یہ افتخار ہے
ہر ایک چیز تابعِ آئینِ کار ہے!
سارے جہاں میں اِک یہی با اختیار ہے
امکان کے حدود میں پروردگار ہے
مسجود ہے ملائکۂ ذی وقار کا
آیا زمیں پہ بن کے وصی کردگار کا
انساں کے ہاتھ ہی میں خدائی کی ہے زمام
ہیں خاک و باد و آتش و آب و فلک غلام
کون و مکاں کی قبضۂ انساں میں ہے لگام
پابندِ فکر گردشِ دوراں کا ہے نظام
چاہے تو قطرے قطرے سے بجلی نچوڑ لے
جس سمت چاہے وقت کی رفتار موڑ لے
انساں ہی نے بعدِ خدا کی ہے داوری
تخلیق سنگ سے کئے اصنامِ آذری
تسخیر کی فضاؤں کی با وسعتِ بے پری
موجِ ہوا سے لیتا ہے کارِ پیمبری
جرات معاف! دہر تھا اک نقشِ ناتمام
انساں کے ہاتھ سے ہوا کارِ خدا تمام
اس پر عیاں ہے رازِ تر و خشک و بحر و بر
تحت الثریٰ سے عرش تک اس کی ہے رہگذر
تخلیق کے رموز کرے منکشف اگر
قیدی کی طرح آتی ہیں صدیاں جھکائے سر
تقدیر و اختیار اسی کے عمل سے ہے
لوح و قلم پہ اس کا تصرّف ازل سے ہے
تخلیق و ارتقاء کی ضمانت ہے آدمی
فطرت پہ زندگی کی فضیلت ہے آدمی
ظلمت میں روشنی کی رسالت ہے آدمی
سب نعمتوں میں آخری نعمت ہے آدمی
انساں نہ ہو تو بزمِ جہاں بے چراغ ہے
میکش نہ ہو تو ہیچ چھلکتا ایاغ ہے
اِس عالمِ فساد میں رحمت ہے آدمی
باطل شکن، زبانِ صداقت ہے آدمی
خود زندگی کے واسطے عزت ہے آدمی
سب نعمتوں میں آخری نعمت ہے آدمی
خاک آدمی کی عرشِ معظم رسیدہ ہے
ہے وہ خدا رسیدہ جو آدم رسیدہ ہے

خم خانۂ ازل کا یہ بادہ پرست ہے   خود آگہی کے نشے میں سرشار و مست ہے
نورِ چراغِ انجمنِ بود و ہست ہے   پستی سے اس کی رفعتِ افلاک پست ہے
جبریل ایک صید ہے اس کی نگاہ میں
سدرہ ہے ایک نقشِ قدم اس کی راہ میں
انسان ہی کی ذات طلسماتِ خشک و تر   فطرت میں اس کی دست و گریباں ہیں خیر و شر
عرفانِ نفس ہو تو انا الحق کہے بشر   یزداں کا بھی حریف بنے ٹھان لے اگر
اضداد کی ہے جنگ اگر کائنات میں
انساں ہی کائنات ہے خود اپنی ذات میں
انساں خدا شناس بھی، شیطاں گزیدہ بھی   آبِ حیات نوش بھی ہے، سم چشیدہ بھی
بینائیٔ حیات بھی ہے، کور دیدہ بھی   خالق نئے جہانوں کا بھی، آفریدہ بھی
تقویمِ کائنات کا یہ منتہا بھی ہے
تخریبِ کائنات کا یہ دیوتا بھی ہے
خیر اور شر ازل سے ہیں باہم ستیزہ کار   انسان ہی کی ذات سے ہے خیر کا وقار
انسان ہی ہے شر جو ہو ظلمات کا شکار   شر فتح یاب ہو تو خود انسانیت ہو خوار
آغاز و وسط و خاتمۂ شر ہے جنگ پر
خیر امن کا رسول ہے، بیتِ اماں کا در
شر کل بھی تھا فرات کے مانند جوئے خوں   شر آج بھی ہے جنگ و ہلاکت کا اک جنوں
شر آج بھی ہے موت کا پھونکا ہوا فسوں   سامانِ شر ہمیشہ سے بھی آج ہیں فزوں
بڑھتی ہے موت زیست کا رُخ ڈھانپتی ہوئی
انسانیت کھڑی ہے زبوں کانپتی ہوئی!
اِس دور میں دعائے لبِ تشنگی ہے امن   اکسیر و چارہ سازِ غمِ خستگی ہے امن
ناسودہ کائنات کی آسودگی ہے امن   قندیلِ نور، ماہِ شبِ تیرگی ہے امن
امیدِ امن کہتی ہے انساں مرا نہیں
شر فتح یاب خیر پہ اب تک ہوا نہیں

اہرام، تاج، اجنتا کی پائندگی ہے امن   تصویر و رقص و نغمہ کی آشفتگی ہے امن
گھونگھٹ میں مسکراتی ہوئی نغمگی ہے امن   بچوں کے لب پہ ہنستی ہوئی غنچگی ہے امن
زیست اک حسین خواب اگر ہے تو امن سے
انساں شرف مآب اگر ہے تو امن سے

توریت، وید، اوستا کا انعام ہے یہی   گیتا، زبور، ژند کا الہام ہے یہی
گوتم، کرشن، رام کا پیغام ہے یہی   عیسیٰؑ کی ہے دعا یہی، اسلام ہے یہی
کعبہ بھی ہے مدینہ بھی، خاکِ شفا بھی امن
ذبحِ عظیم و معرکۂ کربلا بھی امن

ساقی بنامِ امن مئے لالہ فام دے   میخوار منتظر ہیں انھیں اذنِ عام دے
ٹھہرے ہوئے ستاروں کو حکمِ خرام دے   ہم وزنِ مہر و ماہ جو ہو ایسا جام دے
فکرِ بلند عرشِ معظّم شکار ہو
اک قطرۂ خیالِ دو عالم شکار ہو

رخشِ نظر بصورتِ موجِ رواں چلے   کشتیٔ ابر کھولے ہوئے بادباں چلے
بوئے نسیم بن کے مسیحائے جاں چلے   گُل کا جلوس کارواں در کارواں چلے
ٹھہرے ہر اک روش پہ عماری بہار کی
اُترے خیامِ گل میں سواری بہار کی

چشمِ خرد نواز سے دے جامِ شعلہ رو   نرگس کی چشم سے بھی جو نازک ہو وہ سبو
مے ریز، عطر بیز، جنوں خیز، مُشک بُو   جس سے نمازِ عشق کی خاطر کریں وضو
ہر گھونٹ ہو عبادتِ قلبِ گداختہ
پیمانہ وہ کہ شیشۂ جاں کا ہو ساختہ

وہ مے پلا کہ مست بھی ہشیار ہو سکیں   سوئے ہوئے دماغ بھی بیدار ہو سکیں
واماندہ انقلاب کی رفتار ہو سکیں   بشکستہ ہاتھ برسرِ پیکار ہو سکیں
اہلِ جنوں کو دل کے پیامات مل سکیں
رندوں کو میکشی کے مقامات مل سکیں

اک جام دے بنامِ نگارانِ خوش ادا   اک جام دے بہ فیضِ جوانانِ حق نما
اک جام دے بہ پاسِ غمِ دہر آشنا   اک جام دے برنگِ شمیمِ خجستہ پا
جس میں ہو غنچے غنچے کی خوشبو بسی ہوئی
تحریرِ خندۂ دہنِ گل رچی ہوئی

اک جام دے بنامِ پیامانِ انبیاء   اِک جام دے بہ فیضِ امامانِ اتقیا
اک جام دے بہ پاسِ شہیدانِ کربلا   اک جام دے برنگِ خلوصِ لبِ دعا
جس میں کہ آہِ نیم شبی کا گداز ہو
جس میں کہ گریۂ سحری کا گداز ہو

وہ جام جیسے ہیرے کی ترشی ہوئی کنی   وہ جام جیسے چادرِ انوار ہو تنی
وہ جام جیسے چھٹکی ہوئی شب کی چاندنی   وہ جام جیسے پہلی کرن میں ہو روشنی
خوش رنگ، خوش نگاہ خوش اندام خوش خرام
خوش طبع خوش دماغ خوش آواز خوش کلام

اب تلخیِ خمارِ مصیبت اُتر بھی جائے   اب گیسوئے حیاتِ پریشاں سنور بھی جائے
اب شعلۂ بہارِ گریزاں ٹھہر بھی جائے   یہ لو فسردہ شمعوں کے دل میں اُتر بھی جائے
پژمردگیِ رُخ کی جگہ آب و تاب آئے
لطف و عطا و جود سے چھلکا سحاب آئے

اک جام اور ان کے لئے جو پلائیں زہر   جو کذب کے غلام ہیں جو حیلہ سازِ قہر
ہیں بندۂ نگاہِ زمانہ جو ابنِ دہر   دریائے زندگی میں ہیں جو خوں کی تند لہر
وہ جام دے کہ زہرِ جراحت بھی پی سکیں
غصّہ بھی، التہاب بھی، نفرت بھی پی سکیں

پیکِ اجل کو ساغرِ آبِ حیات دے   تیغِ جفا کو نرمیٔ نکہتِ صفات دے
پائے شکستگی کو مقامِ ثبات دے   بے مائیگی کی جھولی میں کُل کائنات دے
اختر شمارِ ہجر کی راتوں کو خواب دے
ہر جام میں گھُلا ہوا اک آفتاب دے

ساقی! کہیں نہ تیری سخاوت پہ حرف آئے   ایسا نہ ہو کہ چشمۂ رحمت پہ حرف آئے
رندانِ باصفا کی امانت پہ حرف آئے   فکر و نگاہ و فن کی دیانت پہ حرف آئے
تیرے ادب شناس یونہی باادب رہیں
ایسا نہ ہو کہ بادہ طلب تشنہ لب رہیں
مت پوچھ ہم پہ گذری ہیں کیسی مُصیبتیں   اس اک صدی نے دیکھی ہیں کیا کیا قیامتیں
دردر بھٹک رہی ہیں کھُلے سر نزاکتیں   پُرخار راہ، آبلہ پا ہیں لطافتیں!
پتوں کا رنگ زرد ہوا ہے ہراس سے
کانٹے زبانیں اپنی نکالے ہیں پیاس سے
سبزے پہ ہیں نشان لہو کے بنے ہوئے   شبنم کی بوند میں ہیں شرارے بھرے ہوئے
ہنستے ہیں پھول یا کہ ہیں چہرے سُتے ہوئے   کھلتی ہوئی کلی ہے کہ دل ٹوٹتے ہوئے
سینۂ زمیں کا شق ہے عذابوں کے بوجھ سے
دریا تڑپ رہے ہیں حبابوں کے بوجھ سے
جنگوں میں حریت کی فضیلت بھی بک گئی   اقوام کی ثقافت و دولت بھی بک گئی
انسانیت کی حرمت و عزت بھی بک گئی   ماؤں کا پیار، بہنوں کی عصمت بھی بک گئی
مشرق کی روح دولتِ بازار بن گئی
مغرب کی عقل جنسِ خریدار بن گئی
چاہو تو پاسِ شرم و مروّت خرید لو   کوڑی کے مول گوہرِ غربت خرید لو
ہمت جواں کی، بوڑھوں کی غیرت خرید لو   دل کا غرور، ذہنوں کی جدّت خرید لو
جو یہ نہ بیچے خون بھی اس کا مباح ہے
ایسوں کو قتل کرنے میں سب کی فلاح ہے
رُسوا ہے گر کوئی تو دلِ درد مند ہے   ہے پست سے بھی پست تو فکرِ بلند ہے
خوابیدہ ہے ضمیر تو عزت دوچند ہے   تیشہ ہے جو دماغ، وہی ارجمند ہے
آزادیِ نگاہ پیامِ قضا کا نام
ہے نارسائی بخت کی طبعِ رسا کا نام

میزانِ نفع و سود میں دل ہے تلا ہوا　　آنکھوں پہ مہر، ہونٹوں پہ تالا پڑا ہوا
آئینۂ نگاہ حسد سے اٹا ہوا　　تعریفِ مصلحت کا ہے چہرہ چھپا ہوا
سب دیکھتی ہے آنکھ مگر بولتی نہیں
الفاظ کی گرہ بھی زباں کھولتی نہیں

سرمائے کو یہ فکر کہ دنیا غلام ہو　　انساں کا دل گرفتِ مشیں میں مدام ہو
احساس اور جذبے کا کم احترام ہو　　تہذیبِ رنگ رنگ کا برہم نظام ہو
ہر صبح اک عذاب کی ایجاد ہوتی ہے
ہر شام ایک خون شدہ یاد ہوتی ہے

بارود کے غبار کا چھایا ہوا دھواں　　سینہ سمندروں کا ہوا ہے شرر بہ جاں
جوہر کا قلب پھٹ کے ہوا قہرِ دو جہاں　　ملکِ خدا ہے گم شدۂ گردِ کارواں
ایک ایک ذرّہ خنجرِ خوں ریز کا جواب
ایک ایک کل سکندر و چنگیز کا جواب

ارمانوں کی چتا سے ہمیشہ دھواں اٹھے　　بارِ الم سے آہ نہ اونچی یہاں اٹھے
لب پر جو حرف آئے بہ طرزِ فغاں اٹھے　　امیدیں سوچتی ہیں کہ سر بھی نہ یاں اٹھے
شبنم نہیں ٹھہرتی ہے یادوں کے پھول پر
ہر لمحہ اک عذاب ہے غم کے رسول پر

امیدیں قتل ہو گئیں اور خواب لٹ گئے　　روشن تھیں جن سے راتیں وہ مہتاب لٹ گئے
آنکھوں میں جمع گوہرِ نایاب لٹ گئے　　دشمن غریب ہو گئے احباب لٹ گئے
جو حال پوچھ لے اسے انسان جانیے
کوئی کرید دے زخم تو احسان جانیے

انسانیت کشی میں خود انساں کا ہے قصور　　سب پر ہے وہ مصائب و آلام کا وفور
طنزِ غیر بھی نہیں کرتے ہیں ناصبور　　مردم گزیدہ ہو گئے اپنوں سے بھی نفور
فریادِ جسم گوہرِ جاں ڈھونڈتی ہوئی
اٹھتی ہے ہر نگاہ اماں ڈھونڈتی ہوئی

اِس الاماں کے شور میں اے ساقیِ حیات   مل جائے ہم کو در سے ترے ساغرِ نبات
اُن کے طفیل جن کے لئے بند تھی فرات   کام و دہن ہیں تلخ ہو اب چشمِ التفات
مال و متاع و زر نہ حکومت کی ہے ہوس
بس ایک ساغرِ مئے اُلفت کی ہے ہوس

بس ایک ایسا جام شرابِ کہن ملے   تلخی کو جس کے فیض سے شیریں دہن ملے
محرومیوں کو جس سے دلِ کوہ کن ملے   اُمید کی چھپی ہوئی جس میں کرن ملے
وہ مے کہ جس کا نشّہ صداقت شعار ہو
وہ مے سرور جس کا خرد آشکار ہو

وہ مے جو ہر زبانِ حقیقت نما نے پی   جو مصلحانِ وقت نے پی، اولیا نے پی
جو دانش و خرد کے دلوں کی ضیا نے پی   پلوا کے انبیا کو جو خود مصطفٰے نے پی
وہ مے پلا بنامِ شہیدانِ کربلا !
ہو ایک ایک لفظ میں فیضانِ کربلا !

ہر بیت اترے ذہن پہ اس دھوم دھام کی   رفتار مانگے جس سے روانی حسام کی
پسپا ہوں جس کی گرد سے افواجِ شام کی   ہر لفظ ہووے نذر شہیدوں کے نام کی
ایسا نہ ہو سخن کی دیانت میں فرق آئے
الفاظ کے مزاج و طبیعت میں فرق آئے

ہاں اب سمندِ فکر و خیالِ رواں بڑھے   ہو کر محیطِ ارض سوئے آسماں بڑھے
لے کر جلو میں گردِ رہِ کہکشاں بڑھے   مریخ و مشتری کو بھی کر کے دھواں بڑھے
رفتارِ نور ساتھ جو دے سانس ٹوٹ جائے
خورشید بن کے نقشِ قدم پیچھے چھوٹ جائے

دنیا جو آج جنگ کے ڈر سے ہے بے اماں   اس کو دکھائیں قبلہ گہہِ امنِ دو جہاں
آلاتِ حرب کو جو سمجھتے ہیں حرزِ جاں   ان کو دکھائیں لشکرِ بے تیغ کا نشاں
وہ پرچمِ بلند جو گردوں شکار ہے
با مشکِ خشک دجلہ و جیحوں شکار ہے

یہ وہ عَلَم جو روزِ ازل سے ہے ضَو فگن   پرتو سے اس کے ثابت و سیّار سیم تن
مہتاب ساز، نجم نواز اس کا بانکپن   مصدر رِدُوں کے نور کی اس کی کرن کرن
یہ وہ عروس اور جو چمکے زوال میں
خورشید ہیں پروئے ہوئے بال بال میں

یہ وہ عَلم لیے جسے رقاصۂ زمیں   گردوں کے آفتابوں کو بھی مانتی نہیں
بزمِ نظامِ شمس میں ہیں اور بھی حسیں   ٹیکہ لگائے ایسا نہیں کوئی مہ جبیں
یہ امن کا سہاگ ہے، انساں کی آبرو
پیغمبروں کی شان ہے یزداں کی آبرو

یہ وہ عَلم کہ طوبیٰ بھی ہے جس کا خوشہ چیں   سائے سے جس کے رشکِ ثریّا ہوئی زمیں
یہ خاتمِ دوائرِ افلاک کا نگیں   یہ جس طرف ہو حق ہے اسی سمت بالیقیں
حق اس کے ساتھ ہے یہ رسالت سے پوچھ لو
عمّارِ باصفا کی شہادت سے پوچھ لو

یہ وہ علم جو بدر و اُحد، خندق و حُنین   ہر معرکہ میں اہلِ نظر کا تھا نورِ عین
جب دے چکے علی کو اسے شاہِ مشرقین   خیبر میں بن گیا یہی بے چین دل کا چین
یہ خوب جانتا ہے علمدار کون ہے
حیدر ہے کون صفدر و جرّار کون ہے

یہ وہ علم جو بن کے عدو کی اجل گیا   جب بھی اٹھا، نہالِ صداقت سنبھل گیا
گرمی سے اس کے وار کی پتھر پگھل گیا   سمٹی زمین، شہپرِ جبریل جل گیا
کیسی زمین عرش بھی زیرِ قدم رہا
فتحِ مبیں اُدھر تھی جدھر یہ علم رہا

یہ وہ علم جو پرچمِ سلطانِ بے سپاہ   پنجے میں اس کے جذبِ رسالت کی ہے نگاہ
سائے میں اس کے خیمۂ عصمت کو ہے پناہ   روشن ہے اس کی ضو سے امامت کی بارگاہ
اس کا حشم نہ ہو تو صداقت ہے بے نشاں
اس کے بغیر کارِ نبوّت ہے بے نشاں

ہے یہ علم ہی زینتِ عباسِ نامور   یہ حیدرؑ اور وارثِ حیدرؑ سے باخبر
اس کا پھریرا واقفِ ہر راز خشک و تر   اس کا فراز سجدہ گہہِ عظمتِ بشر
اس نے سدا اٹھائی یزیدوں کی آبرو
یہ ہے ازل ابد کے شہیدوں کی آبرو

یہ اک علم ہی شافعِ روزِ جزا بھی ہے   ظلِّ الٰہ بھی ہے، حقیقت نما بھی ہے
یہ ذوالفقارِ پنجۂ شیرِ خدا بھی ہے   یہ زینبؑ و سکینہ کے دل کی دُعا بھی ہے
آوازِ حق کی طرح ہمیشہ بلند ہے
سدرہ بھی جس کی زد میں ہے یہ وہ کمند ہے

یہ اک علم ہی آئینہ ہے حق کی ذات کا   مقتل میں اعتبار ہے پائے ثبات کا
ظلمات میں منارہ ہے نورِ حیات کا   طوفان میں سفینہ ہے اہلِ نجات کا
جو اس سے منسلک ہے، وہ ہے مصطفٰےؐ کے ساتھ
ہے اس علم کا سلسلہ ربِّ عُلا کے ساتھ

یہ وہ علم ہے لپٹا ہوا جس سے انقلاب   کمزوروں کا ہے زور، ضعیفوں کا ہے شباب
مظلوموں کا سہارا، شہیدوں کے خوں کی آب   بچوں کے پیاس، عورتوں کے اشک کا جواب
بیواؤں کا معین، یتیموں کا حق شناس
بیماروں کا علاج، شکستہ دلوں کی آس

ظاہر ہے اس علم سے علمدار کا وقار   ہو گا وہ کیسا منتخبِ چشمِ روزگار
سردار و سربلند شجاعوں کا افتخار   دل کی وسیع حوصلگی کا خزینہ دار
کیسا امیں ہے وہ یہ امانت جسے ملے
وہ مظہرِ خدا ہے یہ رایت جسے ملے

اصحاب ہیں حسینؑ کے سب انتخاب تھے   بوڑھے پیمبرانِ سلف کا جواب تھے
بچّے کلیمِ نطق، مسیحا خطاب تھے   اور نوجواں دعائے رسالت مآب تھے
ہر ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
صاحب دل و نظر و روشن دماغ تھا

لیکن امینِ پرچمِ حق تھا وفا کا پھول   ختمِ رُسل کی شاخِ نہالِ دعا کا پھول
ایماں کی تیغ گلشنِ شیرِ خدا کا پھول   طوفانِ برق و آتشِ دشتِ وغا کا پھول
حاملِ علم کا منتخبِ انتخاب تھا
حاصل یہ ہے کہ وہ پسرِ بوتُرابؑ تھا

اس کی نگاہ زلزلۂ قصرِ قیصری   اس کا جلال بُرّشِ شمشیرِ حیدری
تلوار اس کی تیشۂ سدِّ سکندری   آواز اس کی نغمۂ سازِ سخنوری
جعفرؑ کا طنطنہ تھا، علیؑ کا وقار تھا
سرمایۂ حسینؑ کا سرمایہ دار تھا

آدم سے تا خلیلؑ و ذبیحؑ و مسیحِؑ دار   ہر اک نبی تھا ایسے جری کا امیدوار
مخصوص کر چکا تھا مگر فیضِ کردگار   فوجِ حسینؑ ہی کے لئے یہ وفا شعار
پروردۂ کشادگیِ سینۂ علیؑ
قرآنِ عشق و صدق کی ایک آیتِ جلی

وابستہ ایک ان سے بھی کس کس کی التجا   تھے بازوئے بُریدۂ جعفرؑ کا خوں بہا
تھے فاطمہؑ کے حرفِ تمنا کا مُدّعا   بے مائیگیٔ حضرتِ کلثومؑ کا صِلا
عقدہ کشا علیؑ کے بھی عقدہ کشا ہوئے
ان کی طرف سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے

دریوزہ گر انہی کی تھی ہر صبح کی ضیا   مہتابِ خانوادۂ ہاشم طلوع تھا
حمزہؑ کے پارہ پارہ عزائم کا حوصلہ   ان کا وجود معجزۂ شانِ لافتا
تعبیرِ خوابِ چشمِ شجاعت مآب تھے
خیبر بھی آبِ تیغ کے آگے حباب تھے

پیماں تھا عمر بھر کا جو سرو و سمن کے ساتھ   ہر گل بدن کے ساتھ تھے ہر خوش دہن کے ساتھ
تھی شرطِ جوئے شیر بھی اس تیشہ زن کے ساتھ   عہدِ وفا نبھاتے رہے یوں چمن کے ساتھ
بن کے شعاع جزو رہے آفتاب کے
جیسے علیؑ ہوں ساتھ رسالت مآبؐ کے

شبیرؑ کو خیال کہ یہ فخرِ روزگار   کیوں ہو اجل رسیدۂ تیغِ دغا شعار
فرمایا، لے کے قافلۂ عترتِ بہار   جا کر بساؤ پھولوں سے یثرب کا تم دیار
جاتے کہاں حسین کو غربت میں چھوڑ کر
بو، کیوں اڑے حصارِ گل و لالہ توڑ کر

اک دم جدا ہوئی نہ کرن ماہتاب سے   مضموں علاحدہ نہیں ہوتا کتاب سے
قیمت نظر کو ملتی ہے آنکھوں کی آب سے   نورِ علیؑ ہے نورِ رسالت مآبؐ سے
عباسؑ ایسے جذب تھے نورِ امام میں
تھی ذوالفقار صبر کی محکم نیام میں

مجبور تھے جو حکمِ امامِ انام سے   دم گھٹ رہا تھا سلسلۂ صبح و شام سے
پھیرے ہوئے تھے منہ کو کچھ ایسے حسام سے   جس طرح ہو خفا کوئی سرکش غلام سے
حرفِ عطش میں اور یہ تشنہ لبی رہی
شمشیر آزمائی کی حسرت دبی رہی

ایسے شجاع تھے کہ اٹھتے جو آستیں   ہل جاتا آسمان، الٹ جاتی تھی زمیں
چینِ جبیں سے دبتی تھی خورشید کی جبیں   شعلہ فگن نظر سے فضا ہوتی آتشیں
جب ڈالتے تھے غربتِ شبیرؑ پر نگاہ
کس بے بسی سے پڑتی تھی شمشیر پر نگاہ

تلوار تھی کہ ابر میں بجلی مچلتی تھی،   وہ دھار تھی نگاہ بھی جس پر پھسلتی تھی
رگ رگ میں جوئے غیض اچھلتی ابلتی تھی   آواز ایک اک بنِ مو سے نکلتی تھی
مولا کہیں تو سیل کا رخ موڑ دیں ابھی
تیغِ جفا، غرورِ ستم توڑ دیں ابھی

ایسا شجاع اور نہ اذنِ جہاد پائے   مہلت نہ چلنے پھرنے کی طوفانِ باد پائے
کیا صبر ہے کہ تیغ تو گربہ نہاد پائے   رخصت دفاع کی بھی نہ ضیغم نژاد پائے
سینے پہ حکمِ ضبط کا پربت دھرا ہوا
جوالامکھی کی طرح سے تھا دل بھرا ہوا

چھیڑا جو زخمِ ضبط زہیر ابنِ قین نے   دیکھا پلٹ کے قوّتِ دستِ حسینؑ نے
باندھے تھے ہاتھ حکمِ شہِ مشرقین نے   سر کو اٹھا کے مرتضیٰؑ کے نورِ عین نے
انگڑائی ایسی لی کہ زرہ ٹوٹنے لگی
زنجیر کی گرہ سے گرہ ٹوٹنے لگی

فرمایا" اے زہیر! اجازت جو دیں امام   تم دیکھ لینا ضربتِ عباسِ تشنہ کام
نظروں میں ہے حباب سے کم تر سپاہِ شام   اُلٹے نہ گر زمین تو بےکار ہے حسام
دیکھا ہے تم نے وار علیؑ سے امام کا
اب معرکہ بھی دیکھنا اُن کے غلام کا،،

عاشور کی سحر نے گریباں کیا جو چاک   تھا دیدنی جہاد سے اصحاب کا تپاک
سورج نے منہ چھپا لیا بیٹھی وہ دل پہ دھاک   تیرہ تھی صبح فوجوں نے اتنی اُڑائی خاک
رن کی زمیں خزینۂ صاحب دلاں ہوئی
خونِ وفا سے خاک فلک آستاں ہوئی

خورشید آیا دید کو نصف النہار پر   یورش کی وہ سمومِ ستم نے بہار پر
ہر لمحہ بار تھا شہِ گردوں وقار پر   زخم اتنے کھائے ایک دلِ بے غبار پر
سینہ تھا ایک گنجِ شہیداں بنا ہوا
بے خطرۂ خزاں یہ چمن تھا کِھلا ہوا

کر کے وداع سب کو سپردِ خدا کیا   لیکن نہ ایک شکر کا سجدہ قضا کیا
حق زندگی کا مر کے بہر گام ادا کیا   ہر نقشِ پا کو خضرِ حقیقت نما کیا
پر ایک بات کرنے کو دل مانتا نہ تھا
عباسؑ جائیں مرنے کو، دل مانتا نہ تھا

جب چاہتے وہ رخصتِ میدانِ کارزار   اُن سے لپٹ کے کہتے تھے شبیرؑ نامدار
میری سپاہِ کشتہ کے ہو تم ہی یادگار   تم ہو تو زندہ ہیں مرے سارے وفا شعار
اہلِ حرم کا حفظ و اماں ہے علم کے ساتھ
یہ جان تو حسینؑ کی جاں ہے علم کے ساتھ

کہتے تھے دل کو تھام کے عباسِؑ صف شکن   ہیں سر بریدہ غنچہ دہن اور گلبدن
اب کیا رہا، اجڑ گیا پھولا پھلا چمن   رہ رہ کے میری تیغ کو للکارتا ہے رن
حق کے نہ کام آئے تو ہے بارِ زندگی
اس کربلا کے بعد ہے بیکار زندگی

محرومیوں کے اور نہ اسباب ہوں بہم   جب فوج ہی نہ ہو تو علمدار بے حشم
اب کیا سہوں میں آپ کی فرقت کا بھی الم،   زندہ رہا تو جینے کا ہوگا وقار کم
اب جان وبالِ جسم ہے، سر بارِ دوش ہے
دل میرا پھٹ رہا ہے، لہو کا وہ جوش ہے

مجبور ہو گئے تو یہ شبیرؑ نے کہا   ہم جانتے نہ تھے کہ ہیں آپ اس قدر خفا
چھوڑیں گے آپ بھی ہمیں تنہا پتہ نہ تھا   جو آپ کی خوشی ہے، ہماری وہی رضا
جو کچھ بھی ہے، وہ آج ہے کھونے کے واسطے
شاید ملے نہ وقت بھی رونے کے واسطے

اک بار سب سے جاتے ہوئے مل تو لیجے   کوشش تو کچھ سکینہ کے جینے کی کیجے
پانی پلا کے جامِ شہادت کا پیجے   زینبؑ کو اپنی موت کا پرسا ہی دیجے
عباسؑ خوش کہ تیغ کے جوہر دکھائیں گے
اطفال کو امید، چچا پانی لائیں گے

خیمے میں جا کے لب پہ جو رخصت کا حرف لائے   زینبؑ یہ بولیں، آئے تو ہونے وداع آئے
جو بھی گئے ہیں رن کو وہ سب ہو گئے پرائے   تم واپس آؤ خیر سے، حق وہ گھڑی دکھائے
بھیا تمہارے دم سے ہے دم میرے بھائی کا
قائم تمہی سے پہ وہ ہے زہراؑ کی جائی کا

بھیا! اس آرزو میں رہیں دخترِ نبیؐ   وہ دیکھتیں ولادتِ عباسؑ کی خوشی
فضلِ خدا سے ان کو اگر ملتی زندگی   بیٹا تمہیں بناتیں وہی پالتیں وہی
شبیرؑ تو ہیں سرورِ کونین کے پسر
تم ہو علیؑ و فاطمہؑ کے پارۂ جگر

ماں کی جگہ کنیز نے صدمہ اُٹھایا ہے   زینبؑ نے اپنی گود میں تم کو کھلایا ہے
تم روئے ہو تو ہم نے دل اپنا دکھایا ہے   آنکھوں میں رات کاٹ کے جھولا جھلایا ہے
اکبر کے ناز اٹھائے ہیں اٹھارہ سال اگر
بتیس۳۲ سال کاٹے ہیں تم کو بھی دیکھ کر
تنہا ہے آج لختِ دلِ فخرِ دو جہاں   جاتے ہو تم حسینؑ کو چھوڑے ہوئے کہاں
تم سے گلہ نہیں کہ ہے قسمت ہی سرگراں   کچھ فکر کرتے بچّوں کی، پیاسے ہیں نیم جاں
دیکھو سکینہ پیاس کے صدمے سے مرتی ہے
گذرے کئی پہر کہ تمہیں یاد کرتی ہے
سر کو اٹھا کے دیکھا بھتیجی کی سمت جب   آئی نظر وہ شدتِ گریہ سے جاں بلب
ناراض تھی چچا سے جو بنتِ شہِ عرب   آ کے قریب کہتی نہ تھی گریہ کا سبب
ننھی سی جاں تھی ضبط جو شکوہ کئے ہوئے
چپکے کھڑی تھی ہاتھ میں کوزہ لئے ہوئے
اس کو اٹھا کے گود میں عباسؑ تشنہ کام   بولے، تمھارے ہجر میں مرتا ہے یہ غلام
کچھ بات تو چچا سے کرو میری خوش کلام   مشکیزہ لاؤ، پانی کا کرتے ہیں اہتمام
پانی کا نام سُنتے ہی محشر بپا ہوا
ہر طفل خالی جام لئے آ کھڑا ہوا
شورِ "العطش" کا ایسا اُٹھا کانپا آسماں   اہلِ حرم کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
اصغرؑ نے آنکھ کھول دی جھولے میں ناگہاں   ننھی سی مشک لائی سکینہؑ تپیدہ جاں
اصغرؑ کی تشنگی خلشِ تیر بن گئی
مشکِ سکینہ پیاس کی تصویر بن گئی
رخصت اس آن سے بنِ شیرِ خدا ہوا   اک ہاتھ میں علیؑ کا علم تھا کھُلا ہوا
مشکیزہ خشک دوش کے اوپر دھرا ہوا   اور سدِّ راہِ شوق تھا رن بولتا ہوا
دُو۲ دُو۲ زرہ تھیں بر میں بہ حکمِ امامِ دیں
گویا تھی ذوالفقار بہ قیدِ نیامِ دیں

آئے سوئے فرس تو بڑھے شاہِ دوسرا　بولے رکاب تھام کے، حافظ ہے اب خدا
آئی صدا علیؑ کی، مرے شیر مرحبا　خورشید بن کے چترِ زری سر پہ جھک گیا
یوں نورِ حق تھا جلوہ کناں رُخ کے نور پر
لہرا رہی تھی برقِ تجلی کی طور پر،

ظاہر علم کی شان سے پیغامِ مصطفاؐ　پنجے میں روشنیِ کفِ دستِ مرتضاؑ
پرچم تھا یا کہ سایۂ دامانِ فاطمہؑ　جلوہ فگن تھی حسرتِ مظلومِ کربلا
یہ پرچم بلند نہ تھا حق کی آن تھی
شبیرؑ کی امید، سکینہؑ کی جان تھی

راکب خدا شناس تو مرکب فلک جناب　معراج میں براق کی رفتار کا جواب
موجِ ہوا پہ بڑھتا تھا یوں صورتِ سحاب　جیسے کسی نبی پہ اُترتی ہوئی کتاب
اک بار بن کے موج جدھر سے گذر گیا
شیرازۂ کتابِ مظالم بکھر گیا

کھینچی عناں فرس کی تو طوفاں کو دی لگام　فوجِ عدو کے سامنے آکر کیا قیام
کی اس طرح زبان کی شمشیر بے نیام　قرآں کی زباں میں کیا ظلم سے کلام
تعریف لب پہ سبطِ رسالت مآب کی
لہجہ رسول کا تھا، زباں بوتراب کی

نعرہ تھا دیکھ لو علمِ حق کی آن بان　بے تیغ و بے سپر بھی لڑاتے ہیں ایسے جان
پیغمبرانِ امنِ جہاں کی یہی ہے شان　ہم کیا لڑیں کہ ہم سے ہے کونین کو امان
لیتی ہے بزدلی لبِ سوفار کی مدد
کم ظرف رن میں لیتے ہیں تلوار کی مدد

میرا پدر تھا فاتحِ غزواتِ مصطفاؐ　ثقلین کی عبادتیں اُس پہ ہوئیں فدا
وہ کفرِ کُل کے واسطے ایمانِ کُل بنا　تلوار اس کی کلمۂ حق تھا، سپر خدا
لاریب نفسِ حق تھا وہ، نفسِ نبیؐ تھا وہ
اس کی رضا تھی مرضیٔ خالق علیؑ تھا وہ

تلوار اپنی حرفِ صداقت شعار ہے   اپنی سپر محبتِ عالم شکار ہے
اپنی کمان جنبشِ ابروئے یار ہے   تیر اپنا گردشِ نگہِ باوقار ہے
لوہا ہماری جنگ کا مانا خدا نے بھی
بخشا ہے ذوالفقار کا تحفہ خدا نے بھی

چھو لیں جو ہم تو تیغ کا لوہا پگھل پڑے   ٹھوکر جو ماریں ریت سے دریا اُبل پڑے
کہہ دیں تو ربطِ روح و بدن میں خلل پڑے   دیکھیں تو آفتاب سوا گز اچھل پڑے
معراج ہیں بشر کی ہم اہلِ نیازِ عشق
تیغوں کی چھاؤں میں بھی ادا کی نمازِ عشق

مظلومیٔ حسینؑ تو ہے اختیار سے   گردِ جفا ہے دور دلِ بے غبار سے
عاجز ہے دستِ ظلم دلوں کے وقار سے   جیتے گا کون درد کے سرمایہ دار سے
پروردگارِ صبر، شہِ بحر و بر ہے وہ
جس کو غریب سمجھے ہو، خیر البشر ہے وہ

قلبِ رضائے حق کی محبت حسینؑ ہے   پیغامِ انبیا کی امانت حسینؑ ہے
ہر دور میں نظر کی شرافت حسینؑ ہے   عزت کی زندگی کی ضمانت حسینؑ ہے
گمراہ ہے حسینؑ سے جو جنگ کرتا ہے
مارے گا کیا حسینؑ کو ظلم آپ مرتا ہے

اعلانِ حریت کی صداقت حسینؑ ہے   قلب و نگاہ و ذہن کی دولت حسینؑ ہے
اخلاق کے کمال کی بعثت حسینؑ ہے   تکمیلِ کارِ ختمِ رسالت حسینؑ ہے
روزِ ازل کے عہدِ وفا کا امیں ہے وہ
کمزور وہ نہیں ہے، خدا کا امیں ہے وہ

کمزوروں کے قلوب کی طاقت حسینؑ سے   مظلوموں کی صدا میں حرارت حسینؑ سے
تعبیر ابرِ فیض کی رحمت حسینؑ سے   منسوب اہلِ دل کی عبادت حسینؑ سے
مظہر خدا کے نور کی ذاتِ حسینؑ ہے
ایمان کا ثبات، ثباتِ حسینؑ ہے

مینارۂ ہدایتِ عالم حسینؑ ہے   قرآنِ حق کی آیۂ محکم حسینؑ ہے
شعلوں میں جنگ کے غمِ شبنم حسینؑ ہے   انسانیت کا محسنِ اعظم حسینؑ ہے
نفرت ہے ختم، پیار کا پر خاتمہ نہیں
اس کربلا کے بعد کوئی کربلا نہیں

یہ صرف اک حسینؑ ہی سے معرکہ نہیں   یا آج سے یزید نہیں یا خدا نہیں
سبطِ رسولؐ آج کوئی دوسرا نہیں   "میں ہوں حسینؑ سے" یہ نبیؐ سے سُنا نہیں؟
حق، خیر، صدق اور صفا ہے حسینؑ سے
انسانیت، رسولؐ و خدا ہے حسینؑ سے

ہم ساقیِ حیات ہیں داور سے پوچھ لو   مقدور ہو تو چشمۂ کوثر سے پوچھ لو
خود نہرِ علقمہ کے لبِ تر سے پوچھ لو   تھا حُرؑ کے ساتھ جو اسی لشکر سے پوچھ لو
اب بھی ہمارے قبضے میں کوثر کی راہ ہے
آسودگیِ لاشۂ حُرؑ خود گواہ ہے

سچ ہر طرح سے سچ ہے تعلّی کی جا نہیں   ہم ایسے سیر چشموں کی قدرت میں کیا نہیں
کوثر نہیں کہ چشمۂ آبِ بقا نہیں   پیاسے رہیں گے پھر بھی کہ حق کی رضا نہیں
ہم تشنہ لب ہیں اس کا تو تم سے گِلا نہیں
بچوں کو تین روز سے پانی مِلا نہیں

مرجھا گئے ہیں گلشنِ شیرِ خدا کے پھول   پھر بھی سوالِ آب ہے غیرت کو نا قبول
مجبور تھے کہ جنگ ہمارا نہیں اُصول   تلوار اب اُٹھاؤ کہ باتیں ہیں سب فضول
رستہ ہمارا روک لے گر کوئی مرد ہے
اب سامنے ہمالہ بھی آئے تو گرد ہے

کس حوصلے سے پرچمِ حق کو اٹھا کے آئے   کس دبدبے سے فوج پہ گھوڑا دبا کے آئے
جس صف سے گذرے گرد بھی اس کی اڑا کے آئے   آیا جو کوہ راہ میں اس کو گرا کے آئے
فوجیں تھیں دائیں بائیں برابر نگاہ میں
جھنڈے کو نصب کر دیا قلبِ سپاہ میں

پسپا تھی صرفِ ضربتِ آواز سے سپاہ   ڈھالوں میں چھپ کے مانگتے تھے اسلحے پناہ
بے تیغ لڑ رہی تھی مجاہد کی ہر نگاہ   دیکھا جدھر بھی، فوجوں نے بچھ بچھ کے دی ہے راہ
ثقلین کی عبادتیں حیران ہوتی تھیں
یہ لڑ رہے تھے فاطمہؑ قربان ہوتی تھیں

دریا نے بڑھ کے آپ ہی ان کا قدم لیا   ڈالی نظر تو دامنِ دریا رفو، کیا
موجوں نے اپنے چاکِ گریباں کو یوں سیا   اُٹھ اُٹھ کے خود ہی مشکِ سکینہ کو بھر دیا
پانی سے اس طرح نہ کسی کا گزر ہوا
لب کا تو ذکر کیا، سرِ دامن نہ تر ہوا

اہلِ جفا کو فکر کہ پانی نہ جانے پائے   ساغر نہ ابنِ ساقیِ کوثر اٹھانے پائے
کم سِن بھی کوئی پیاس نہ اپنی بجھانے پائے   یہ شیر اک قدم بھی نہ آگے بڑھانے پائے
جس اک نگاہِ غیظ سے پسپا سپاہ تھی
اب صرف مشک اُس کے لئے قبلہ گاہ تھی

عباسؑ نے جو روک لی شمشیرِ مرگ اثر   افواج نے ہجوم کیا دوڑ دوڑ کر
تھی مشک پر سکینہ کی اب شیر کی نظر   پھر بھی قریب آ نہ سکا کوئی بد گہر
روکا نہ سامنے سے کسی بھی شقی نے وار
بازوئے حق پہ چھپ کے کیا بزدلی نے وار

اک ہاتھ تھا جو کشتۂ شمشیرِ زہر دم   اک ہاتھ میں سنبھالے تھے اب مشک اور علم
اتنا بہا تھا خون کہ طاقت ہوئی تھی کم   پھر بھی یہ رعب دور ہی تھا لشکرِ ستم
جب ہاتھ دوسرا بھی دغا سے قلم ہوا
مشکیزہ تو بچا لیا لرزاں علَم ہوا

بزدل پُکارے بھاگ کے آجاؤ سب قریب   معذور دونوں ہاتھوں سے ہے اب ستم نصیب
بے دست ہے شجاع تو شبیرؑ ہیں غریب   نرغے کو آئے دوڑ کے ایمان کے رقیب
پھر بھی رگوں میں زیست کا خون دوڑتا رہا
دانتوں سے مشک تھام لی، پانی بچا رہا

تھا صرف یہ خیال نہ پانی پہ آنچ آئے
شرمندگی نہ پیاری بھتیجی سے ہونے پائے
تیرِ جفا سے مشک کو اللہ ہی بچائے
پانی پلا دیں بچوں کو، پھر جاں رہے کہ جائے
یہ فکر تھی کہ مشک پہ تیرِ اجل لگا
پانی بہا تو سینے میں برچھی کا پھل لگا

کس منہ سے جاتے خیمے کی جانب، پلٹ پڑے
دیدار سے سکینہ کے مایوس ہو گئے
خالی تھی مشک آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
تنہا، ہجومِ ظلم میں بے دست تھے کھڑے
اتنے میں ایک گرز سرِ پاک پر لگا
یا تیر قلبِ صاحبِ لولاک پر لگا

گھوڑے پہ لڑکھڑائے جو صدمہ گراں ہوا
آئے زمیں پہ یوں کہ نگوں آسماں ہوا
زینت زمین کی علمِ عز و شاں ہوا
وہ کیا گرے، نشانِ خدا بے نشاں ہوا
آواز دی کہ جاتے ہیں ہم اے ابنِ رسولؐ
اب کیجئے ہمارا سلام آخری قبول

سن کر صدائے حضرتِ عباسؑ دل فگار
شہ کی نظر سے گر گئی دنیائے کم عیار
اشکوں کو ضبط کر کے کہا اے وفا شعار
تو کیا اٹھا کہ زیست کا بھی اٹھا اعتبار
قسمت میں یہ جدائی بھی لکھی تھی کیا کریں
لازم ہے اہلِ حق پہ کہ شکرِ خدا کریں

تو نے اٹھایا احمدؐ مختار کا علم
حمزہؑ کا اور جعفرِ طیار کا علم
گرنے دیا نہ حیدرِ کرار کا علم
مجھ ایسے بے دیار، دل افگار کا علم
تو حاملِ شریعت و شانِ رسولؐ ہے
سرمایۂ شفاعت و جانِ بتولؑ ہے

میرے غریب تشنہ لب و کم سخن جری
جس طرح تو نے دادِ شجاعت کی آج دی
حقا کہ اس طرح نہ لڑے ہوں گے خود علیؑ
پیاس ان پہ تین دن کی کبھی بھی نہیں رہی
بے تیغ تم جفاؤں کے طوفان سے لڑے
بھوک اور پیاس میں بھی عجب شان سے لڑے

بے تیغ جائے رن میں علمدار کب ہوا   پیغامِ امن دیتی ہو تلوار کب ہوا
مشکیزے کا بھی دوش پہ ہو بار کب ہوا   معصومیت کا ایسا پرستار کب ہوا
ایک اور زخم یہ بھی ہے زخمِ جدائی میں
بے دست کر کے بھیجا تھا تم کو لڑائی میں
ٹوٹی کمر کو تھام کے شبیرؑ یوں اُٹھے   جس طرح خود کو روک کے طوفانِ خوں اُٹھے
تھامے فلک حیات کا غم کے ستوں اُٹھے   جتنے علم شہیدوں کے تھے سرنگوں اُٹھے
رستہ نہ جب دکھایا چراغِ جدائی نے
آواز دی ترائی سے بھائی کو بھائی نے
اس شیر کی صدا پہ امامِ زمن بڑھے   فوجوں سے صاف کرتے ہوئے غم کا بن بڑھے
کشتوں کے پشتے کاٹے کے وہ خستہ تن بڑھے   حیدرؑ بڑھے، رسولؐ بڑھے اور حسنؑ بڑھے
کلثوم اور سکینہ کے دل کی دعا چلی
جنت سے بال کھولے ہوئے فاطمہؑ چلی
پہلے تو ایک ہاتھ کہیں پر کٹا مِلا   آگے گئے تو خون میں تر دوسرا مِلا
اس طرح بھائی بھائی سے بچھڑا ہوا ملا   خوں گشتہ خاک پر وہ دُرِ بے بہا ملا
معراج پائی سر نے جو زانوئے شاہ سے
غش میں بھی آنکھیں کھول دیں خوشبوئے شاہ سے
لبریز خونِ سر سے تھا پیمانہ چشم کا   مجروحِ تیر تھا گلِ جانانہ چشم کا
مے دید کی نہ پی سکا دیوانہ چشم کا   محروم روشنی سے تھا پروانہ چشم کا
اس درد سے کراہے کہ رَن بھی دہل پڑا
نکلے نہ اشک آنکھوں سے، پر دل نکل پڑا
بولے ”شہیدِ حسرتِ دیدار ہے حزیں   دیکھوں جو روئے پاک تو آنکھیں ملیں کہیں
عیسیٰ نفس تو آیا ہے بیمار کے قریں   اُٹھ کر میں بیٹھ سکتا نہیں یا امامِ دیں
طالب ہوں عفو کا یہ غلاموں کی خو نہیں
تعظیم کیسے دوں، کہ بدن میں لہو نہیں“

پیوست تھا جو تیر وہ آنکھوں سے کھینچ کر
دامن سے خوں حسینؑ نے پونچھا بچشمِ تر
کھلتے ہی آنکھ روئے برادر پہ کی نظر
دیکھا کہ ہے حسینؑ کو عباسِؑ ناموَر
ہاتھوں کا غم رہا نہ قلق جان کا رہا
ہاں رنج ایک مشک کے پیکان کا رہا

آنکھوں سے اشک بہنے لگے، دل پکڑ لیا
پوچھا تڑپ کے شاہ نے کیا درد ہے سوا
بولے کہ دیکھا آپ کو کیا ذکر درد کا
ہاں دل پہ ایک کوہِ اَلم ہے دھرا ہوا
وعدہ تھا یہ سکینہ سے پانی پلاؤں گا
اس غم سے مر کے بھی نہ میں آرام پاؤں گا

آقا مجھے نہ خیمۂ عترت میں لے کے جایئے
اس ضعف و تشنگی میں نہ لاشہ مرا اٹھایئے
مرجائے یہ غلام تو چہرے پہ کچھ اُڑھائیں
شہزادیوں سے کہیئے کہ وہ غم مرا نہ کھایئے
کہہ دیجئے سکینہؑ سے معذور تھا چچا
پانی نہ لانے پایا کہ مجبور تھا چچا

فرمایا شہ نے مجھ کو یہ حسرت رہی سدا
اک بار مجھ کو بھائی بھی کہہ دیجئے ذرا
بولے کہ جس زبان سے آقا کہا کیا
اب اس پہ کیسے لاؤں کوئی حرف دوسرا
پھرتے نہیں ہیں مرد کبھی اپنی بات سے
چھوڑوں گا میں غلامی کا دامن نہ ہات سے

یہ کہہ کے سر ہٹا لیا زانوئے شاہ سے
بولے کہ آنکھیں پاؤں سے مل لینے دیجئے
آقا کی گود میں تو غلاموں کا سر رہے
آئے گا کون آپ کے سر کو سنبھالنے
بولے حسین تیری وفا میرے ساتھ ہے
جس کا نہیں کوئی بھی، خدا اس کے ساتھ ہے

سن کر یہ تڑپے حضرتِ عباسِ خستہ تن
حسرت سے دیکھتے رہے روئے شہِ زمن
ہچکی جو آئی زخموں میں بڑھنے لگی چبھن
دم سرد ہو گیا تو گئی پیاس کی جلن
شبیر جھک کے بھائی کا منہ چومتے رہے
اٹھ کر بھی دیر تک وہیں روتے کھڑے رہے

لب ہائے صبر و ضبط سے اتنا ہی بس کہا   تم سے نہ تھی امید یہ عباسؑ باوفا
غربت میں تم نے چھوڑ دیا ساتھ بھائی کا   ایسی تھی پیاس پاس ہمارا نہ کچھ کیا
پھر بھی ہمیں یقیں ہے نہ ہم جب تک آئیں گے
کوثر کو بھی نہ آپ کبھی منہ لگائیں گے
کہنا پدر سے تنہا ہے اب آپ کا حسینؑ   پیاس اصغر و سکینہ کی دیکھا کیا حسینؑ
اک دن میں صدیاں صبر کی طے کر چکا حسینؑ   اب ہے غریب و بے کس و غم آشنا حسینؑ
آسان آپ کرتے ہیں مشکل خدائی کی
حاجت ہے اب حسینؑ کو مشکل کشائی کی
یہ کہہ کے دستِ ضبط بڑھایا حسینؑ نے   عباسؑ کے علم کو اٹھایا حسینؑ نے
دل سے نشانِ حق کو لگایا حسینؑ نے   بھائی کو یہ پیام سنایا حسینؑ نے
اربابِ حق نشاں ترا دل سے لگائیں گے
تا حشر اس علم کو جواں مرد اٹھائیں گے

مرثیہ

سالارِ قافلۂ شوق

ہے قافلۂ جرأتِ رفتار سفر میں

(درحالِ شہادتِ سید الشہدا حسینؑ ابن علیؑ)

کربلا مسلسل سفر کا نام ہے۔ کربلا سے فکر و عمل کے جو دھارے دہم محرم ۶۱ھ کو پھوٹے تھے، انھوں نے مختلف سمتوں میں سفر کیا، ایک دھارا تصوف کی فکر بنا، دوسرے نے علمِ کلام میں جبر و اختیار اور عدل کے مباحث کی شکل میں بنی امیہ سے لے کر بنی عباس کی ملوکیت تک پر وار کے لئے نظریاتی حربے کا کام کیا، تیسرے دھارے نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کی تعمیل میں ظلم کے خلاف جہاد بالسیف کی شکلیں اختیار کیں۔ یہی سفر انسانی تاریخ کے سینے میں آج بھی جاری ہے، اسی کا ایک مظہر ۷۹ء کا انقلابِ ایران ہے اور ابر قدرتوں (SUPER POWERS) کے مقابل اسلامی ایران کا جذبۂ جہاد۔

سفرِ سید الشہداء کے راستے میں ایک منزل وہ ہے، جس پر حُرؑ نے راستا روک کر امام کو کربلا تک پہونچایا۔ دشتِ عطش کے مسافروں نے اپنے قاتلوں کی پیاس بجھائی۔ فرات خشک ہوسکتی ہے مگر ساقیِ کوثر اور ان کے اخلاف کا چشمۂ فیض اُس وقت بھی جاری تھا، اب بھی جاری ہے۔ اس سفر کی ایک منزل شبِ عاشور تھی جس کی جزئیات اس مرثیے میں نظم کی گئی ہیں۔ اس کے بعد کی منزل شہادتوں کے سلسلے سے عبارت ہے، اور آخری منزل 'فدیناہ بذبحٍ عظیم' کی تفسیر — خود امام مظلوم کی شہادت، جس پر مرثیے کا اختتام ہوتا ہے۔ لیکن اس منزل سے آگے اور بھی منزلیں ہیں جنھیں زینبؑ اور سیدِ سجادؑ کو سر کرنا تھا۔

اس مرثیے میں سید الشہدا کا خطبہ بڑی حد تک اس خطبہ کا ترجمہ ہے جو آپ نے جنگ شروع ہونے سے قبل فوجِ یزید کو مخاطب کر کے دیا تھا۔ صرف کہیں کہیں شاعرانہ آزادی کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

ہے قافلۂ جرأتِ رفتار سفر میں   منزل کا نشاں بھی نہیں اس راہ گذر میں
تا حدِّ نظر ریگِ بیاباں ہے نظر میں   سایہ ہے نہ پانی رہِ پُرپیچ و خطر میں
گردوں ہے شرر بار، زمیں آگ کا دریا
پھیلا ہوا ہے دور و قریں آگ کا دریا
حایل ہیں بہ ہر گام مچلتے ہوئے ٹیلے   اُڑتے ہوئے گرتے ہوئے چلتے ہوئے ٹیلے
ہر لمحہ جگہ اپنی بدلتے ہوئے ٹیلے   ریتی ہے کہ ہیں آگ اگلتے ہوئے ٹیلے
طوفان قیامت ہے، غضب تیز ہوا ہے
ہلتی ہے زمیں اور فلک گھوم رہا ہے
ہے لو کا تھپیڑا کہ طمانچہ ہے اجل کا   وہ زورِ ہوا، کوہ بھی جس کے لیے ہلکا
چلنا بھی غضب، قہر ٹھہرنا بھی ہے پل کا   ہر گام یہ ڈر زیست کا پیمانہ ہی چھلکا
ہمت کا سفینہ ہے گھرا موت کی رو میں
چلتی ہے قدم مارتی زیست اس کے جلو میں
کب چھوٹا تھا گھر نکلے تھے کس روز سفر پر   یا پاؤں میں ہے روزِ ازل سے یہی چکر
کون ان سے یہ پوچھے کہ کہاں ٹھہریں گے جاکر   ہر موج کا سر توڑ کے ابھرے یہ شناور
ان میں کا ہر اک فرد ارادے کا دھنی ہے
گھر ان کا سفر، اور وطن بے وطنی ہے
یہ قافلۂ جستجوئے اہلِ نظر ہے   جو روزِ ازل سے یونہی سرگرمِ سفر ہے
چہرے پہ اٹی گردِ سرِ راہ گزر ہے   آنکھوں میں چمکتی ہوئی امیدِ ظفر ہے
صحرا ہو کہ دریا ہو کہ طوفانِ جفا ہو
رک سکتا نہیں پائے طلب لاکھ بلا ہو

یہ قافلۂ زیست ہے صحرائے زماں میں   یہ شمع تمنا کی ہے ظلماتِ گراں میں
یہ غنچۂ خنداں ہے ستم گار خزاں میں   یہ نغمۂ بیدار ہے خوابیدہ جہاں میں
یہ شہرِ طلسمات میں انساں کا قدم ہے
یہ اہرمنستاں میں یزداں کا قدم ہے
اس قافلۂ شوق میں بوڑھے بھی جواں ہیں   اس باغ کے گل سدِّ سکندر سے گراں ہیں
اس کنبے کے اطفال سلاطینِ زماں ہیں   اس کشتی کے ملّاح جہاں کے نگراں ہیں
ممکن ہے کہ خود گردشِ دوراں کبھی تھم جائے
ممکن نہیں، خوں شوق کی رگ میں کبھی جم جائے
یہ جرأتِ آوازِ سرِ دار رہے ہیں   یہ طاقتِ پروازِ گرفتار رہے ہیں
یہ ہمتِ آزادیٔ افکار رہے ہیں   یہ شوکتِ مہرِ سحر آثار رہے ہیں
جب سے یہ جہاں ہے، یہ جہاں ساز رہے ہیں
تخلیق کی گونجی ہوئی آواز رہے ہیں
گر چشمِ تصور میں بصارت ہے تو دیکھو   گر ذہن میں پرواز کی طاقت ہے تو دیکھو
گر فکر میں کونین کی وسعت ہے تو دیکھو   گر روح میں حل روحِ صداقت ہے تو دیکھو
کس شان سے اٹھتے ہیں قدم اہلِ ہمم کے
ہے عزّتِ جاوید لگی ساتھ قدم کے
گر ذہن ہے پسماندہ خیالات کا مدفن   گر چشمِ تخیل پہ توہّم کا ہے قدغن
گر روح تعصّب کا، قدامت کا ہے مامن   گر فکر جمائے ہوئے ہے جہل کا آسن
آؤ تمھیں معراج کا ہم زینہ دکھائیں
جو پرتوِ انساں ہے وہ آئینہ دکھائیں
اے فکرِ جواں! ہمّتِ عالی کی مدد کر   اے ذہنِ رسا! تازہ مقالی کی مدد کر
اے نطق! محبّت کے سوالی کی مدد کر   اے روشنیٔ تابندہ خیالی کی مدد کر
الفاظ سے کہہ دو کہ رہیں حدِّ ادب میں
افکار رہیں دسترسِ دستِ طلب میں

اے توسنِ طبعِ شعرا! باگ اٹھالے   اے جودتِ فکرِ حکما! دل کی دُعا لے
اے فکرِ جوانِ عرفا! دوڑ کے آلے   اے نورِ چراغِ علما! لَو کو بڑھا لے
سابقہ ان کے ہے چلنا جو خداوندِ زماں ہیں
جو نور کی رفتار سے بھی تیز رواں ہیں
ٹوٹے بھی اگر سانس تو دم لینا خطا ہے   ہانپے بھی اگر شوق تو چلنا ہی روا ہے
روکے جو تھکن راہ تو بڑھنے میں مزا ہے   گر پاؤں تھکیں، سر سے چلو، حکمِ وفا ہے
اک آن بھی رک جائیں تو پامال کا ڈر ہے
پسماندہ ہو جو، اُس کا کفن گردِ سفر ہے
پیچھے جو رہا وقت نہ اُس کے لیے ٹھہرا   زخمی جو ہوا، اُس کو کسی نے بھی نہ پوچھا
جو تھک کے گرا، اس کو کسی نے نہ اٹھایا   جو بیٹھ گیا، وقت اُسے پامال کرے گا
روندے ہوئے گل کو نہ اٹھائیں گی بہاریں
پژمردہ کی خاطر نہیں آئیں گی بہاریں
اے قافلۂ موجِ صبا! ہم ہیں ترے ساتھ   اے نکہتِ آوارہ ادا! ہم ہیں ترے ساتھ
اے تیزیِ طوفانِ بلا! ہم ہیں ترے ساتھ   اے تندیِ سیلابِ قضا! ہم ہیں ترے ساتھ
یہ فیصلہ ہو جائے کہ کون آگے چلے گا
جو آگے رہے گا وہی پایندہ رہے گا
اے قافلۂ عمرِ رواں! دیکھ کے چل راہ   اے روحِ جہانِ گزراں! دیکھ کے چل راہ
اے شورِ صد آشوبِ جہاں! دیکھ کے چل راہ   اے گردشِ پرکارِ زماں! دیکھ کے چل راہ
اس راہ میں ہم تجھ سے مبارز طلب آئے
اس راہ میں آنا ہو جسے، با ادب آئے
ہم کیا ہیں، مگر گردِ رہِ ہمتِ مرداں   ہم کیا ہیں، مگر خاکِ ہوائے پرِ رقصاں
ہم کیا ہیں، مگر بوسۂ گلِ چاک گریباں   ہم کیا ہیں، مگر مقتدیِ قبلۂ ایماں
دعوائے سخن ہم کوئی بے جا نہیں رکھتے
ہم جن سے ہیں وابستہ وہ کیا کیا نہیں رکھتے

گھر پھونک کے چلنا ہو جسے، آئے وہ ہمراہ   اسباب لٹانا ہو جسے، لائے وہ ہمراہ
ڈر موت کا ہو جس کو، پلٹ جائے وہ ہمراہ   سر رکھ کے ہتھیلی پہ جو دکھلائے وہ ہمراہ
یہ قول ہمارا نہیں قانونِ وفا ہے
یہ شرطِ وفاداریٔ شاہِ شہدا ہے
جس قافلے کو آنکھ رواں دیکھ رہی ہے   اٹھ اٹھ کے جسے ریگِ تپاں دیکھ رہی ہے
اب تک جسے چشمِ دو جہاں دیکھ رہی ہے   خورشید کی چشمِ نگراں دیکھ رہی ہے
وہ قافلۂ شوق حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
وہ گرمیٔ رفتارِ شہیدِ ازلی ہے
اک روز ٹھہر جائے گی یہ گردشِ ایام   چھا جائے گی اک لامتناہی شبِ آلام
ٹکرائیں گے سیاروں سے سیارے بہر گام   پی لے گی لہو سورجوں کا اک ابدی شام
اس وقت بھی اک قوتِ تخلیق رہے گی
فطرت کی رواں نبض کبھی رک نہ سکے گی
اس قوتِ تخلیق کا کچھ نام تراشو   جو چاہتے ہو، اپنی زباں میں اسے کہہ لو
تم اس کو وفا مانو کہ فطرت کا لقب دو   یا روشنیٔ شمعِ حقیقت کہو اس کو
ہم اس کو دلِ زندۂ شبیرؑ کہیں گے
تخلیق کے قرآن کی تفسیر کہیں گے
یہ قافلۂ شوق ازل سے ہے روانہ   کہتے ہیں اسے اہلِ نظر روحِ زمانہ
ہر دور میں ساتھ اس کے تھے افرادِ یگانہ   عنوان بدلتا رہا، ہر پل یہ فسانہ
عنوان بدلتے رہے، افسانہ وہی ہے
میکش نئے آتے رہے، پیمانہ وہی ہے
اس مے سے گراں تر کوئی انعام نہیں ہے   محروم ہے جو اس سے، خوش انجام نہیں ہے
خود اس سے الگ وقت کا پیغام نہیں ہے   اس مے سے تہی جام، مرا جام نہیں ہے
تاریخ اسے نام نئے دیتی رہی ہے
ہم کہتے ہیں، یہ حبِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

اس مے کا نشہ گرمیٔ رفتارِ اثر ہے   سرشار ہے جو، اس کی زمانے پہ نظر ہے
جو مست ہُوا ہے، اُسے فردا کی خبر ہے   دیوانہ ہوا جو، وہ خرد مندوں پہ ور ہے
اس مے کا وہ نشہ ہے، قدم رُک نہیں سکتے
کٹ سکتے ہیں، مے خواروں کے سر جھک نہیں سکتے

کٹتا ہے جو اک سر تو اٹھا کرتے ہیں لشکر   ہر غنچۂ مقتول ہے تمہیدِ گلِ تر
پھیلاتا ہے نور اور بھی سر شمعوں کا کٹ کر   ہر ڈوبا ہوا نجم ہے خورشیدِ سحرگر
پرواز کے پر کاٹ لو، دل زندہ ہے پھر بھی
آواز کا سر کاٹ لو، تابندہ ہے پھر بھی

یہ مقتلِ شبیرؑ نہیں، معبدِ حق ہے   لب تشنگیٔ صدق، محبت کا سبق ہے
کر لے گی خزاں کیا، یہ بہاروں کا ورق ہے   سچ پوچھو تو گرداب میں باطل کا طبق ہے
پیاسوں کو جو مارے، اُسے جاں مل نہیں سکتی
تا حشر یزیدوں کو اماں مل نہیں سکتی

صدیوں کا سفر کر کے بھی ظلم آج وہیں ہے   پستی میں اسیر آج بھی ہر نفرت و کیں ہے
جو موت کا تاجر ہے، تباہی سے قریں ہے   ہر اسلحۂ مرگ سے بے زار زمیں ہے
ہتھیاروں کے گودام ہیں ناسور زمیں کا
آوازۂ حق آج بھی ہے نور زمیں کا

اے کرب و بلا! وحشتِ صد کرب و بلا دیکھ   اے نہرِ فرات! اپنا عطش، اپنی خطا دیکھ
اے تشنگی و گرسنگی! حشرِ جفا دیکھ   اے سیلِ بلا فتح میں بھی اپنی قضا دیکھ
جو تیرے پرستار تھے، وہ آج کدھر ہیں
مارا تھا جنہیں تو نے، وہ مر کر بھی امر ہیں

بے قبر و نشاں ہو گئے قتّال کے اجساد   ہے عترتِ شاہِ شہدا آج بھی آباد
صحرائے مظالم میں ہیں گم ظالم و جلّاد   ہے گونجی ہوئی آج بھی مظلوم کی فریاد
مقتول کا نقشِ کفِ پا اب بھی ہے روشن
مظلوم کی قندیلِ دُعا اب بھی ہے روشن

طوفانِ بلا کیا ہے، تگ و تازِ سفر کیا   لُو کیا ہے، تھکن کیا، رہِ پُرپیچ و خطر کیا
سورج سے برستے ہوئے دوزخ کے شرر کیا   کیا جادہ ہے، کیا بانگِ جرس، رختِ سفر کیا
سرشارِ سفر گردشِ تقدیر بنے ہیں
اور شام و سحر پاؤں کی زنجیر بنے ہیں
محور پہ زمیں گھومتی ہے اپنے ہی ہر گاہ   ہر گام پہ ہوتی ہے یہاں قطع نئی راہ
ہر صبح نیا مہر ہے، ہر شام نیا ماہ   ہر لمحہ نئے طور، نئی برق کی ہے چاہ
کس طرح کا یہ نشہ ہے کیا شوق ہے سر میں
رُکتے ہی نہیں، کون سی منزل ہے نظر میں
ساتھ آیا بہت دور تلک ہانپتا سورج   تھک ہار کے دم لینے کو رکتا رہا سورج
ہر روز نیا شرق سے پیدا ہوا سورج   پر قافلۂ شوق سے پیچھے ہی تھا سورج
جس دن سے شعاعوں کو تب و تاب ملی ہے
یہ جرأتِ رفتار نہ دیکھی نہ سُنی ہے

یہ قافلہ اک بار ہی رستے میں رُکا تھا   جب سامنا اک ہانپتے لشکر کا ہوا تھا
اُس لشکرِ جرّار کا دم ٹوٹ رہا تھا   وہ فرطِ عطش، پیاس کو رحم آنے لگا تھا
انسان تو انسان فرس ہانپ رہے تھے
لب خشک تھے، نغماتِ جرس ہانپ رہے تھے
تب مبدأ فیاض کو رحم آ گیا اک بار   ہمراہیوں سے کہنے لگا قافلہ سالار
یہ لشکرِ دشمن ہے، ہم اس سے ہیں خبردار   یہ بھی ہے خبر آگے نہیں پانی کے آثار
پھر بھی انہیں پلواؤ جو ساتھ آیا ہے پانی
مشکوں میں انہی کے لیے بھروایا ہے پانی
ڈرتے ہوئے سالار سے بولے یہ ہوا خواہ   خود اپنے لیے تو ہمیں پانی کی نہیں چاہ
البتہ ہے یہ دھیان کہ اطفال ہیں ہمراہ   آگے نہیں پانی کہیں، آپ اس سے ہیں آگاہ
دن گرمی کے ہیں اور کڑے کوس سفر کے
کچھ بچوں کے مشکیزے ہی رکھ لیجیے بھر کے

فرمایا کہ بچوں کا ہے اللہ نگہبان   ہم سے بھی زیادہ اُسے ہر ایک کا ہے دھیان
حق پیاسوں کا پانی پہ ہے پہلے، یہ ہیں مہمان   پانی سے بھی کم یاب ہوا کرتے ہیں انسان
اے کوثریو! ہم انہیں سیراب کریں گے
اس سوکھی ہوئی کشت کو شاداب کریں گے
انسان تو انسان ہیں، حیواں کو پلاؤ   مشکوں کے دہن کھول دو اور جام لنڈھاؤ
ان سینوں میں جو آگ دہکتی ہے، بجھاؤ   حرمت ہے بہت جانوں کی، ہر جان بچاؤ
کیا جانیے ان میں کوئی انسان بھی ہوگا
انسان کی حرمت کا جسے دھیان بھی ہوگا
جب ساقیِ کوثر کا ہوا کار سر انجام   تھا پھر سے وہی سلسلۂ گردشِ ایام
غربت کی وہی صبح، وہی غم کی گھنی شام   حاصل نہ سکوں دن کو، نہ تھا رات کو آرام
اک دشتِ بلا اپنی طرف کھینچ رہا تھا
قدموں کو شہادت کا شرف کھینچ رہا تھا
اڑتی ہوئی منزل کے تقاضے تھے کہ دم لو   سستانا بھی اک فرض ہے، رہ میں کہیں تھم لو
اور شوق کا اصرار، چلو، باغِ ارم لو   قیمت دہنِ خشک کی کوثر سے نہ کم لو
اب گوہرِ مقصود ہے دو چار قدم پر
رکھنے کو ہے سر منزلِ دشوار قدم پر
آخر کو چمکنے ہی لگی پیاسوں کی تقدیر   ریتی پہ نظر آنے لگی پانی کی تحریر
دریا کی ترائی میں ابھر آئی وہ تصویر   کہتے ہیں جسے دیدہ وراں خلد کی تعبیر
پانی جو ملا، تاب و تواں آئی بدن میں
جھونکے جو چلے سرد تو جاں آ گئی تن میں
کی عرض زمیں نے کہ مرے ذرّوں کو چمکاؤ   دریا نے کہا، میرے تڑپنے پہ ترس کھاؤ
بولی یہ ترائی کی زمیں، آؤ یہیں آؤ   خود شوقِ شہادت نے اشارہ کیا، رک جاؤ
اٹھے جو قدم منزلِ مقصود نے روکا
بڑھنے جو لگے مرضیِ معبود نے روکا

شبنم نے کیئے اشکِ عقیدت کے نچھاور   دامن سے لپٹنے لگی ہر موج مچل کر
اٹھ اٹھ کے حبابوں نے جبیں رکھی قدم پر   ہر ورطۂ گرداب بنا رقص کا منظر
معشوق کی باہوں کی طرح پھیلا ہے دریا
عاشق کی نگاہوں کی طرح ٹھہرا ہے دریا
پوچھا، یہ زمیں کیسی ہے، کیا نام ہے اس کا؟   لگتا ہے کچھ ایسا کہ ازل سے ہے شناسا
افلاک سے، تاروں سے گزر آئے سُبک پا   یہ ذرّے ہیں کیسے کہ قدم اٹھ نہیں سکتا
آواز اک آئی، یہ زمیں کرب و بلا ہے
انسان کی معراج یہی خاکِ شفا ہے
یاں زندگی و موت میں کل معرکہ ہو گا   فردا کے مقدر کا یہیں فیصلہ ہوگا
اس نیل میں فرعونوں کا پھر خاتمہ ہوگا   انسان کی قسمت کا یہیں تصفیہ ہوگا
یہ خاک نہیں سینۂ تاریخ کا دل ہے
فردا کا خمیر اٹھے گا جس سے یہ وہ گِل ہے
گرداں ہے زمانہ اسی منزل کے سفر میں   سر تاروں کے جھکتے ہیں اِسی راہ گزر میں
خورشید ملازم ہے انہی ذرّوں کے گھر میں   پرتو ہے اسی مٹی کا رخسارِ قمر میں
دیکھو تو اسی خاک سے پیمانِ ازل ہے
سوچو تو ٹھہرنا ہی یہاں عینِ عمل ہے
یہ سنتے ہی شبیرؑ کا رخ ہو گیا تاباں   فرمایا کہ لو مل ہی گئی منزلِ جاناں
باندھا تھا مرے خوں نے اسی خاک سے پیماں   ہمراہیوں سے بولے، یہیں کھول دو ساماں
یہ نہر یہ صحرا یہ ترائی ہے ہماری
گر فضلِ خدا ہو تو خدائی ہے ہماری
اس خاک کو پہچان لیا دیدہ وروں نے   نیوڑھا دیئے سر سجدے میں آشفتہ سروں نے
سمجھا صدف اِس دشت کو روشن گہروں نے   اسبابِ سفر کھول دیا ہم سفروں نے
دریا نے قدم چوم لیے تشنہ لبی کے
برپا ہوئے خیمے حرمِ پاکِ نبیؐ کے

دم بھی نہ لیا تھا کہ امنڈنے لگے اعدا   بزدل کی طرح آنکھ بدلنے لگی دنیا
چھوٹا دلِ حاسد کی طرح ہو گیا صحرا   کم ظرف کے وعدے کی طرح پھر گیا دریا
گلشن سے نکالا گیا پھولوں کا سفینہ
پھر ریت پہ آ ٹھہرا رسولوں کا سفینہ

جب کذب کی بیعت سے کیا صدق نے انکار   سوداگرِ خوں جسم پہ سجنے لگے ہتھیار
میداں میں لگے اسلحۂ جنگ کے انبار   شرِ حق کے مقابل ہوا آمادۂ پیکار
خوابیدہ ضمیروں نے کیا جبر سے سودا
بیداریٔ ایماں نے کیا صبر سے سودا

تھی جنسِ ہوس گرمیِ بازارِ تباہی   چہروں کی طرح چھانے لگی دل پہ سیاہی
ایمان بکے، بک گئی تابندہ نگاہی   غداروں نے پیمان کی حرمت بھی نہ چاہی
اب قافلۂ حق پہ قیامت کی گھڑی ہے
موت آ کے درِ زیست پہ خاموش کھڑی ہے

جو مبدءِ فیاض ہے، دریائے کرم ہے   جو رحمتِ عالم ہے، جو تقدیرِ امم ہے
جو حق کی رضا، نعمتِ آخر کا بھرم ہے   جو دہر پہ انساں کی فضیلت کی قسم ہے
وہ پیاس کے دریا میں بھی سیراب رہے گا
وہ قتل بھی ہوگا تو ظفر یاب رہے گا

حق قتل ہو، یہ طاقتِ باطل کا گماں ہے   سچائی نہاں ہوتی ہے، یہ کذبِ عیاں ہے
مظلوم زباں بند ہو، یہ ظلمِ بیاں ہے   مر جائیں جو معنی تو یہ لفظوں کا زیاں ہے
ہر لفظ کے مرقد سے بیاں ہوتا ہے پیدا
ہر صدق کے مقتل سے جہاں ہوتا ہے پیدا

وہ تیرگیٔ شب، وہ مظالم کی سیاہی   وہ ہونکتا صحرا، وہ بیابانِ تباہی
وہ راہ کو روکے ہوئے دل خفتہ سپاہی   وہ تین شب و روز سے پانی کی مناہی
خیموں میں چراغِ شبِ غم ہانپ رہے ہیں
طوفانی ہواؤں میں دیئے کانپ رہے ہیں

پھیلا ہوا بجھتی ہوئی شمعوں کا دھواں ہے   آتا ہوا ہر لمحہ اک اندیشۂ جاں ہے
انفاس پہ جلتی ہوئی تیغوں کا گماں ہے   سینوں میں مگر جشنِ چراغاں کا سماں ہے
ہونٹوں پہ مناجات ہے آنکھوں میں سحر ہے
تاریکیٔ امروز میں فردا پہ نظر ہے
ہیں کیسے شب افروز یہ بجھتے ہوئے تارے   ہیں چشم کشا کیسے یہ ظلمات کے مارے
ہیں کیسے جہاں تاب یہ ایماں کے شرارے   کیسے سبق آموز ہیں قرآں کے یہ پارے
جو موت کو بھی زیست کا عنوان بنا دیں
جو رات کو بھی نور کا طغیان بنا دیں
اِن تاروں کی محفل میں وہ خورشید لقا ہے   جو ماہِ شبِ غم ہے، جو صبحوں کی ضیا ہے
جو طعنہ و دشنام میں بھی حرفِ دعا ہے   جو ابنِ علیؑ، سبطِ رسولؐ دوسرا ہے
جو شعر بیاں اُس کا کرے نور سراپا
جو نظم ادا اس کو کرے طور سراپا
چہرہ ہے کہ انوار کی آیات کا مصدر   لہجہ ہے کہ ایمان کی مشکوٰت کا مصدر
کردار میں ہے حق کی عبادات کا مصدر   گفتار میں ہے دل کی مناجات کا مصدر
ہر لفظ ہے ایمان کے فیضان کا چہرہ
ہر فعل ہے قرآن کے عرفان کا چہرہ
لفظ اس کی جو تصویر اتاریں تو پگھل جائیں   اس راہ میں تشبیہہ و علایم بھی پھسل جائیں
موتی بھی پروئیں تو وہ پتھر میں بدل جائیں   جبریلِ تخیل بھی جو پر کھولے تو جل جائیں
انوار کسی ظرف کے پابند نہیں ہیں
خوشبو کے پر و بال حنا بند نہیں ہیں
ہر آئنہ ہے حیرتیِ روئے حسینی   ہر پھول ہے پروردۂ خوشبوئے حسینی
دریائے کرم ہے رمقِ خوئے حسینی   تاریخ بھی ہے جزر و مدِ جوئے حسینی
ہیں زیرِ قدم کون و مکاں ابنِ علیؑ کے
ہیں لوح و قلم زمزمہ خواں ابنِ علیؑ کے

ہیں لفظ کہ گل کھلتے ہیں خوشبوئے دہاں سے   جملے ہیں کہ شمعیں سی ٹپکتی ہیں زباں سے
معنی کی تراوش ہے رگِ ابرِ رواں سے   انوار کی بارش ہے لبِ نور فشاں سے
ایجاز و بلاغت ہیں اس آواز کی ضو میں
رہتی ہے فصاحت سی کنیز اس کے جلو میں

آواز کی اک شمع ہے، پروانے بہتر   عنوان ہے ایک، اور ہیں افسانے بہتر
ہے دل کی کشید اور ہیں پیمانے بہتر   لیلئِ شہادت کے ہیں دیوانے بہتر
رات آخری سلطانِ عرب کاٹ رہے ہیں
عشاقِ قضا ہجر کی شب کاٹ رہے ہیں

دیدِ شہِ والا کی عبادت کی ہے یہ رات   معراجِ وفا، شوقِ شہادت کی ہے یہ رات
تکمیلِ تمنائے رسالت کی ہے یہ رات   تاریخ کے الفاظ میں مہلت کی ہے یہ رات
مانگی نہیں مہلت شہِ والا نے جفا سے
دی ظلم کو مہلت کہ وہ باز آئے دغا سے

اپنے لیے شبیرؑ نے چاہی نہیں مہلت   اک شب کے لیے جبر کو دی فکر کی فرصت
یہ رات ہے قاتل کے لیے آیۂ حجت   ہے زندہ ضمیروں کے لیے زیست کی دعوت
جو چاہے نجات آئے وہ دامانِ کسا میں
جا خالی ہے گلدستۂ شاہِ شہدا میں

آہستہ خرامی سے گزرتی ہوئی یہ رات   دشتِ ہوسِ زر میں بکھرتی ہوئی یہ رات
اطفال کے اشکوں سے سنورتی ہوئی یہ رات   سرور کی دعاؤں سے نکھرتی ہوئی یہ رات
اشرار کے خیموں میں تو ظلمات کی شب ہے
پر حُر کے لیے معرفتِ ذات کی شب ہے

یاں تاروں کے جھرمٹ میں ہے مہتابِ امامت   ہے چہرے کے انوار سے اشعاعِ محبت
لب تشنہ کی باتوں میں ہے دریائے سخاوت   الفاظ ہیں الہام، زباں روحِ صداقت
فرماتے ہیں اصحاب سے، رخصت کی یہ شب ہے
جو چاہے چلا جائے، اجازت کی یہ شب ہے

ہے کل کی سحر میرے لیے بابِ شہادت   ہو جائیں گے کل قتل سب اربابِ محبت
جس پر ہو گراں بار مرا حلقۂ بیعت   وہ اٹھ کے چلا جائے کہ ہے پردۂ ظلمت
میں شمع بجھا دیتا ہوں پروانے بکھر جائیں
جو چاہیں شہادت کے سفینے سے اتر جائیں
چشمِ نگراں بند ہوئی، شمع بجھا دی   ہر دل میں محبت کی نئی جوت جگا دی
اصحاب کو اس طرح جو جانے کی رضا دی   آزادیٔ کردار کی زنجیر پنہا دی
ثابت قدم ایسے تھے یہ پیمانِ وفا میں
اٹھا نہ کوئی، آئی نہ لغزش کسی پا میں
یہ شانِ رفیقانِ شہِ ہر دوسرا ہے   جو ان کی رضا ہے وہی خالق کی رضا ہے
زیست ان کے لیے معرکۂ کرب و بلا ہے   موت اِن کے لیے زندگیٔ نو کی دعا ہے
یہ لوگ ہی تاریخ کے دھارے کا سفر ہیں
یہ لوگ ہی تقدیرِ زمانہ کی خبر ہیں
دیتے ہوئے داد اپنے رفیقوں کو اٹھے شاہ   آنکھوں میں دعا، ہونٹوں پہ سمٹی ہوئی اک آہ
تھے منتظر اہلِ حرم سیدِ ذی جاہ   خیموں میں گئے حضرتِ شبیرِ حق آگاہ
ہر خیمے میں اک نور کی صورت نظر آئی
ہر چہرے پہ تفسیرِ شہادت نظر آئی
اک خیمے میں دیکھا شہِ والا نے یہ منظر   جاگے ہوئے تھے عون و محمد کے مقدر
فرماتی تھیں فرزندوں سے یہ دخترِ حیدرؑ   گھِر جائیں گے کل ظلمتِ افواج میں سرور
یہ دھیان رہے آنچ بھی اکبرؑ پہ نہ آئے
پیکاں کوئی حلقِ علی اصغرؑ پہ نہ آئے
لپٹے رہو ہر گام پہ ماموں کے قدم سے   یہ یاد رکھو، زندہ ہوں میں بھائی کے دم سے
مرنے کی اجازت جو ملے شاہِ امم سے   اس شان سے تم جا کے لڑو فوجِ ستم سے
دشمن بھی کہیں جعفرؑ و حیدرؑ ہیں یہ دونوں
جرأت میں جوانوں کے برابر ہیں یہ دونوں

اک خیمے میں فرزندِ حسنؑ جاگ رہا تھا   ماں بیٹھی ہوئی دیکھ رہی تھی رُخِ زیبا
یاں آنکھوں میں حسرت کہ ہو اس چہرے پہ سہرا   واں سینۂ نوشاہ میں مرنے کی تمنا
پہلو میں تھی رکھی ہوئی تلوار سی مصحف
آنکھیں جو لڑیں موت سے ہو آرسی مصحف

اک خیمے میں ہم شکلِ پیمبرؐ کے سرہانے   اک شمع جلا رکھی تھی مادر کی دُعا نے
بکھرائے تھے گیسو رخِ روشن پہ ہوا نے   بند آنکھوں میں بیدار کئی خواب سہانے
وہ سوتے تھے، خالق کی رضا جاگ رہی تھی
چہرے پہ محمدؐ کی ضیا جاگ رہی تھی

بہنوں کی تمنا تھی یہ مرنے کو نہ جائیں   زینبؑ کو یہ ارمان، انہیں دولھا بنائیں
ماں لیتی تھی کس چاؤ سے چہرے کی بلائیں   دیتی تھی انہیں موت بھی جینے کی دعائیں
انفاس میں تھی نرمیِ رفتارِ محمدؐ
یہ جاگیں تو جاگ اٹھیں سب آثارِ محمدؐ

اک خیمے میں کلثومؑ کو تھا حسرت و وسواس   تلوار لیے ہاتھ میں فرماتے تھے عباسؑ
شہزادی کو ہے کس لیے محرومی کا احساس   میں فدیۂ کلثومؑ ہوں کیوں آپ کو ہے یاس
جاں نذرِ رہِ حق ہو، اگر آپ دعا دیں
جینا ہے یہی، شہ مجھے مرنے کی رضا دیں

اک خیمے میں دیکھا کہ ہے ٹھہرا ہوا جھولا   مرجھایا ہوا پھول سا اصغرؑ کا سراپا
ماں دیکھتی ہے غور سے ششماہے کا چہرہ   یہ ننھا مجاہد ہے شہادت کا چہیتا
مادر کی دعا عمرِ خضر اِن کو عطا ہو
بے چین شہادت ہے کہ اس گُل پہ فدا ہو

ہر خیمے میں اک فدیۂ حق مرنے کو تیار   تھے غم کی مدارات میں مصروف خوش اطوار
بیدار تھے انسان کی قسمت کے نگہدار   سوئے ہوئے چہروں پہ بھی تھے صبح کے آثار
اٹھارہ جواں ہاشمی و مطلبی تھے
سب سلسلہ دارانِ رسولِ عربیؐ تھے

شہ کرتے رہے اپنے شہیدوں کی زیارت   طے ہوتا رہا مرحلۂ شوقِ شہادت
دیکھا کئے اصحاب و اعزا کی شرافت   بڑھتا رہا دل گھٹتی رہی رات کی ظلمت
ان طرفہ عبادات میں شب ہو گئی آخر
تسبیح و مناجات میں شب ہو گئی آخر
پَو پھٹتے ہی لحنِ علی اکبرؑ نے اذاں دی   خاموشیِ جذباتِ شہادت کو زباں دی
جینے کی امنگوں کو نئی طرزِ بیاں دی   سوئی ہوئی انسان کی تقدیر کو جاں دی
ایسی کششِ لحن تھی، سورج نکل آیا
ظلمات میں انوار کا چشمہ اُبل آیا
مصروفِ عبادت تھے اِدھر خلد جیالے   صف بستہ اُدھر ہو گئے فوجوں کے رسالے
سب اسلحے افواجِ شقاوت نے نکالے   چلّوں میں کھنچے تیر، بڑھے برچھیوں والے
اس سمت دعائیں تھیں، اُدھر تیر و تبر تھے
سجدے تھے ادھر، خنجر و شمشیر ادھر تھے
یاں جینے کے انداز تھے، واں موت کا پیغام   یاں حرفِ محبت تھا وہاں غصّۂ و دشنام
یاں غیرتِ حق، واں ہوسِ دولت و انعام   یاں صبح کی کرنیں تھیں وہاں تھی سیہِ شام
یاں پرورشِ اقدار کی مقصودِ نظر تھی
واں مرضیِ حکام ہی معبودِ نظر تھی
شبیرؑ نے دیکھا سپہِ ظلم کو اک بار   اس چشمِ مروّت میں تھے رحمت کے سب آثار
ہاتھوں سے اشارہ کیا رک جائیں ستم گار   موقوف کریں باجوں کی آواز خطاکار
اِس حکم پہ تھا سارا جہاں گوش بر آواز
تھے حاضر و آئندہ زماں، گوش بر آواز
گویا ہوا اس طرح بنِ ساقیِ کوثر ∴   پہلے تو کیے حمد سے سوکھے ہوئے لب تر
پھر آپ نے قرآں رکھا ہاتھوں کے اوپر   ہر آیتِ ساطع کو دیا نطقِ پیمبرؐ
فرمایا کہ پہچان لو قرآن ہے کس کا
یہ جان لو گھر مطلعِ ایماں ہے کس کا

میں سبطِ پیمبرؐ ہوں محمدؐ کی زباں ہوں
میں سیّد و سالارِ جوانانِ جناں ہوں
میں راکبِ دوشِ شہ معراج نشاں ہوں
میں نطق ہوں قرآن کا ایمان کی جاں ہوں
مَیں حرمتِ کعبہ ہوں میں ضامن ہوں اماں کا
میں راہبر و قبلہ نما متقیاں کا
آوردہ ہے در کا مرے وجداں ہو کہ الہام
پروردہ ہے گھر کا مرے ایماں ہو کہ اسلام
جد ہیں مرے بوطالبِ خوش بخت و خوش انجام
حمزہ ہوں کہ جعفر مرے ماضی کے ہیں دو نام
ماں سیّدۂ عالم و معراجِ رسالت
مخدومۂ مریم، گہرِ تاجِ رسالت
ہے باپ مرا مرضیٔ خالق کا خریدار
وہ نفسِ خدا جان و دلِ سیّدِ ابرار
وہ شیرِ خدا حق نے عطا کی اسے تلوار
قرآن و حدیث اس کے ثنا خواں و طرفدار
جز اُس کے کوئی اور یداللہ نہیں ہے
جو اس کا مخالف ہے حق آگاہ نہیں ہے
تلواروں کے طوفاں میں رہا تیغِ خدا وہ
گرنے لگا اسلام تو نصرت کو اٹھا وہ
باطل سے دبا حق تو سپر بن کے بڑھا وہ
"کل کفر" اٹھا ہے تو "کل ایمان" بنا وہ
انکارِ صداقت ہے جو تم اس کو نہ جانو
کفرانِ بصیرت ہے جو تم اس کو نہ جانو
کس تیغ کے پانی نے کیا کعبۂ دیں پاک
کس پاؤں کی معراج ہے دوشِ شہِ لولاک
ہیں کون و مکاں آئینہ یہ کس کا ہے ادراک
کرتے ہیں فلک سجدہ جہاں کس کی ہے وہ خاک
تپتا ہوا صحرا ہے بہار اس کے قدم سے
ہے فرشِ زمیں عرش شکار اس کے قدم سے
نانا ہے مرا آخری انعام خدا کا
جو لفظ بھی ہے اس کا، ہے الہام خدا کا
جو فعل ہے اس کا، ہے سرانجام خدا کا
ہے روزِ ابد تک وہی پیغام خدا کا
نور اس کا نہ ہوتا تو جہاں خلق نہ ہوتے
ہوتے نہ جو وہ، کون و مکاں خلق نہ ہوتے

ہاں "اوّل ما خلق" کا مصداق وہی ہے   روزِ ازل انسان کا میثاق وہی ہے
سرچشمۂ تخلیق کا اطلاق وہی ہے   دریائے کرم مصدرِ اشفاق وہی ہے
وہ خُلقِ عظیم اور وہی رحمتِ حق ہے
ناقابلِ تنسیخ صداقت کا سبق ہے
وہ احسنِ تقویمِ زماں، اُسوۂ کامل   ہیں سلسلہ دار اس کے نبیوں کے سلاسل
اس نے ہی کیا شر کو زبوں، ظلم کو باطل   دشمن نے بھی مانا ہے اُسے صادق و عادل
کون اور مکاں بارشِ رحمت میں ہیں اس کی
تم ایسے زیاں کار بھی امت میں ہیں اس کی
وہ آتے نہ دنیا میں تو انصاف کہاں تھا   انسان تو انساں ہے خدا حرفِ گماں تھا
تھا ہست عدم، نورِ یقیں صرف دھواں تھا   سچ وہم تھا اور علم بس اک طرزِ بیاں تھا
اللہ گماں رہتا محمدؐ جو نہ ہوتے
حق کنزِ نہاں رہتا محمدؐ جو نہ ہوتے
اطفال و حرم میرے محمدؐ کی ہیں عترت   حاصل ہے مجھے آج محمدؐ کی نیابت
ایماں کا ہے جز آلِ محمدؐ کی مودّت   اے امتیاں، کیا ہے یہی اجرِ رسالت؟
کیا ظلم ہے قرآن تو ہاتھوں میں لیے ہو
اور مصحفِ ناطق کو مٹانے پہ تلے ہو
میں معنئ قرآں ہوں، یہ قرآن سے پوچھو   میں حاملِ ایماں ہوں، یہ ایمان سے پوچھو
میں عظمتِ انساں ہوں، یہ انسان سے پوچھو   میں مرضئ یزداں ہوں، دل و جان سے پوچھو
مجھ کو نہیں قرآں کو بھی تم قتل کروگے
انساں کو بھی یزداں کو بھی تم قتل کروگے
یہ جان لو سچ کے ورثا مر نہیں سکتے   وہ لوگ جو ہیں حق کی رضا مر نہیں سکتے
مقتولِ رہِ صدق و صفا مر نہیں سکتے   مر کر بھی ہمارے شہدا مر نہیں سکتے
الفاظ بھی اور معنئ قرآں بھی امر ہیں
ایماں ہی نہیں حامئ ایماں بھی امر ہیں

میں روشنیٔ جودتِ فکرِ حکما ہوں   رشکِ فصحا، نازشِ طبعِ شعرا ہوں
میں آیتِ حق، نورِ چراغِ علما ہوں   میں وارثِ علمِ لدنی، نقطۂ با ہوں
احمد تھے اگر شہر تو میں علم کا در ہوں
وہ مطلعِ انوار، میں تکمیلِ نظر ہوں
حق مجھ پہ کسی کا ہو تو وہ سامنے آئے   گر غصب کیا مال کسی کا تو بتائے
جس کا بھی ہوں مقروض حساب اپنا دکھائے   خوں میرا جو چاہے وہ نظر مجھ سے ملائے
مہر آنکھوں پہ ہونٹوں پہ لگی ہے جو ہو خاموش ؟
کیا تیغِ قضا سر پہ کھڑی ہے جو ہو خاموش ؟
تم نے مجھے خط لکھ کے بلایا ہے یہاں پر   ہر خط میں دیا واسطۂ خالقِ اکبر
لکھا تھا کہ "ہم لوگ ہیں بے ہادی و رہبر   غاصب ہے یزیدِ ستم آرا و جفا گر"
"ہم بیعتِ باطل کسی عنواں نہ کریں گے"
لکھا تھا کہ "ہم جھوٹ سے پیماں نہ کریں گے"
تم نے مجھے لکھا تھا کہ "اے قبلۂ ایماں   چشمے ہیں رواں، شاخِ ثمر دار ہے رقصاں
ہیں منتظرِ حکم زرہ پوش جواناں   نصرت کے لیے سینکڑوں تلواریں ہیں عریاں
سرسبز ہے، شاداب ہے کشت، آئیے مولا
بارانِ کرم بن کے برس جائیے مولا"
میں آیا تو تم ظلم کے لشکر کی طرف ہو   بیعت میں ہو غاصب کی ستمگر کی طرف ہو
ایماں کی طلب تھی ہوسِ زر کی طرف ہو   باطل کی طرف دشمنِ داور کی طرف ہو
تم جنگ ہو، میں امن و محبت کا چلن ہوں
تم مکر کی تلوار ہو، میں صلحِ حسنؑ ہوں
میں قافلۂ شوق، جہاں گیر نظر ہوں   میں "کُن" ہوں، میں تخلیق کے نغمے کا سفر ہوں
میں قحط میں انسانوں کے تکمیلِ بشر ہوں   فطرت کی تمنا ہوں، دعاؤں کا اثر ہوں
تم گمرہیِ دست ہوں، حق کی خبر میں
تم دستِ تعدّی ہو، شہادت کا سفر میں

تم آج ہو جس جبر کی بیعت کے طلب گار   تم آج ہو جس جھوٹ کی طاقت کے علم دار
کل ہو گے اسی جبر کے حلقے میں گرفتار   یہ جھوٹ ہی بیچے گا تمھیں کل سرِ بازار
کل روندے گا تم کو یہی دربارِ حکومت
کھینچے گا تمھیں دار پہ سردارِ حکومت
پھیرو گے نظر مجھ سے تو حق تم سے پھرے گا   خوابوں میں بھی خوں میرا اماں تم کو نہ دے گا
جو مجھ کو مٹائے گا وہ دنیا سے مٹے گا   ہو جس کے ہوا خواہ، وہی قتل کرے گا
کل نام تمھارا نہ یزیدوں میں رقم ہو
میں چاہتا ہوں تم بھی شہیدوں میں رقم ہو
یہ طے ہے کہ میں بیعتِ باطل نہ کروں گا   جو راہ صداقت کی ہے وہ راہ چلوں گا
تم جان کے خواہاں ہو تو میں جان تمھیں دوں گا   سر کٹتا ہے کٹ جائے میں پیچھے نہ ہٹوں گا
دولت کے لیے تم نے تو ایمان بھی بیچے
ذلت کے عوض ذہن و دل و جان بھی بیچے
جس طرح میں آیا ہوں، نہیں جنگ کا یہ طور   میں لڑنے کو آتا تو ادا ہوتی میری اور
ہوتے نہ مرے ساتھ حرم کچھ تو کرو غور   اطفال کو کیوں لاتا کہ ہوں نذرِ غم و جور
میں مرگ کو بھی گوہرِ جاں بخش رہا ہوں
اے شامیو میں صبحِ اماں بخش رہا ہوں
مہمان بلا کر مجھے پانی بھی کیا بند   نصرت ہے کدھر، کیا ہوئی وعدوں کی یہ قند
کیا ہو گئیں وہ کھیتیاں وہ شاخ برومند   رکھا ہے کہاں آبِ خنک، میوۂ خورسند
تیغوں کے ثمر، برچھیوں کے پھل ہیں مقابل
بیعت کے عوض، فوجوں کے بادل ہیں مقابل”
یہ سن کے بڑھا صف سے بن سعدِ ستم گر   ڈرتا تھا کہ دل جیت نہ لے حق کا پیمبر
چلّے میں رکھا تیر کہا فوج سے بڑھ کر   شاہد رہو میں تیر چلاتا ہوں اماں پر
تیغ و تبر اٹھے جو کھلا بابِ مظالم
یہ تیر تھا دیباچۂ ابوابِ مظالم

سرور پہ نہیں، سینۂ ایماں پہ چلے تیر
امن اور محبت کے گلستاں پہ چلے تیر
ذلت کی طرف سے دلِ یزداں پہ چلے تیر
شہ کے رفقا پر نہیں قرآں پہ چلے تیر
مقتولِ ستم ہو گئے اوراق صحف کے
دن ڈھلتا گیا گرتے گئے باب شرف کے
رخصت ہوا ایک ایک رفیقِ شہِ ابرار
بڑھ بڑھ کے گلے موت سے ملتے رہے انصار
میداں میں گئے شہ کے عزیزانِ طرح دار
تا عصر ہوا خاک یہ ہنستا ہوا گُل زار
قاسمؑ ہیں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ حسیں ہیں
حد یہ ہے کہ گہوارے میں اصغرؑ بھی نہیں ہیں
تنہا سپہِ ظلم میں ہے سیدِ ذیشاں
گھر لٹ گیا آباد ہوا گنج شہیداں
اطفال ہیں سہمے ہوئے، ہیں بیبیاں گریاں
جز عابدؑ بیمار نہیں کوئی نگہباں
لاشیں ہیں شہیدوں کی غمِ بے کفنی ہے
شبیرؑ ہیں اور دردِ غریب الوطنی ہے
بیٹے ہیں نہ بھائی، نہ بھتیجے، نہ مددگار
لشکر ہے نہ ہیں لشکریاں اور نہ علم دار
غم، بھوک، عطش ہیں یہی اب شاہ کے انصار
لے دے کے ہے تنہائی کا احساس ہی غم خوار
غم کتنے اکیلا دلِ صد پاش اٹھائے
ہر یاد چلی آتی ہے اک لاش اٹھائے
بچپن کے وہ دن اور وہ نانا کی محبت
وہ لطف کی آغوش، جو عالم کی تھی رحمت
وہ گردن و رخسار پہ لب ہائے نبوت
اشک آنکھوں میں دیکھیں تو وہ بیتابیِ حضرت
نانا جو اٹھے دہر سے غم خوار تھی مادر
ہر دھوپ میں اک سایۂ دیوار تھی مادر
ماں، جس کی ریاضت پہ فدا دولتِ ثقلین
جس کے لیے تعظیم کو اٹھتے شہِ کونینؐ
مرتے ہوئے بھی بیٹوں کی خاطر تھی جو بے چین
خود کھانا پکایا کہ نہ بھوکے رہے حسنینؑ
فریاد کی آواز اک آتی ہے کہیں سے
روتی ہوئی آئی نہ ہو ماں خلدِ بریں سے

مشہور ہے بابا کے زمانے میں سخاوت   دشمن کی بھی کرتے ہیں مدد وقتِ مصیبت
فاقوں میں بھی وہ دبدبہ و صولت و حشمت   دنیا کے سلاطیں سے جدا طرزِ حکومت
اے ساقیِ کوثر! مری تشنہ دہنی دیکھ
اے دستِ خدا! میری غریب الوطنی دیکھ
اَدرکنی، مددگارِ خدا، وقتِ مدد ہے   جاں تن میں گرہ بنتی ہے، آ، وقتِ مدد ہے
ہے ناخنِ غم عقدہ کشا، وقتِ مدد ہے   پیاسی ہے شفاعت کی دعا، وقتِ مدد ہے
فوجیں ہیں اُدھر، یادوں کا سیلاب اِدھر ہے
یا شیرِ الٰہی! تری نصرت پہ نظر ہے
وہ بھائی جو تھا وارثِ اورنگِ اَمامت   طفلی سے رہی شاملِ حال اس کی رفاقت
تھا احمدؐ و زہراؑ کی طرح پیکرِ الفت   چھوٹا جو مدینہ تو چھٹی بھائی کی تربت
باغ اس کا مرے ساتھ ہی تاراج ہوا آج
دو لال حسنؑ کے ہوئے مقتولِ جفا آج
ہر یاد پہ اک تیر سا لگتا ہے جگر پر   سینے میں مسلتا ہے کوئی دل کو برابر
غم بڑھتا ہے یاد آتے ہیں جس وقت برادر   آنسو امنڈ آتے ہیں جو یاد آتی ہیں مادر
پیاس اور بھی بڑھتی ہے جو لیں نام علیؑ کا
پھٹ جاتا ہے دل پڑھتے ہیں کلمہ جو نبیؐ کا
فرزند و اعزا ہیں نہ اصحابِ یگانہ   ہے کون جو تھامے کمر و بازو و شانہ
ہیں زخم پہ زخم اور فسانے میں فسانہ   سب روشنیاں بجھ گئیں، تیرہ ہے زمانہ
اب ماہِ شب و مہرِ سحر ساتھ نہیں ہیں
نورِ نظر و لختِ جگر ساتھ نہیں ہیں
مہمانیٔ حُرؑ کرنے نہ پائے، وہ سدھارے   جونِؑ حبشی ہاشمیوں سے بھی تھے پیارے
مسلمؑ کی ضعیفی تھی جوانوں کو سہارے   وہبؑ اور زہیرؑ ایسے جری ظلم نے مارے
خدام نہیں یاور و ناصر بھی نہیں ہیں
بچپن کے رفیق ابنِ مظاہر بھی نہیں ہیں

قاسم کو بھی ضد موت ہی سے بیاہ رچائیں   زینبؑ کے پسر چاہتے تھے مرنے کو جائیں
عباسؑ کو غم ، پیاس سکینہ کی بجھائیں   اکبرؑ تھے مُصِر ماں کی ریاضت کو لٹائیں
اصغرؑ کا گلا تیرِ ستم کھانے کو بیتاب
تھیں گودیاں ماؤں کی اجڑ جانے کو بیتاب
یاد آتی ہے بیٹی جسے چھوڑ آئے ہیں گھر میں   کیا کیا اسے حسرت تھی رہے ساتھ سفر میں
شکل اس کی پھرا کرتی ہے ہر وقت نظر میں   کیا حال ہے بیمار کا اب ہجرِ پدر میں
اصغرؑ کا اسے دودھ بڑھانے کا تھا ارمان
اکبرؑ کی دلھن بیاہ کے لانے کا تھا ارمان
آیا نہیں مدت سے کوئی قاصدِ خوش گام   اللہ عطا کر تو اُسے صحت و آرام
خط بھی اسے لکھ پائے نہ ہم تشنۂ پیغام   مجھ سے نہ خفا ہو کہیں وہ میری گل اندام
کہہ دے کوئی صغراؑ سے اب اکبرؑ کو نہ ڈھونڈے
اب صبر کرے باپ کو، اصغرؑ کو نہ ڈھونڈے
یاد آئیں جو صغراؑ تو ہوا درد فزوں اور   ہر زخمِ جدائی سے ٹپکنے لگا خوں اور
دنیائے دنی ہو گئی آنکھوں میں زبوں اور   گھٹنے کی جگہ بڑھ گئے کچھ صبر و سکوں اور
اب آنکھیں ہیں اور آنکھوں میں تصویرِ حرم ہے
جاں کا نہیں غم ، چادرِ تطہیر کا غم ہے
یاد آتا ہے وہ خیمۂ تطہیر میں جانا   وہ آخری رخصت کے لیے سب کو بُلانا
روتے ہوئے بچّوں کو وہ گودی میں اٹھانا   وہ بیٹیوں ، بہنوں کو کلیجے سے لگانا
بانوؑ کی حیا ، لیلیٰؑ کا وہ پاسِ محبّت
دوری میں سوا ہوتا ہے احساسِ محبّت
وہ عابدؑ بیمار کے شانوں کو ہلانا   وہ اشک چھڑک کر انہیں غفلت سے جگانا
شبّیرؑ کی تنہائی پہ غش پھر انہیں آنا   نظروں ہی سے پڑھ لینا تباہی کا فسانا
شام ان کی اسیری کی تصوّر میں کھڑی تھی
گردن میں رسن پاؤں میں زنجیر پڑی تھی

زینبؑ کی وہ بے تابیِ دل، اشک بہانا   مسند پہ رسالت کی وہ بھائی کو بٹھانا
وہ بر میں ردا فاطمہؑ زہرا کی پنھانا   شانوں پہ پیمبرؐ کی عبا لا کے اڑھانا
مادر کی وصیت جو بجا لاتی تھیں زینبؑ
حلقوم کے بوسے ہی لیے جاتی تھیں زینبؑ

بیواؤں کی نظروں میں اُجڑتا ہوا گھر تھا   سب لٹ گئی تھیں راہ میں، کیسا یہ سفر تھا
اطفال کے دل میں بھی گرفتاری کا ڈر تھا   سب کو تھی خبر، حادثہ جو پیشِ نظر تھا
کلثومؑ کی آنکھوں میں تھی تصویر علیؑ کی
بھائی کے لیے لائی تھیں شمشیر علیؑ کی

رخصت کو اٹھایا جو درِ خیمہ کا پردہ   اطفال نے دامانِ عبا تھام کے روکا
فریاد کا غل بی بیوں کے حلقے سے اُٹھا   روتی ہوئی ہمراہ چلیں ثانیِ زہراؑ
بچّوں کے سہارے سے قدم آگے بڑھے ہیں
زینبؑ نے سنبھالا ہے تو گھوڑے پہ چڑھے ہیں

چلتے ہوئے مرکب کا ٹھہر جانا وہ اک بار   پوچھا تھا، ہوا کیا تجھے اے اسپِ وفادار
کیا آخری خدمت کے لیے تو نہیں تیار   دیکھا کہ ہے آنکھوں سے رواں آنسوؤں کی دھار
مرکب کا اشارا تھا ٹھہر جایئے آقا
پکڑے ہیں سکینہؑ نے قدم دیکھیے آقا

وہ بالی سکینہ کا لپٹ جانا پدر سے   یاد آتی ہیں باتیں جو ہوئیں لختِ جگر سے
کہتی تھی، چلے آپ تو وحشت ہوئی گھر سے   نیند آ نہیں سکتی مجھے جلّادوں کے ڈر سے
رات آنے سے پہلے ہی چلے آیئے بابا
پانی جو ملے میرے لیے لایئے بابا

یادوں کا ہجوم اور اکیلا دلِ مضطر   اک یاد سے دامن جو چھڑا لیتے ہیں سرور
دامن سے لپٹتا ہے نئی یادوں کا لشکر   یاد آئے کبھی بالی سکینہؑ، کبھی اصغرؑ
ہر یاد میں اک تازہ مدارات ہے غم کی
ہر چوٹ جو سینے میں ہے سوغات ہے غم کی

تلوار چلائی ہے تو شل ہو گئے ہیں ہات   کیا جنگ کریں، مر گئے عباسؑ خوش اوقات
پہلو میں ہے شمشیرِ علیؑ محوِ مناجات   آ پہنچی ہے نزدیک بہت ساعتِ طاعات
چہرے پہ ہے خوں، لب پہ محبت کا سبق ہے
گمراہوں کا غم، ذلّتِ انساں کا قلق ہے
چھائی ہے گھٹا ظلم کی خورشیدِ شرف پر   سنگ اڑتے ہوئے آتے ہیں ایماں کے صدف پر
نرغہ ہے جفاؤں کا پیمبرؐ کے خلف پر   تلواریں برستی ہیں دُرِ شاہِ نجف پر
ہے ایک ہدف اور کماں دار ہزاروں
اک مصحفِ حق اور خطا کار ہزاروں
تیر آتے ہیں سینے پہ، کڑکتی ہیں کمانیں   گرز اور تبر ہیں کہ قضا کی ہیں اڑانیں
پہلو میں ہیں پیوست خطا کار سنانیں   پیاسے کا لہو پیتی ہیں نیزوں کی زبانیں
گرنے کو ہیں شہ اور کوئی ہمراہ نہیں ہے
دشمن ہیں سبھی، کوئی ہوا خواہ نہیں ہے
پیشانیِ اقدس پہ لگا آ کے جو پتھر   خوں اتنا بہا سرخ ہوئی ریشِ مطہّر
بند آنکھیں جو کیں نیزہ لگا پہلو کے اوپر   گھوڑے سے چلا سوئے زمیں سبطِ پیمبرؐ
کون آج اتارے گا انہیں تھام کے زیں سے
نانا تو بلائے کوئی فردوسِ بریں سے
وہ مصحفِ حق گرتا ہے جو حق کی اماں ہے   وہ گرتا ہے جو احمدؐ مرسل کی زباں ہے
وہ گرتا ہے جو فاطمہؑ کا پارۂ جاں ہے   وہ گرتا ہے جو فاتحِ خیبر کا نشاں ہے
وہ گرتا ہے قرآن و خدا جس کی طرف ہے
وہ گرتا ہے جو دستِ دعا، برجِ شرف ہے
تلواریں تڑپتی ہیں کہ پہلو میں اُسے لیں   جھکتی ہیں سنانیں کہ دل و دیدہ کو چومیں
بے چین ہیں نیزے کہ وہی بڑھ کے اتاریں   منہ چومتی ہیں تیروں کی بے آب زبانیں
ہتھیاروں میں رستہ جو نہیں پاتی ہیں زہراؑ
پھیلائے ہوئے باہوں کو چلاتی ہیں زہراؑ

شمر آتا ہے خنجر بکف و رعشہ بر اندام   ہونے کو ہے وہ ظلم کہ ہو جائے گا کہرام
سرِ نور کا کٹ جائے گا روئے گی لہو شام   شق ہو گی زمیں غم سے فلک ہو گا سیہ فام
روحِ قدس اب مرثیہ خوانی کے لیے ہے
سرچشمۂ فیضِ اشک فشانی کے لیے ہے

اے خیرِ بشر! اپنے نواسے کو سنبھالو   اے سیدہؑ! فرزند کے چہرے کی بلا لو
اے عقدہ کشا دہر کے، پیاسے کو بچا لو   حق والو، یہ ہے حق کا علم بڑھ کے اٹھا لو
حق اور صداقت کا گلا کٹتا ہے لوگو
انساں کی نجابت کا گلا کٹتا ہے لوگو

آئی جو کمی مہرِ حق آگاہ کی ضو میں   گہنا گئے سورج کئی ظلمات کی رو میں
ایمان کا گھر جلنے لگا ظلم کی لو میں   پامال ہوئی نعشِ حسینؑ اس تگ و دو میں
خیمے سے وہاں زینبؑ گریاں نکل آئی
گھبرا کے یہاں شامِ غریباں نکل آئی

اس سانحے کی خیمے میں جب تک خبر آئے   تاریکی میں اٹھتے ہوئے شعلے نظر آئے
لے کر رسن و طوق کئی بد گہر آئے   رخسارِ سکینہؑ پہ طمانچے ابھر آئے
غم کرنے کی غمخواروں کو فرصت نہ ملے گی
جی کھول کے رونے کی اجازت نہ ملے گی

انساں کو جاں بخشی جو مر کر شہدا نے   سر کاٹ لیے گمرہیِ دستِ قضا نے
بخشی تھی جنہیں چادرِ تطہیر خدا نے   کون آئے گا اب ان کی رداؤں کو بچانے
بے گور و کفن لاش شہیدوں کی پڑی ہے
یاں ثانیِ زہراؑ پہ قیامت کی گھڑی ہے

ہے خاتمۂ روزِ عزا شامِ غریباں   وہ قتلِ شہیداں تھا تو یہ خونِ یتیماں
عریاں سر و لب تشنہ ہیں اوراقِ بہاراں   ہے خیمۂ غم اور مظالم کا بیاباں
عاشور کے ہر غم سے مصیبت یہ بڑی ہے
منزل سے شہادت کی بھی منزل یہ کڑی ہے

اب سیدِ سجادؑ ہیں اور رنجِ سفر ہے   پھیلی ہوئی تا حدِّ نظر راہِ خطر ہے
ہر گام پہ اک چابکِ شمشیر اثر ہے   بیمار ہے اور آبلہ پا راہ گزر ہے
اے قافلۂ شوق! زمانہ ہے ترے ساتھ
شبیرؑ کا خوں ریز فسانہ ہے ترے ساتھ

مرثیہ ۶

تیغِ زبانِ زینبؑ

رات یہ حق کے چراغوں پہ بہت بھاری ہے

(درحالِ ثانیِ زہراؑ زینبؑ کبریٰ بنتِ علیؑ)

ثانیِ زہراؑ زینبِ کبریٰؑ شہادتِ حسینؑ کے مقصد کی تبلیغ و اشاعت کا استعارہ ہیں۔ کربلا اِن کے بغیر نامکمل رہتا اور مقصدِ شہادت ناتمام رہ جاتا۔ ماں سے عصمت و طہارت کی چادر ورثے میں پائی، باپ سے فصاحت و بلاغت کے ساتھ شجاعت و صداقت کے جوہر ملے۔ جب مدینے سے امامؑ سفر کرنے لگے تو آپ نے اپنے بیمار شوہر اور ابنِ عم عبداللہ ابن جعفرؓ سے بھائی کا ہم سفر ہونے کی اجازت حاصل کی۔ مکّے سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن جعفرؓ سیدالشہداؑ کو سفرِ عراق کے خطرات سے آگاہ کرنے آئے۔ جب دیکھا کہ شہادت کے سفر سے باز آنے والے نہیں تو اپنے دو بیٹے عونؑ و محمدؑ قافلۂ شہادت کے ہمراہ کر دیے۔ روزِ عاشور جناب زینبؑ نے ان دونوں بیٹوں کی قربانی دی۔ انیسؔ کے مراثی کی بنیاد پر یہ روایت عام ہوگئی ہے کہ پسرانِ زینبؑ نے صبحِ عاشور علم کا منصب پانے کے لئے ضد کی تھی کہ وہ دادا اور نانا دونوں کی طرف سے اس کے حق دار تھے۔ ماں کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، اور شہادت ہی کو دنیا و آخرت کا سب سے بڑا منصب سمجھ کر اسے اپنا لیا۔ بیٹوں کی شہادت پر زینبؑ کا صبر سیدالشہداؑ کے ثباتِ قدم کا سہارا ثابت ہوا۔ بھائی کی شہادت کے بعد امام بھتیجے (حضرت زین العابدینؑ) کی بیماری کے باعث اسیروں کی قافلہ سالاری آپ کو ملی۔ شامِ غریباں اس امتحان کی پہلی منزل تھی، مقبولِ عام روایت کے مطابق مولا مشکل کشاؑ خود اس شب بیٹی کی مدد کرنے تشریف لائے تھے۔ اسی رات زینبؑ کی زبان کو باپ کی تلوار کا جوہر عطا ہوا۔

لسانِ زینبؑ نے حسینؑ و عباسؑ کی شمشیروں سے بڑا کام کیا، کوفے کا بازار، ابن زیاد کا دربار، شام تک صبر آزما سفر، دمشق کے ہجوم، دربارِ ملوکیت میں ساری دنیا کے تماشائیوں کا

نرغہ اور یزید کی بے ادبیاں۔ اِن سب مواقع پر اگر کوئی تیغ اٹھی اور ظلم و کذب کے سر پر کوندی تو وہ زینبؑ کے خطبات کی تلوار تھی یا بیمار امامؑ چہارم کی زبان کا اعجاز — یہ مرثیہ اسی رزمیہ کی تفصیل ہے۔

اس مرثیے میں حضرت زینبؑ نے کوفے اور دربارِ یزید میں جو خطبات دیے تھے، ان کو شاعرانہ آرائشوں کے ساتھ اردو شعر کی زبان میں ڈھالنے کی سعی کی گئی ہے۔ آپ کی جرأتِ اظہار آج بھی ہر ظلم کے خلاف جہاد باللسان کا بہترین نمونہ ہے۔

رات یہ حق کے چراغوں پہ بہت بھاری ہے
سانس لینے میں بھی ایمان کو دشواری ہے
کشمکشِ مرگ و مسیحائی میں اب جاری ہے
چارہ گر آ بھی چکیں، کوچ کی تیاری ہے
نشۂ فتح میں باطل ہے کہ آتا ہے یزید
مسندِ عدل پہ حق اپنا جتاتا ہے یزید

صلح کرتا ہے اندھیروں سے جو، وہ ناری ہے
نقص ایمان کا ظالم کی نمک خواری ہے
مرگِ دل تخت و حکومت کی پرستاری ہے
سرفرازیِ مناصب میں نگوں ساری ہے
شب بجاں ہوگی نہ صبحوں کی امانت داری
جان دے دے گی، بکے گی نہ دیانت داری

عدل گاہوں میں ستمگر کی عمل داری ہے
صدق بھی جرأتِ کردار سے اب عاری ہے
نگہ و لب پہ لگی مُہرِ طلب گاری ہے
ذہن و دل جو بھی ہے محکوموں کا سرکاری ہے
علم کو جہل نے انعام کی رشوت دی ہے
بزدلی نے قدمِ ظُلم پہ بیعت کی ہے

مسند آرائے حکومت ہے ستم دُنیا میں
موردِ ظلم ہیں اربابِ ہمم دُنیا میں
دولتیں بانٹتی ہیں درد و الم دُنیا میں
بے نیازانِ جہاں پاتے ہیں غم دنیا میں
جبر کا حکم ہے سرمایۂ غم لٹ جائے
زر کا فرماں ہے دُرِ دیدۂ نم لٹ جائے

چشمِ بینا سے تقاضا ہے نظر بھی نہ اُٹھے
گوشِ شنوا کو اشارہ ہے کہ دل کی نہ سنے
لبِ گویا سے ہے اصرار کہ وہ کچھ نہ کہے
ذہنِ بیدار کو تاکید ہے اب سو جائے
فکر ہے یہ کہ زباں لفظ سے تر ہو نہ سکے
دشتِ ظُلمات میں شمعوں کا سفر ہو نہ سکے

دل کو غم ہے کہ دھڑکنے کا سلیقہ نہ رہا
چشم نم ہے کہ بہکنے کا سلیقہ نہ رہا
آگ چپ ہے کہ بھڑکنے کا سلیقہ نہ رہا
پھول حیراں کہ مہکنے کا سلیقہ نہ رہا
ذہن ہیں سرد کہ افکار کی دولت ہی نہیں
ہونٹ ہیں خشک کہ اظہار کی مہلت ہی نہیں

روز و شب جہدِ شکم، کاہشِ جاں کی زنجیر
آمد و رفتِ نفس عمرِ گراں کی زنجیر
دیدۂ و دل غمِ آفاتِ جہاں کی زنجیر
گوش و لب نوحہ و فریاد و فغاں کی زنجیر
کس سے یہ پوچھئے کیا لطف ہے آزادی کا
مرثیہ پڑھتی ہیں آبادیاں بربادی کا

کوئی رستہ ہو کہ حالات کی زنجیر کٹے
کوئی تیشہ کہ غمِ ذات کی زنجیر کٹے
کوئی شعلہ ہو کہ ظلمات کی زنجیر کٹے
کوئی سورج ہو کہ اس رات کی زنجیر کٹے
کوئی رہبر ہو تو یہ قید کی دیوار گرے
جبر کے ہاتھ یہ خود جبر کی تلوار گرے

نوح غرقاب ہیں طوفان کی منجدھاروں میں
قید موسیٰ ہوئے فرعون کے درباروں میں
یوسف آ آ کے بکے مصر کے بازاروں میں
ہیں مسیحا نفسِ چند کے بیماروں میں
نجد کے دشت کو مجنوں کے قدم یاد نہیں
نہرِ شیریں کو ہے شکوہ، کوئی فرہاد نہیں

کیسے قرآن اترتا ہے حرا سے پوچھیں
کیسے ملتا ہے خدا، بیتِ خدا سے پوچھیں
شوکتِ فاقہ و فقرِ آلِ عبا سے پوچھیں
قوتِ نانِ جویں قلعہ کشا سے پوچھیں
موت تیرے وہ طلبگار نمازی ہیں کہاں؟
زندگی تیرے مسیحا، تیرے غازی ہیں کہاں؟

اہلِ ہجرت کے وہ انصار و رفیقاں ہوئے کیا
بدر کے تیغ بکف بے سر و ساماں ہوئے کیا
احد و خندق و خیبر کے غریباں ہوئے کیا
فتحِ مکہ کی شرافت کے نگہباں ہوئے کیا
امن کے جو تھے محافظ، وہ مجاہد ہیں کہاں
جن کا کردار تھا اللہ کا شاہد ہیں کہاں

بھر کے سائل کا شکم، کون رہا روزے سے   پیٹ پہ باندھ کے پتھر جو لڑے کیسے تھے
سنگباروں کو محبت سے دعا دی کس نے   کیسے مخدوم تھے جو خادمِ خدّام رہے
خاک پر بیٹھنے والے فلک آثار ہیں کون
مرضیِ خالقِ عادل کے خریدار ہیں کون

عشقِ سلماںؓ ہے کہاں، صدقِ ابوذر ہے کدھر   حق نما جرأتِ عمّارِ دلاور ہے کدھر
خندہ زن ظلم پہ میثم کا کٹا سر ہے کدھر   رُعبِ حمزہ ہے کہاں، صولتِ جعفر ہے کدھر
ہیں کہاں جن سے رسالت کا پتا ملتا ہے
جن کی تلواروں کے سائے میں خدا ملتا ہے

روک دے ظالموں کو جو، وہ شجاعت ہے کدھر   ٹوکے حاکم کو سرِ عام، وہ جرأت ہے کدھر
کانپ اٹھیں قیصر و کسریٰ بھی، وہ غربت ہے کدھر   جو غریبوں کی ہو غم خوار، وہ دولت ہے کدھر
آدمی لاکھوں کروڑوں ہیں پہ سچ بولے کون
لب پہ ہے مُہر، خموشی کی گرہ کھولے کون

دل میں لات و ہبل اور لب پہ ہے تسبیح و درود   پردہ پوشِ ہوسِ زر ہیں قیام اور قعود
منہ سے کہتے ہیں، بجز حق ہے ہر اک لاموجود   اور عمل کہتا ہے، حاکم کی نظر ہے معبود
ظاہر ایسا ہے کہ چہروں پہ سویرا دیکھو
ذہن کو کھولو تو پُر ہول اندھیرا دیکھو

صرف ظاہر کے پرستار فقیہانِ کرام   روحِ معنی سے تہی کھوکھلے لفظوں کا نظام
ہیں مُصلّے گروِ خواہشِ لطف و انعام   دین دنیا طلبی ہی کا ہے اک رنگیں نام
ہر نفس عینِ عبادت ہو، وہ طاعت ہے کہاں
جس پہ خود ناز کرے حق، وہ عبادت ہے کہاں

وہ نمازی نہیں دنیا کے ہوں جو سجدہ گزار   جو عبادات کو بھی نفع کا جانیں بیوپار
وہ عبادت نہیں جو سجدوں میں کرتی ہے شمار   حور و غلمان و مغنّی و شراب و انہار
نارِ دوزخ سے اماں، حق کی طلب کب ہوگی
حرصِ جنت میں جو ہو، طاعتِ رب کب ہوگی

وہ نہیں حق جو ہو اربابِ سیاست کا غلام   وہ نہیں دین جو ظالم کو بھی کرتا ہے سلام
وہ نہیں کشف جو کھولے نہ گرہِ دل کی مدام   وہ نہیں کعبہ جہاں بیٹھے ہوں جھوٹے اصنام
پوچھو کعبے سے اُسے کعبہ بنایا کس نے
راستہ معرفتِ رب کا دکھایا کس نے

کب اسیرِ حرم و دیر و کلیسا ہے خدا   رگِ گردن سے قریں، دل کا دھڑکنا ہے خدا
ڈھونڈنے جاؤ تو ہر گام پہ ملتا ہے خدا   کہیں قطرہ، کہیں دریا، کہیں صحرا ہے خدا
ہو حضوری کہ نہ ہو، حاضر و ناظر ہے خدا
ظاہر و باطنِ کُل، اول و آخر ہے خدا

دولت و جاہ کی مسند پہ نہیں جلوہ نُما   چیتھڑے پہنے ہوئے گلیوں میں پھرتا ہے خدا
بھوک میں نانِ جویں، رات میں مٹی کا دیا   بے دوا اور عزاردگیوں کے غم کی دوا
عرقِ محنت و خونِ شہدا میں ڈھونڈو
رب کو جہدِ شکم و جہدِ بقا میں ڈھونڈو

جہاں غربت کے مقدر میں ہے محرومیٔ جاں   جہاں محنت کا صلہ ذلتِ فریاد و فغاں
جہاں بینائی کی تقدیر ہے چشمِ گریاں   جہاں غیرت کے لیے آب و ہوا بھی ہے گراں
وہیں ملتا ہے خدا جینے کی طاقت بن کر
غربت و محنت و بینائی و غیرت بن کر

دل نہیں زندہ تو یکساں ہیں حرام اور حلال   معرفت حق کی ہے بے معرفتِ نفس محال
آنکھیں اندھی ہوں تو سورج کا ہے دن میں بھی کال   پائے بشکستہ سے بیکار ہے منزل کا سوال
جو نہ عاشق ہو محمدؐ کا، وہ داور کا نہیں
جو نہ دے اجرِ رسالت وہ پیمبرؑ کا نہیں

جس سے انسان کا نقصاں ہو وہی شے ہے حرام   ہے زیاں روح کا ظالم کی حکومت کا قیام
جبر سے صلح میں بے روح صلوٰۃ اور سلام   جو نہ بیعت میں ہو غاصب کی وہی حق کا امام
قہر کو سہہ لے جو چپ چاپ، وہ قاہر کا شریک
جبر پر کچھ نہ کہے جو، وہ ہے جابر کا شریک

مطلعِ نور جو ہو جائے اندھیروں کا غلام   شہرِ اللہ و نبیؐ پر جو چلے سکۂ شام
مسندِ عدل پہ قائز ہوں جو قتالِ عوام   کذب منبر سے حکومت کے جو کرتا ہو کلام
ہاتھ لازم ہے کہ ظالم کی قبا تک پہنچے
سفرِ بے وطنی کرب و بلا تک پہنچے

امرِ معروف کا اعلان جو کرے، ہے وہ امام   نہیِ منکر ہے یہی، ظلم ہو رسوا سرِ عام
ہر بنِ مو کہے، جینا ہے غلامی میں حرام   زندگی اپنے شہیدوں کو کرے جھک کے سلام
تنِ صد پارہ کہے، زیست پسندی یہ ہے
نوکِ نیزہ بھی کہے، سر کی بلندی یہ ہے

ہر عمل حق کی گواہی ہو، عبادت ہے یہی   ہر نفس آیتِ روشن ہو، تلاوت ہے یہی
ہر نظر کذب کو جھٹلائے، صداقت ہے یہی   ہر قدم رہبرِ کامل ہو، قیادت ہے یہی
ہم قدم جو رہیں، کشتیِ نجات اُن کو ملے
جو رہیں ساتھ، ابد تک کی حیات اُن کو ملے

بازو کٹ جاتے ہیں ایماں کی علمداری میں   مشک چھد جاتی ہے کوثر کی طلبگاری میں
گھر اُجڑ جاتے ہیں مظلوموں کی غم خواری میں   موت ملتی ہے گلے زیست کی سالاری میں
حق کی ہے چاہ جنھیں، تشنہ دہن رہتے ہیں
جسم آزادوں کے بے گور و کفن رہتے ہیں

وہ نہیں سجدے، شہادت کو نہ ہو جن پہ ناز   وہ نمازیں نہیں، جن میں نہ ہو سینے کا گداز
وہ اذانیں نہیں، جن میں نہ ہو دل کی آواز   وہ دعائیں نہیں، در جن پہ فلک کے نہ ہوں باز
دل میں قرآں ہو تو ہر بات تلاوت ہو جائے
رُخ کو دیکھیں تو نگاہوں کی عبادت ہو جائے

کب ہر اک بات وحی بنتی ہے کہہ دیں گے رسولؐ   منبرِ حق بولے گا، کب تیغ کا ہوتا ہے نزول
صبر کس وقت میں لازم ہے، بتائیں گی بتولؑ   دیں گے یہ درسِ حسنؑ، صلح کا کیا ہوگا اُصول
کس کی بیعت ہے حرام، آلِ نبیؐ سے پوچھو
جنگ کا طرز حسینؑ ابنِ علیؑ سے پوچھو

کون حاکم ہے دِلوں کا، یہ کہیں گے دل وجاں   کون نائب ہے خدا کا، یہ کہیں گے انساں
کون وارث ہے نبیؐ کا، یہ کہے گا قرآں   کون ہے حق کا ولی، ہوگا عمل سے اعلاں
کون حاکم ہے، دل وجانِ مدینہ کہہ دے
کون حاکم ہے غمِ حرمتِ کعبہ، کہہ دے

کہو باغی سے، وہ کچھ روز حکومت کر لے   حوصلہ جتنا ہے، پیمانے کو اپنے بھر لے
قتلِ مظلوم کا الزام بھی گردن پر لے   خونِ ناحق کا گراں بوجھ بھی اپنے سر لے
کہو باغی سے ہر اک ظُلم وغضب کر دیکھے
حاکمِ حق سے وہ بیعت بھی طلب کر دیکھے

کہو باغی سے کرے غیرتِ انساں کو شکار   ہو جو ممکن تو شرافت کے مٹا دے آثار
توڑ دے حرفِ صداقت کی سپر اور تلوار   سخنِ حق کی دیانت پہ کرے قہر کا وار
یہ نہ ممکن ہو تو پھر کرب و بلا میں آئے
سرنگوں مقتلِ شاہِ شہُدا میں آئے

حق کا حاکم ہے جو، اُس نے تو وطن کو چھوڑا   نغمے نے صوت کو، اور گُل نے چمن کو چھوڑا
نور نے شمع کو، اور روح نے تن کو چھوڑا   مشک نے نافے کو، آہو نے ختن کو چھوڑا
کہو باغی سے کہ وہ ظُلم کے لشکر لائے
تیغ و تیر و تبر و نیزہ و خنجر لائے

حق کے حاکم نے رکھی قبرِ نبیؐ کی عزت   چھوڑ دی فاطمہؑ کی قبر، حسنؑ کی تربت
حق کے حاکم سے رہی کعبۂ دیں کی حرمت   حج کو چھوڑا تو بڑھی اور بھی حج کی قیمت
ہر قدم عترت و قرآن رہے ساتھ اس کے
اس سفینے کے نگہبان رہے ہاتھ اس کے

حق نے ساتھ اپنے لیا ہے سروساماں کیا کیا   ساتھ اک گُل کے ہیں، عنوانِ بہاراں کیا کیا
غنچے ہیں ہم سفرِ نکہتِ پرّاں کیا کیا   ہیں رفیقانِ رہِ ہجرتِ ایماں کیا کیا
باندھ کر سر سے کفن غنچہ دہاں نکلے ہیں
مرنے خوش پیرہناں، سیم تناں نکلے ہیں

پیر کس شان کے، اطفال و جواں کیسے ہیں   دیکھ لے چشمِ فلک، گُل بدناں کیسے ہیں
ساتھ دیں نجم و قمر، مہر نشاں کیسے ہیں   جان لے موت مسیحا نفساں کیسے ہیں
اے شہادت! ترے خوبانِ طرحدار چلے
زندگی! چوم قدم سیّدِ ابرار چلے

احد و بدر کے سارے شہدا ساتھ ہوئے   بن کے قاسمؑ حسنِؑ سبز قبا ساتھ ہوئے
شکلِ اکبرؑ میں رسولِؐ دوسرا ساتھ ہوئے   تیغِ عباسؑ لئے عقدہ کُشا ساتھ ہوئے
خالی ہو جانے کو گہوارۂ اصغر بھی ہے ساتھ
سر سے لٹ جانے کو تطہیر کی چادر بھی ہے ساتھ

موت پر ہنسنے کو اطفالِ گُل اندام چلے   زندگی ڈھونڈھنے پیرانِ خوش انجام چلے
تیغ در دست جوانانِ سُبک گام چلے   صبح بر دوش حریفِ سپہِ شام چلے
نورِ حق ظُلمتِ باطل کی طرف آتا ہے
بولہب! دیکھ، محمدؐ کا خلف آتا ہے

اے بنِ فاطمہؑ، فرزندِ علیؑ، سبطِ نبیؐ   محرمِ سرِّ جہاں، جانِ رسولِؐ عربی
جرأت نطق ترے سامنے ہے بے ادبی   تجھ سے کہتی ہے مگر روحِ شہادت طلبی
نفع باطل کا ہے، گر زینبؑ کبرا نہ ہوں ساتھ
ہے زیاں حق کا، اگر ثانیٔ زہرا نہ ہوں ساتھ

کون سردار ترے بعد حرم کا ہو گا   کون سالارِ اسیرانِ ستم کا ہو گا
کون غم خوار یتیموں کے الم کا ہو گا   کون پُرساں ترے سجّاد کے غم کا ہو گا
ظُلم سے عدل کی حجّت نہ مکمّل ہو گی
ہوں نہ زینبؑ تو شہادت نہ مکمل ہو گی

نطق! کیا بے ادبی کرتا ہے الہام سے تو   کر وضو چشمۂ کوثر کے دو اک جام سے تو
کیا شناسا نہیں شبیرؑ کے اکرام سے تو   علم کچھ مانگ درِ علم کے خدّام سے تو
نطقِ جبریل یہاں مہر بہ لب آتا ہے
گفتگو سیکھنے یاں قاصدِ رب آتا ہے

سجدہ کرتا ہے یہیں فرقِ طرحدارِ قلم   لیتی ہے درسِ روانی یہیں رفتارِ قلم
پاتی ہے خطِ حکومت یہیں سرکارِ قلم   آ کے کھلتا ہے یہیں جوہرِ کردارِ قلم
یہیں شاعر کو عطا لوح و قلم ہوتے ہیں
اسی سرکار میں قرآن رقم ہوتے ہیں
اے قلم! سجدۂ تعظیم بجا لا پہلے   معذرت میں سرِ تسلیم کو نیوڑھا پہلے
لفظ و معنی کی غلامی سے نکل آ پہلے   خاکِ پائے بنِ حیدرؑ سے شفا پا پہلے
پھر تجھے زینبِؑ کبرا کے قدم چھونے ہیں
سر کے بل چل، تجھے زہراؑ کے قدم چھونے ہیں
اے قلم! عظمتِ زینبؑ کا بیاں کرنا ہے   دل کو خوں، آنکھ کو دریائے رواں کرنا ہے
ہے کہیں مدح کہیں آہ و فغاں کرنا ہے   قطع ہر گام پہ یاں ایک زباں کرنا ہے
کر دعا فرق نہ کردارِ سخن میں آئے
ایک لغزش بھی نہ رفتارِ سخن میں آئے
کیا کہا تو نے کہ زینبؑ نہیں شبیرؑ کے ساتھ   کیا لکھا تو نے کہ آنکھیں نہیں تنویر کے ساتھ
کب نہ تھا دیدۂ تر، نالۂ شب گیر کے ساتھ   کونسا دن تھا کہ سرور نہ تھے ہمشیر کے ساتھ
اس قدر عشق تھا شبیر کو ماں جائی کا
دل بھی اک ساتھ دھڑکتا تھا بہن بھائی کا
بھائی بچپن ہی سے غم خوار رہا خواہر کا   اُس کے سر سے جو کبھی دھوپ میں سایہ سرکا
بھائی نے سایہ کیا دوڑ کے خود چادر کا   فاطمہؑ سے نہیں کم مرتبہ اِس دختر کا
سیکھا زینبؑ نے سبق حق کا لسانِ حق سے
پائی ہے جرأتِ گفتار زبانِ حق سے
گود میں کھیلی ہیں یہ رحمتِ دو عالم کے   سیکھے ہیں سارے چلن سیدۂ اکرم کے
جذب دل میں کئے انداز سکونِ غم کے   تڑپے ہیں شیرِ خدا۔ اشک جواں کے چمکے
روئی ہیں یہ تو ہنسایا ہے نبیؐ نے ان کو
روٹھی ہیں یہ تو منایا ہے علیؑ نے اِن کو

کربلا کے لئے تخلیق کیا داور نے   خبر آئندہ کی دی ہے انھیں پیغمبرؐ نے
چوما ہے بازوؤں کو سیّدۂ اطہرؑ نے   اِن کے پردے کا رکھا پاس بہت حیدرؑ نے
رتبہ وہ، کی ہے حسینؑ اور حسنؑ نے تعظیم
چوم کر بازوؤں کو کی ہے رسن نے تعظیم

بو الگ گُل سے نہیں، گُل نہیں گلشن سے جدا   غم نہیں جاں سے الگ، جان نہیں تن سے جدا
خوں نہیں دل سے الگ، دل نہیں دھڑکن سے جُدا   شعر شاعر سے، نہ شاعر ہے کبھی فن سے جُدا
حق ہے قرآن سے، قرآن رسولِؐ رب سے
کربلا ہے شہدا سے، شہدا زینبؑ سے

سچ ہے مفہوم سے، مفہوم بیاں سے پیدا   معنی ہے لفظ سے، اور لفظ زباں سے پیدا
نغمہ ہے صوت سے، اور صوت ہے جاں سے پیدا   حُسن تغیّر سے، تغیّر زماں سے پیدا
ہیں حسینؑ ابن علیؑ کارِ خدا کی تکمیل
بنتِ زہراؑ پہ ہوئی کرب و بلا کی تکمیل

سر پہ زہراؑ کے جو تھی، چادرِ عصمت ہے وہی   عورتیں کوفے کی شاہد ہیں کہ عظمت ہے وہی
جو محمدؐ کے سخن میں تھی فصاحت ہے وہی   جو درِ علم میں تھی، اِن میں بلاغت ہے وہی
پردہ حائل ہو تو لہجہ ہے وہی حیدرؑ کا
ہم سخن جو شبِ معراج تھا پیغمبرؐ کا

احمدؐ اسلام ہیں، اکملتُ کی آیت زینبؑ   بدر تمہید ہے، تکمیلِ شہادت زینبؑ
کربلا نقطۂ آغاز ہے، تمت زینب   ابتداءِ اِس کی حسینؑ اور نہایت زینبؑ
نقطۂ با کو جو پھیلاؤ تو قرآں ہو جائے
حق کی جو شرح کرو زینبؑ دی شاں ہو جائے

جس طرح نامِ محمدؐ سے ہے نامِ اسلام   ہو نہیں سکتے جُدا زینبؑ و شبیرؑ کے نام
سیّدہ یہ ہیں، وہ ہیں قافلۂ حق کے امام   اُن سے آغازِ شہادت ہے تو ان پر اتمام
مقصدِ زندگیِ زینبؑ و شبیرؑ ہے ایک
پارے دو، طرزِ خط و معنیِ تحریر ہے ایک

کس طرح رہتیں مدینے میں جو سرور نہ رہے   بھائی گھر چھوڑے تو کیوں ساتھ میں خواہر نہ رہے
جن میں آئیں نہ قدم شاہ کے، وہ گھر نہ رہے   زیست بے لطف ہے جب سر پہ برادر نہ رہے
فاطمہؑ روتی ہوئی بیٹے کے ہمراہ چلیں
اپنا گھر چھوڑ کے زینبؑ سوئے جنگاہ چلیں

چھوڑ کر حجلۂ گل، بادِ بہاری نکلی ،   دوشِ امواج پہ پھولوں کی عماری نکلی
رتبہ داں بولے کہ زہراؑ کی سواری نکلی   احمدؐ و حیدرؑ و حسنینؑ کی پیاری نکلی
پردہ داری کا تقاضا ہے کہ آہیں نہ اُٹھیں
پلکوں نے چھوڑ دی چلمن کہ نگاہیں نہ اُٹھیں

بولے خدامِ ادب ، نکلے نہ کوئی باہر   ضبط کی حد میں رہے نالۂ غم، دیدۂ تر
ہے گنہ، اُٹھے بنی زادیوں پر آنکھ اگر   اشک بھی ٹپکے نہ خاکِ قدمِ زینبؑ پر
علیؑ و فاطمہؑ کے قرۃ عین آتے ہیں
پردہ پکڑے ہوئے عباسؑ و حسینؑ آتے ہیں

خاک اڑاتے ہیں مدینے کے مکاں، بام و در   آسماں جھکتا ہے سجدے کے لئے قدموں پر
دامنِ دل سے لپٹ جاتی ہے قبرِ مادر   دیکھ لے گنبدِ خضرا ابھی انھیں جی بھر کر
اب نہ یہ گوہرِ شہوار نظر آئیں گے
آکے گر لوٹ کے گھر خاک بسر آئیں گے

کل سے تقدیر میں ہے اِن کی غریب الوطنی   دشت و صحرا میں ملے گی نہ کہیں چھاؤں گھنی
ہونٹوں پر کھیلے گی اِن غنچوں کے تشنہ دہنی   چاک داماں نظر آئے گی یہ گُل پیرہنی
یہاں بے تیغ شہنشاہِ زمن نکلے ہیں
وہاں شمشیر بکف طوق و رسن نکلے ہیں

سوئے مقتل شہدا فرق بکف آتے ہیں   اے عطش! بحرِ سخاوت کے صدف آتے ہیں
کربلا! تیرے مکیں تیری طرف آتے ہیں   لے قدم اُٹھ کے زمیں عرشِ شرف آتے ہیں
ماہ و خورشید و نجوم اِن کی رکابوں میں ہیں
آسماں سجدہ گزار اِن کی جنابوں میں ہیں

گرد بن کے اُڑے جاتے ہیں دشت و کہسار   پاؤں پڑتے ہیں جہاں، خاک ہے وہ عرش آثار
آسماں بن گیا ہے قافلۂ حق کا غبار   روشنی نوریوں سے لیتی ہے درسِ رفتار
قدم اُٹھتے ہیں تو کھنچتی ہے زمانوں کی طناب
بندھی خیموں سے ہے آئندہ جہانوں کی طناب
جنگل اور دشت ہیں نومیدیِ تقفیر بنے   قریہ و شہر ہیں محرومی کی تفسیر بنے
جادے ہیں حسرتِ پابوسی کی تصویر بنے   منزلیں دوڑ کے آتی ہیں کہ تقدیر بنے
ذرّے ہیں سجدہ بلب، مہرِ مبیں اُترے گا
ہر زمیں کہتی ہے یہ عرش یہیں اُترے گا
اپنی منزل کی خبر رکھتا ہے سردارِ جناں   جانتا ہے کہ ہے کس خاک سے خوں کا پیماں
ہے خبر، کذب بہ لب آئیں گی ظلمات کہاں   سرد ہونے کو جہنم ہے کہاں شعلہ بجاں
اُسی منزل کی کشش میں دل و جاں بڑھتے ہیں
مرکزِ حق کی طرف کون و مکاں بڑھتے ہیں
کربلا بڑھتا ہے پابوسیِ سرورؑ کے لئے   منتظر ہے یہ ازل سے شہِ صفدر کے لئے
کب سے آغوش ہے وا اکبرؑ و اصغرؑ کے لئے   نہر بے چین ہے مہمانیِ کوثر کے لئے
کربلا! اُٹھ، ترے اربابِ شرف آپہونچے
بنتِ زہراؑ، پسرِ شاہِ نجفؑ آپہونچے
کربلا حق کے فسانہ میں ہے اک نقطۂ خوں   اک اِسی نقطے کے سیّارے نجومِ گردوں
پھیل جائے تو یہی نقطہ ابد سے ہے فزوں   اور سمٹے تو یہی نقطہ فرات و جیحوں
ہیں ذبیحؑ و بنِ مریمؑ بھی پرستاروں میں
موسیٰؑ و نوحؑ و براہیمؑ ہیں زواروں میں
کربلا! حشر تک انساں کی امانت رکھ لے   اپنی بیدار نگاہوں میں یہ دولت رکھ لے
خونِ ناحق دل و جاں میں بحفاظت رکھ لے   کربلا! آبروئے خالقِ عزت رکھ لے
کہیں ایسا نہ ہو یہ دولتِ داور نہ رہے
سر کٹے شاہ کا ہمشیر کی چادر نہ رہے

اُس طرف آئے حسینؑ اور اِدھر لشکرِ کیں   اِس طرف زینبؑ و کلثومؑ و سکینہؑ اُتریں
اُس طرف اُترے ستم گار جفا کوش لعیں   اُس طرف کذب کے ہتھیار، اِدھر حق کا یقیں
ابر امڈے چلے آتے ہیں جفا کاروں کے
پیاس لب چومتی ہے نور کی تلواروں کے
اُس طرف خوف سے حاکم کے نظر اُٹھتی نہیں   اِس طرف سجدوں سے روشن ہے عبادت کی جبیں
اُس طرف شعلے جہنم کے، اِدھر خلدِ بریں   مطمئن غم ہیں اِدھر، اور اُدھر عیش حزیں
جبرِ نفرت کو ہے اموال و حکومت کی طلب
اختیاراتِ محبت کو شہادت کی طلب
فوج پر فوج چلی آتی ہے غدّاروں کی   صفیں جمتی ہیں حکومت کے پرستاروں کی
تیر در دست جماعت ہے کماں داروں کی   زہر آلودہ ہیں تلواریں جفا کاروں کی
کون سے اسلحے جلادوں کی ٹولی میں نہیں
کون سا سنگِ ستم ظلم کی جھولی میں نہیں
شر سے اپنے ہی ہراساں ہے ستم کا لشکر   جبر کے ہاتھوں میں مجبوری کی تیغ اور سپر
صبر آزادیٔ اظہار پہ مامور اِدھر   مطمئن قلب ہے راضی بہ رضائے داور
مالکِ کوثر و تسنیم ہیں بے آب حسینؑ
بھوک اور پیاس کے دریا میں ہیں سیراب حسینؑ
ظُلم بڑھتا ہے تو بڑھ جاتی ہے شانِ تسلیم   تیر آتے ہیں تو ہنستا ہے کریم ابنِ کریم
سنگِ دشنام کو دیتا ہے دعا کی تعلیم   غم کے شعلوں میں ہے گلبارِ نگاہوں کی نسیم
کر کے پیاروں کو فدا شکرِ خدا کرتے ہیں
حق کا حق زینبؑ و شبیرؑ ادا کرتے ہیں
کیا شبیرؑ نے ہم شکلِ نبیؐ کو رُخصت   کھوئی زینبؑ نے بھی اٹھارہ برس کی محنت
کی فدا بھائی نے حق کے لئے اپنی دولت   کونسا غم ہے، بہن کی نہیں جس میں شرکت
بھائیوں بیٹوں کا شبیرؑ نے گر غم نہ کیا
لاش پر بیٹوں کی زینبؑ نے بھی ماتم نہ کیا

ماں سے جب عون و محمدؑ نے کیا تھا اصرار   وارثِ حیدرؑ و جعفرؑ ہیں علم کے حقدار
کہا زینبؑ نے، گلہ لب پہ نہ لانا زنہار   ہے یہی طبل و علم، جان ہو ماموں پہ نثار
حق سے عباسؑ علمدار کے آگاہ رہو
فرض ہے یہ، علمِ شاہ کے ہمراہ رہو
کہا زینبؑ نے جو، بیٹوں نے دکھایا کر کے   ایک پل بھی نہ وہ سائے سے علم کے سرکے
جب تلک جان رہی، ساتھ رہے سرور کے   حق ادا ماموں کی نصرت کا کیا ہے مر کے
جان کیا چیز ہے، جانبازوں نے سوچا بھی نہیں
نہر پہ قبضہ کیا، پانی کو دیکھا بھی نہیں
جنگ نے مانا دلاور ہیں یہ دونوں بھائی   ضیغمِ بیشۂ حیدرؑ ہیں یہ دونوں بھائی
وارثِ فاتحِ خیبر ہیں یہ دونوں بھائی   طفلیِ حمزہؑ و جعفرؑ ہیں یہ دونوں بھائی
نرغۂ ظلم میں ماموں کی دعا ساتھ رہی
تیغ بن کر نگہِ عقدہ کشا ساتھ رہی
بھوک اور پیاس سے دو گلبدناں دب نہ سکے   سرِ ظلم سے دو غنچہ دہاں دب نہ سکے
سیلِ آفات سے دو تشنہ لباں دب نہ سکے   ہوسِ زر سے یہ دو سیم تناں دب نہ سکے
گھٹ گئی کثرتِ اشرار، جدھر سے گزرے
گر گئی ظلم کی دیوار جدھر سے گزرے
داد ہر وار کی خود شیرِ خدا دیتے تھے   دور عباسؑ کھڑے درسِ وغا دیتے تھے
گم ہوں نظروں سے تو شبیرؑ صدا دیتے تھے   انھیں جینے کی دعائیں شہدا دیتے تھے
تھی دعا ماں کی یہی، جان لڑا دیں دونوں
سرخرو ہوں جو لہو اپنا بہا دیں دونوں
جب گرے گھوڑے سے دی ابنِ علیؑ کو یہ صدا   جاں نثاروں پہ کڑا وقت ہے یا عقدہ کشا
آخری وقت میں دیدار کی دولت ہو عطا   کہیے مادر سے، کیا دودھ کا حق ہم نے ادا
علم و کوثر و طوبیٰ ہمیں سب آج ملے
ماں کے قدموں پہ جو سر رکھیں تو معراج ملے

جاکے رن سے شہِ دیں دونوں کی میت لائے　　خوں میں ڈوبی ہوئی خواہر کی ریاضت لائے
اپنے دامن میں یہ گلہائے شہادت لائے　　ظلم سے چھین کے زینبؑ کی امانت لائے
سر کو نیوڑھائے سوئے خیمۂ ہمشیر آئے
دوؑ علم حق کے اٹھائے ہوئے شبیرؑ آئے
ماں نے آغوش میں یوں اپنے شہیدوں کو لیا　　جیسے لاشے نہیں، شہ دیتے ہوں انعامِ خدا
بال بکھرائے نہ سر پیٹا، نہ ماتم ہی کیا　　تھام کر دل کو کیا سجدۂ شکرانہ ادا
نوحہ، نالہ و فریاد ہے کیا، غم کیسا
بی بیاں روئیں تو فرمایا، یہ ماتم کیسا
بولیں، پالا تھا انھیں میں نے شہادت کے لیے　　باپ نے بھیجا تھا شبیرؑ کی نصرت کے لیے
تربیت کی تھی، جییں حق کی حمایت کے لیے　　آئے تھے اکبرؑ و اصغرؑ کی حفاظت کے لیے
حق کی دولت تھی رہِ حق میں لٹا دی میں نے
روؤں کیوں، خود انھیں مرنے کی رضا دی میں نے
بولیں فضّہ، مری شہزادیٔ اکرم رو لو　　ضبط کی ہوتی ہے حد، نازشِ مریمؑ، رو لو
گریہ فرماتے ہیں خود سرورِ عالم، رو لو　　حکم فطرت کا ہے، اے شاہ کی ہمدم، رو لو
اب کے بچھڑیں گے تو پھر آنکھیں نہ پائیں گی انھیں
دشت میں آپ کہاں ڈھونڈنے جائیں گی انھیں
منہ سے تو کچھ نہ کہا، پر امڈ آئے آنسو　　دیکھتی بیٹھی رہیں بیٹوں کے زخمی پہلو
جھک کے سلجھاتی رہیں خون میں لتھڑے گیسو　　اپنے چہرے پہ ملا اپنے شہیدوں کا لہو
سرخرو، کر گئے مادر کو شہیدانِ جفا
پائیں گے گور و کفن بھی نہ قتیلانِ جفا
دل کو یاد آتی رہیں بیٹوں کی پیاری باتیں　　آ گئیں لوٹ کے آنکھوں میں کٹی سب راتیں
لایا ہر گزرا ہوا لمحہ نئی سوغاتیں　　جھوم اٹھیں آنکھوں کے صحرا میں کئی برساتیں
روئیں تو شاہ کا غم ہوگا فزوں، دھیان ہے یہ
ہاجرہؑ! دیکھ لو قربانیوں کی شان ہے یہ

شہِ والا نے جو یہ صبر کا منظر دیکھا   کم ہوا دردِ دلِ کشتۂ غم اور بڑھا
قتلِ اصحاب و اعزّہ کا کوئی غم نہ رہا   صبرِ زینبؑ سے نیا حوصلۂ صبر ملا
حق نے جانا کہ ریاضت نہ اکارت ہوگی
ہیں جو زینبؑ تو شہادت نہ اکارت ہوگی

صبرِ زینبؑ نے دیا حوصلۂ صبر ایسا   لاشِ اکبرؑ پہ بھی شبیرؑ کا آنسو نہ گرا
مرگِ عباسؑ سے بھی پرچمِ حق جھک نہ سکا   قتل اصغرؑ ہوئے، پر ضبط کا دامن نہ چھٹا
شہ کا دن تعزیتِ اہلِ شہادت میں کٹا
صبر کا مرحلہ زینبؑ کی رفاقت میں کٹا

قلب راضی ہے کہ حق کے لیے گھر کام آیا   دامنِ ضبط پہ اشکوں کا نہ الزام آیا
منتظر جس کے تھے، وہ عصر کا ہنگام آیا   مطمئن دل کو پلٹ آنے کا پیغام آیا
منزلِ صبر سے شبیرؑ گزر جائیں گے
آخری سجدۂ شکرانہ بھی کر جائیں گے

صبرِ شبیرؑ سے آگے ہیں کئی سخت مقام   جن پہ راضی نہ ہوا اپنے لئے غم کا امام
قرعۂ فال پڑا زینبؑ و سجّادؑ کے نام   جیتے جی کارِ شہادت انھیں کرنا ہے تمام
جان دے کر شہدا ظلم و ستم سے چھوٹے
عمر بھر زینبؑ و سجّادؑ نہ غم سے چھوٹے

چھپ گیا مہر، گھنی ہوگئی آلام کی شام   چمکا نیزے کی بلندی پہ سرِ شاہِ انام
چادریں چھنتی ہیں، گھر جلتا ہے، لٹتے ہیں خیام   عورتوں بچوں کے رونے سے پڑا ہے کہرام
روکنے والا نہیں کوئی ستم گاروں کو
پُرسہ بھی دیتا نہیں ہے کوئی غمخواروں کو

کوئی والی نہیں، وارث نہیں غم کا جُز یاس   قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ ہیں نہ اکبرؑ، عباسؑ
غش میں سجّاد ہیں، شبیرؑ کا خیمہ اداس ہے   تازیانہ لیے شمر آتا ہے بیمار کے پاس
حرص کے ہاتھ سکینہ کے گہر لوٹیں گے
بندۂ جبر دُرِ دیدۂ تر لوٹیں گے

صبرِ بے چین ہے زینبؑ کی قیادت کے لیے   ہیں یہی عترت و قرآں کی حفاظت کیلیے
یہی فانوس ہیں اب شمعِ امامت کے لیے   یہی مامور ہیں تبلیغِ رسالت کے لیے
طرزِ سر دینے کا زہراؑ کے پسر سے سیکھو
صبر کا حوصلہ زینبؑ کے جگر سے سیکھو

آج زینبؑ نئی تاریخ رقم کرتی ہیں   دل کو وقفِ الم و جور و ستم کرتی ہیں
نئے انداز سے شبیرؑ کا غم کرتی ہیں   بکھرے اوراق صحایف کے بہم کرتی ہیں
اِک جلا خیمہ ہے اور عترتِ شاہِ شہدا
ہاتھ زینبؑ کے ہے اب قسمتِ شاہِ شہدا

اعتمادِ شہِ والا کا بھرم ہیں یہ ہات   انہی ہاتھوں سے ملایا ہے شہادت کو ثبات
انہی ہاتھوں میں ہے پیغامِ حسینی کی حیات   انہی ہاتھوں کے تصرّف میں ہے کشتئ نجات
ہیں یہی ہاتھ شہادت کے امامت کے امیں
ہیں یہی ہاتھ خدا اور رسالت کے امیں

تھے یہی ہاتھ شبِ یازدہم عقدہ کشا   سر پہ بے وارثوں کے جب کوئی سایہ نہ رہا
اُمِّ کلثومؑ سے زینبؑ نے بصد یاس کہا   آج ہم ہی کو ہے خیمہ کا طلایہ پھرنا
خاک میں مِل گئے سب گوہرِ شہوارِ حسینؑ
کل تو خیموں کے طلایے کو تھے انصارِ حسین

ہونکتا دشت، وہ لاشوں کا ڈرونا جنگل   وہ سیہ رات، وہ آلام کے کالے بادل
چاند پژمردہ، لہو رنگ ستاروں کے کنول   سر پہ چھت گھر کی نہ سایہ، نہ ردا، نہ آنچل
بی بیاں خیمۂ آلام میں گھبراتی تھیں
کوئی پتّا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتی تھیں

زخم چبھتے تھے، سسکتی تھی زمینِ مقتل   ٹکڑے تیغوں کے تھے اور نیزوں کے ٹوٹے ہوئے پھل
طبل و قرنا کی صدائیں تھیں نہ آوازِ دہل   پھرتے تھے غول درندوں کے، پرندوں کے دل
دشت میں لاشِ امامِ شہدا تنہا تھی
خیمۂ سوختہ میں آلِ عبا تنہا تھی

غش سے سجّاد جو چونک اُٹھتے تو گھبراتے تھے   جھونکا بھی آئے تو اطفال سہم جاتے تھے
لے جو سِسکی کوئی، دل خوف سے تھرّاتے تھے   اشک بھی پلکوں سے گرتے ہوئے شرماتے تھے
چشمِ زینبؑ نے ہر اک اشک کی عزت رکھی
اپنی آنکھوں سے لگا کر یہ امانت رکھی

اپنی شب گشت میں زینبؑ نے یہ دیکھا اک بار   کوئی آتا ہے سوئے خیمۂ آلِ اطہار
کہا زینبؑ نے، ”نہ آ اِس طرف اے شاہ سوار   تھک کے سوئے ہیں ابھی سوختہ جاں، سینہ فگار
لٹ چکی خیمہ سرا، مال و گہر پاس نہیں
کوئی بھی چیز بجز دیدۂ تر پاس نہیں“

”دن تمام آج ہمارے سرو سردار لُٹے   صدفِ ایمان کے، حق کے دُرِ شہوار لُٹے
پنجتن کے تھے جو باقی، وہ سب آثار لُٹے   دولتِ خواب لُٹی، دیدۂ بیدار لُٹے
دیکھ لے صبح کو آکر، کوئی سامان نہیں
ہم لٹے ایسے کہ اب لٹنے کا امکان نہیں“

آنے والے نے نہ روکا مگر اپنا رہوار   بنتِ حیدرؑ نے غضبناکی سے دیکھا اک بار
غیظ کے تیوروں میں شیرِ خدا کے آثار   تھام لی بڑھ کے لگامِ فرسِ شاہسوار
اور فرمایا ”قدم اب نہ بڑھانا آگے
ہے یہی حدِ ادب، اس سے نہ آنا آگے“

اپنے رہوار کو راکب نے وہیں روک لیا   اُلٹی چہرے سے نقاب اور یہ زینبؑ سے کہا
”تیری غیرت پہ مری جان ترا باپ فدا   تیری نصرت کے لئے آیا ہے خود شیرِ خدا
آج میں خیموں کے اطراف پھروں گا بیٹی
تو کر آرام، میں بیدار رہوں گا بیٹی“

دوڑ کر باپ کے سینے سے لگی وہ ناشاد   صابرہ بیٹی نے کی عُقدہ کُشا سے فریاد
”آپ فرماتے ہیں دُنیا میں ہر اک کی امداد   ہم پہ اِس دشت میں ہوتی رہی کیا کیا بیداد
آپ کے گھر کو ستم گاروں نے برباد کیا
پیاس نے ساقیِ کوثر کو بہت یاد کیا“

”علم صدق گرا، آپ نہ آئے بابا،   نیزہ اکبرؑ کے لگا، آپ نہ آئے بابا
حلقِ اصغرؑ کا چھدا، آپ نہ آئے بابا   سرِ شبیرؑ کٹا، آپ نہ آئے بابا
ہم لُٹے، خیمہ جلا، آپ نے کیوں لی نہ خبر
چھن گئی سر رِدا، آپ نے کیوں لی نہ خبر“

”اے شہِ حق مددے قبلۂ ایماں مددے   آلِ احمدؐ کی ہے اور غم کے بیاباں، مددے
امتحاں اور بھی ہیں، مرضئ یزداں مددے   طاقتِ صبر ہو سجّاد کو ارزاں، مددے
آپ کا پوتا ہے اور طوقِ گراں ہے بابا
بازوؤں پر مرے درّوں کا نشاں ہے بابا“

کہا حیدرؑ نے ”ستم اور مری جاں ہوں گے   دشت در دشت مرے پھول پریشاں ہونگے
شہر در شہر ترے لُٹنے کے ساماں ہوں گے   شام و کوفہ میں نئے ظُلم کے عنواں ہوں گے
نفس سے اپنے جہاد اب تجھے کرنا ہوگا
زندہ رہتے ہوئے ہر سانس پہ مرنا ہوگا“

”تو جو گھبرائی تو پھر غرق ہے کشتئ نجات   خاتمہ حق کا ہے، لرزا جو ترا پائے ثبات
تیرے بازو کی رسن باندھے گی جلادوں کے ہات   کربلا کا ہے خلاصہ تری اِک تنہا ذات
مِلے چادر جو تجھے، ظُلم نہاں ہووے گا
بے رِدائی سے تری کِذب عیاں ہووے گا“

”سر برہنہ تجھے لے جائیں گے بازاروں میں   تو اسیروں کی طرح جائے گی درباروں میں
ہونا حیران و پریشاں نہ ستم گاروں میں   چپ بھی رہنا نہ کبھی ظلم کی سرکاروں میں
حوصلہ صبر کا بخشا تجھے شانِ حق نے
تجھ کو دی اپنی زباں آج لسانِ حق نے“

بنتِ زہراؑ نے رکھی لاج لِسانِ حق کی   رہیں راضی برضا، ہاتھوں میں رسّی جو بندھی
منہ کو بالوں سے چھُپائے رہیں چادر جو چھنی   نیل درّوں کے ابھر آئے، شکایت نہ ہوئی
ناقے رُسوائی کے ہیں اور عماری بھی نہیں
پا برہنہ ہے امامؑ، اور سواری بھی نہیں

کبھی بانو، کبھی کلثومؑ کو سمجھاتی ہیں   کبھی قاسمؑ کی دلہن کے لئے غم کھاتی ہیں
بھوک سے روتے ہیں اطفال تو بہلاتی ہیں   درّے بیمار کو لگتے ہیں تو شرماتی ہیں
بعدِ شبیرؑ نئی بے وطنی کا ہے سفر
بعدِ عاشور بھی تشنہ دہنی کا ہے سفر
خوک و سگ کرتے ہیں شہزادیوں سے بے ادبی   غیرتِ حق پہ ہے سبّ و شتمِ زر طلبی
پاسِ تہذیبِ عجم ہے نہ ہے شانِ عربی   ہنستے ہیں امتیاں، روتی ہے اولادِ نبیؐ
اِس سے بڑھ کر کوئی آفت نہ پڑی زینبؑ پر
راہِ غربت میں یہ منزل ہے کڑی زینبؑ پر
پا پیادہ ہیں علیؑ کونے کے بازاروں میں   بیٹیاں، بہوئیں ہیں زہراؑ کی جفاکاروں میں
واں محرّم ہے، یہاں عید ہے غدّاروں میں   غلغلہ جشن کا ہے ظلم کے درباروں میں
ہنسنے والوں سے کہو چشم کو نم کرنا ہے
ظلم کو اشک ندامت کے بہم کرنا ہے
دل تو دل، درد سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں   اشک فولاد کی آنکھوں سے نکل سکتے ہیں
خشک صحراؤں سے چشمے بھی اُبل سکتے ہیں   عیش کے نغمے بھی نوحوں میں بدل سکتے ہیں
لبِ زینبؑ پہ ہے ذکرِ شہدا کوفے میں
منعقد ہونے کو ہے بزمِ عزا کوفے میں
کرتی ہیں پردۂ زینبؑ کا ردائیں ماتم   بچّوں کی پیاس پہ اطفال کی آنکھیں ہیں نم
صحتیں کرتی ہیں بیماریٔ سجّادؑ کا غم   دیکھ کر سرِ شہدا کے سرِ قتّال ہے خم
جبر کے ہاتھ ہیں اب سینہ فگاری کے لئے
تازیانے ہیں ستم گاروں کی خواری کیلئے
اشک اُمڈے ہیں کہ آنکھوں کی طہارت کرلیں   آہیں اُٹھیں کہ شہیدوں کی زیارت کرلیں
دل ہیں بے چین کہ عابدؑ کی عیادت کرلیں   غم بڑھے، تعزیتِ دردِ محبت کرلیں
ذہنِ زینبؑ میں تڑپتے ہیں خیالات کئی
لبِ سجادؑ پہ اُبھرے ہیں سوالات کئی

تھرتھرائی ہوئی آواز سے بولے سجّادؑ   ”تم ہی لوگوں نے کیا گھر کو ہمارے برباد
اشک ہیں کس کے لیے، کرتے ہو کس سے فریاد   کون قاتل ہے ہمارا، کہو اہلِ بیداد
تم سے حالات کی زنجیر کٹے گی کیسے
ان سوالات کی زنجیر کٹے گی کیسے“
زینبؑ اٹھتی ہیں کہ ایجاز کی تفصیل کریں   کیا سجّادؑ نے آغاز، وہ تکمیل کریں
کلمۂ حق کے اشارات کی تحلیل کریں   خونِ شبیرؑ کے ارشاد کی تعمیل کریں
آنکھیں کہتی ہیں کہ ”اے مرد و زناں ہو خاموش“
”ہر طرف اٹھتا ہے جو شورِ فغاں، ہو خاموش“
”کس لیے آج تم اے اہلِ ریا روتے ہو   کس پہ اس طرح سے اربابِ دغا روتے ہو
قتل کر دیتے ہو پھر اہلِ جفا روتے ہو   لوٹ کر فاطمہؑ زہرا کی ردا، روتے ہو
ہاتھ آئی ہوئی ایمان کی دولت کھوئی
آج تم روئے تو اشکوں نے بھی عزّت کھوئی“
”زندگی بھر تمہیں اے اہلِ ستم رونا ہے   خون کے داغوں کو دامن سے تمہیں دھونا ہے
کھوئی ہے دولتِ حق، جان بھی اب کھونا ہے   ہم نہ رسوا ہوئے، رسوا تمہیں اب ہونا ہے
ہنس چکے، لب پہ کبھی اب نہ ہنسی آئے گی
گھر میں ظالم کے خوشی آئی تو شرمائے گی“
”تم کو حیرت رہی، کیوں پانی کو سرور ترسے   سوچتے ہو کہ شرارے نہ فلک سے برسے
کیوں چھنی چادرِ تطہیر ہمارے سر سے   ہے تعجب کہ لہو ٹپکا نہ کیوں پتھّر سے
تم نے سوچا کہ رفیقِ شہدا کوئی نہیں
تم نے سمجھا کہ غریبوں کا خدا کوئی نہیں“
”ہم نے تو شکر سے سوکھے ہوئے لب تر رکھے   سر سدا دسترسِ ظلم سے اوپر رکھے
کی دعا حق سے کہ ہر سر پہ وہ چادر رکھے   لوٹ لے ہم کو، غریبوں کے بھرے گھر رکھے
جو اطاعت میں رہا کذب کی، نادار ہے وہ
صدق کو قتل کیا جس نے، زیاں کار ہے وہ

ہم نے خالق سے کچھ اپنے لئے مانگا بھی نہیں دولتیں آئیں تو ہم نے انھیں دیکھا بھی نہیں
آئی در پر جو حکومت اُسے روکا بھی نہیں کیوں ہمیں لوٹا، کسی سے کوئی شکوہ بھی نہیں
غم یہ ہے، ظلم سے اب تم نہ اماں پاؤ گے
کھوئی جو دولتِ حق، اب وہ کہاں پاؤ گے
لُوٹ کر ہم کو لُٹے تم، ہوئے تم خانہ خراب تم سے پوچھے گی جو تاریخ تو کیا دوگے جواب
حشر تک مانگیں گے آئندہ زماں تم سے حساب کیسے سہہ پاؤ گے تم عدل کی میزاں کا عتاب
طوق ذلّت کا ہے گردن میں، جہاں جاؤ گے
خون دامن کو جو پکڑے گا، کہاں جاؤ گے"
راوی ناقل ہیں کہ فریاد سے کانپ اٹھی زمیں محفلیں جشن کی ماتم کی صدا سے گونجیں
گرمیاں دل کی مبدّل بہ دمِ سرد ہوئیں خوشیاں جلّادوں کی خونِ شہدا میں ڈوبیں
حق پہ شبیرؑ ہیں، یہ ہر بُنِ مو، بول اُٹھا
لبِ زینبؑ سے شہیدوں کا لہو بول اُٹھا
اِس سے آگے بھی کئی سخت مقامات ملے صبر کا حکم ملا، غم کے اشارات ملے
سرِ شبیرؑ سے احکامِ عبادات ملے کہیں رُکنے، کہیں بڑھنے کے پیامات ملے
لبِ زینب غمِ شبیرؑ کو یوں عام کریں
فتح کوفہ ہوا، سر معرکۂ شام کریں
گزرے کتنے ہی مراحل سے اسیرانِ محن پابرہنہ گئی تا شامِ ستم دل کی جلن
آئی دربارِ یزیدی میں شہِ حق کی بہن حق کے تھے بارہ گلے، ظُلم کی تھی ایک رسن
گردنِ نور میں ظلمات کی زنجیریں تھیں
صبح کی کرنیں تھیں اور رات کی زنجیریں تھیں
تختِ زر پر متمکن تھا شہنشاہِ شام نقرئی کرسیوں پر تھے ہوسِ زر کے غلام
عصمتیں خاک بہ سر، طوق بگردن تھا امام عارضی فتح کے نشّے نے کیا حق سے کلام
"دیکھ لی آلِ محمدؐ نے بغاوت کی سزا
باغیوں کو ملی انکارِ حکومت کی سزا"

"اے علیؑ ابنِ حسینؑ آپ کو غم کس کا ہے   قید میں آپ کے ساتھ آج حرم کس کا ہے
کہیے کچھ منہ سے کہ سر آج قلم کس کا ہے   دیکھیے آنکھوں سے تخت اور حشم کس کا ہے
تخت و منبر ہیں کہ صف، طبل و علم کس کے ہیں
سکۂ وقت پہ نام آج رقم کس کے ہیں؟"

"بدر کے قتل میں ماخوذ ہوئی آلِ رسولؐ   سنتے ہیں آج محمدؐ پہ اُحد کے مقتول
کٹ گئے گلشنِ شمشیرِ علیؑ کے سب پھول   سر برہنہ ہے مرے سامنے اولادِ بتولؑ
کربلا میں نہ کسی کام امامت آئی
کیوں بچانے کو نہ احمدؐ کی رسالت آئی"

"ہاتھ میں جس کے ہے تلوار رسالت اُس کی   تخت ہے زیرِ قدم جس کے، امامت اُس کی
جس کے قبضے میں خزانے ہیں، خلافت اُس کی   ملک ہیں جس کے تصرّف میں، حکومت اُس کی
لاکھوں تیغیں ہیں مری گردشِ ابرو کی غلام
آیتیں حق کی مری جنبشِ ابرو کی غلام"

"ہے وہ کاذب، مرے فرماں سے کرے جو انکار   ہے وہ باغی جو کرے میری حکومت پر وار
جہل ہے تیغ کے آگے مری حق کا اظہار   خود فریبی ہے یقیں، وہم و گماں ہے کردار
میری باتوں کی شہادت ہیں شہیدانِ حسینؑ
چھیڑتا ہوں میں عصا سے لب و دندانِ حسینؑ"

کانپ اُٹھیں غیظ سے بنتِ اسدِ ذو الاکرام   ہٹ گئے سامنے سے ڈر کے غلامانِ غلام
سرنگوں نیزے ہوئے، اوڑھ لی تیغوں نے نیام   کرسیاں پست ہوئیں، ہلنے لگی مسندِ شام
سر جھکائے وہ اُٹھیں، خود گرے، تاج گرا
جبر نے جان لیا، تخت سے وہ آج گرا

سند آرائے حکومت سے کیا ایسے کلام   جیسے حاکم نہیں، ہو سامنے اک ادنیٰ غلام
غیظ نے کھینچ لی یوں تیغِ خطابت سے نیام   عرش سے جیسے علیؑ کیلئے اُتری ہو حسام
آب وہ تیغِ زباں میں تھی، اُلٹتے تھے دل
ہونٹ بھی ہلتے ہوئے ڈرتے تھے، کٹتے تھے دل

تیغ یہ جس پہ گری ہے وہی سر پست ہوا   چمکی یوں، طنطنۂ نقرہ و زر پست ہوا
جسے دیکھا ہے، وہی خیرہ نظر پست ہوا   یہ اُٹھی، لعلِ گرے، تاجِ گہر پست ہوا
کاٹ ایسی ہے کہ زخم اِس کا بھرے گا نہ کبھی
ظُلم لڑنے کا تصور بھی کرے گا نہ کبھی

آنکھ پر چمکی تو بینائی کی طاقت نہ رہی   دیکھا ہونٹوں کو تو گویائی کی طاقت نہ رہی
فوجِ جابر میں صف آرائی کی طاقت نہ رہی   عیسیٰ چلاّئے، مسیحائی کی طاقت نہ رہی
جادو ایسا ہے جو ظالم کے بھی سر چڑھتا ہے
دل ہیں واں فرش جدھر اُسکا قدم بڑھتا ہے

ہاتھ کو جوڑ کے جلاّد بھی جاں مانگتے ہیں   ہونٹ بھی فرصتِ فریاد و فغاں مانگتے ہیں
پاؤں پر گرنے کا اِذن اشکِ رواں مانگتے ہیں   پر سمیٹے ہوئے جبریل اماں مانگتے ہیں
مرحبا، صلِّ علیٰ، شیرِ خدا کہتے ہیں
کلمے اَحسنت کے شاہِ شہدا کہتے ہیں

تیغیں ڈھالوں میں چھپائے ہوئے مُنہ روتی ہیں   برچھیاں آنسوؤں سے اپنی زباں دھوتی ہیں
تیر ہیں خوار، کمانیں بھی نگوں ہوتی ہیں   تنگ چار آئینے ہیں، زرہیں بھی جاں کھوتی ہیں
تیغِ عباسؑ سے تو چھپ کے اماں پائی ہے
کیسی شمشیر ہے یہ جانوں پہ بن آئی ہے

شعلے دوزخ کے نظر آتے ہیں اس کی لو میں   خونِ مظلوم کی تنویر ہے اس کی ضو میں
تخت اور تاج بہے جاتے ہیں اس کی رو میں   حشر کی صبح ہے اس تیغ کی پھٹتی پو میں
کربلا میں جو نہ دیکھا، وہ غضب دیکھ بھی لو
ذکر سنتے تھے قیامت کا تو اب دیکھ بھی لو

نیزوں کو ظلم کے سینوں ہی میں پیوست کرو   برہم اے ظالمو یہ محفلِ بدمست کرو
اپنے سر قعرِ مذلت سے بھی تم پست کرو   سرنگوں تاج کو، تیغوں کو تہِ دست کرو
سنو، دیکھو، نہ کرو سمع و بصر کا انکار
تیغِ حق کرتی ہے یوں نقرۂ و زر کا انکار

قدرتِ الفاظ پہ ایسی شعرا ہیں حیراں   ندرتِ انداز میں وہ گوشِ برآواز جہاں
وہ روانی ہے دعا دیتی ہے احمدؐ کی زباں   وہ صفائی ہے کہ پڑھتا ہے قصیدہ قرآں
لیتے ہیں روحِ ادیں درسِ سخن زائی کا
سیکھ لے طرزِ مسیحا بھی مسیحائی کا
تیغِ حیدرؑ سے فزوں تیغِ زبانِ زینبؑ   کُن بھی ہے اک رمقِ فیضِ بیانِ زینبؑ
جانِ نغمات کی ہے طرزِ فغانِ زینبؑ   نئی دُنیاؤں کا خالق غمِ جانِ زینبؑ
کربلا جسم ہے اور روح ہے پیغام ان کا
جامعِ کلِ شہدا ہے فقط اک نام ان کا
یہ زباں تیر بھی ہے، نشتر بھی ہے، شمشیر بھی ہے   خنجر و نیزہ بھی ہے، طوقِ گلوگیر بھی ہے
تشنگی کہتی ہے لبِ تشنۂ تقریر بھی ہے   تیغِ عباسؑ بھی، مظلومیٔ شبیرؑ بھی ہے
آب میں اس کی ہے لبِ تشنگیٔ اصغرؑ بھی
کاٹ میں اس کی ہے شاملِ نگہِ سرور بھی
اس کی خوشبو میں شہیدوں کی مہک ملتی ہے   درد میں عونؑ و محمدؑ کی جھلک ملتی ہے
کرب میں زخمِ عزیزاں کی تپک ملتی ہے   غیظ میں گھر کے اُجڑنے کی کسک ملتی ہے
گھٹتی آواز میں تنگیٔ رسن کا ہے نشاں
کانپتے ہاتھوں میں بازو کی چبھن کا ہے نشاں
اِس کے رُک رُک کے تڑپنے سے یہ ہوتا ہے عیاں   ابھی اکبرؑ کے کلیجے میں کھٹکتی ہے سناں
اِس کی آواز کی اونچائی سے ملتا ہے نشاں   ابھی نیزوں کی بلندی پہ ہے فرقِ ایماں
سر جو اُٹھتا نہیں شبیرؑ کی ماں جائی کا
بوجھ سینے پہ ہے بیواؤں کی رسوائی کا
پھر بھی وہ رعب ہے، لرزے میں ہیں تخت و منبر   نگہِ غیظ سے ہیں زلزلے میں بام و در
خوف سے اُٹھتی نہیں جھوٹ کے حاکم کی نظر   بار سے اپنے گناہوں کے دبے ہیں خود سر
حق کو چھیڑا ہے تو ظلم اپنی کہانی سُن لے
حالِ شبیرؑ کا زینبؑ کی زبانی سُن لے

کس قدر غیظ سے فرماتی ہیں بنتِ حیدرؑ „حاکمِ ذلت و ادبارِ زمیں! دیکھ ادھر
کھول لب اور بتا، کون ہے جانِ داور کور آنکھوں ہی سے کہہ کون ہے خالق کی نظر
کون قرآن کا ہے اور ہے قرآں کس کا
کون محبوب ہے یزداں کا، ہے ایماں کس کا
تو نے کی آج بپا باتِ خدا کی تکذیب تیری باتوں میں ہے آیاتِ خدا کی تکذیب
خودستائی ہے تری ذاتِ خدا کی تکذیب ہے عمل تیرا عباداتِ خدا کی تکذیب
ہے خلیفہ تو بڑی چیز تو انساں بھی نہیں
ہو زباں تو کہیں حیواں کہ تو، حیواں بھی نہیں"
„تیری تقریر میں ہے نشتر و خنجر کی دھار تیری نظروں میں چمکتی ہے غضب کی تلوار
تبر و تیغ نہیں صدق و وفا کے ہتھیار طنز و دشنام نہیں اہلِ محبت کا شعار
عیش کے جام پیے، زہرِ صداقت بھی پی
جھوٹ اُگلا ہے تو تلخابِ حقیقت بھی پی"
„تُجھ سے میں بات کروں، تو نہیں اس کا شایان کذب ہر لفظ سے کرتا ہے خود اپنا بطلان
پر یہ ڈر ہے کہ میں حق کا نہ کروں گر اعلان ہے زیاں حق کا، خسارے میں رہے گا انسان
چپ رہوں میں تو شہادت کا نہ حق ہو گا ادا
میں نہ بولوں تو حقیقت کا نہ حق ہو گا ادا"
„فتح کے نشے میں تو بھول گیا، حق کیا ہے تیرے ہر لفظ سے ظلم اور ستم پیدا ہے
کذب پر فخر ہے، کیوں قتل بیاں کرتا ہے جہل ہے لب پہ نگاہوں پہ تری پردا ہے
اشکِ مظلوم میں سب طبل و علم ڈوبیں گے
خون کے سیل میں سب جاہ و حشم ڈوبیں گے"
„تیری باتیں ہیں کہ چڑھتی سمِ افعی کی لہر دوڑتا ہے ترے خوں میں دلِ ہندہ کا زہر
ظلم پر ناز ہے اور بھول گیا حق کا قہر وقت خود عادل و قہار ہے، سُن لے بن دہر
بخشوانے نہ تجھے تیرے غلام آئیں گے
جن کی تیغوں پہ ہے تکیہ، وہ نہ کام آئیں گے"

"ہے قلمروِ تری آزادوں کے بس اک دو گام   چند صوبوں ہی میں ہے خطبۂ و سکۂ ترا عام
چند شہروں ہی میں ہے تیری حکومت کا قیام   چند گمراہ ستم پیشہ ہوئے تیرے غلام
تیرے قبضہ میں نظامِ سحر و شام نہیں
دسترس میں تری شبیرؑ کا پیغام نہیں

تو ہے باغی، ترے ہمدرد ہیں قاتل، جلّاد   خولی و شمر و سنان و عمرؔ و ابنِ زیاد
خاک ہے سلطنتِ مصر و عراق و بغداد   تیرے سارے اُمراء کی ہے امارت برباد
حق کا حاکم ہے جو، کون اور مکاں اُس کے ہیں
دل و جاں، رفتہ و آئندہ زماں اس کے ہیں

وہی باغی ہے جو ہے مرضیٔ یزداں کا حریف   وہی باغی ہے جو معنیٔ قرآں کا حریف
وہی باغی ہے جو ہے کعبۂ ایماں کا حریف   وہی باغی ہے جو ہے عظمتِ انساں کا حریف
ہے وہ حاکم جو دلِ کعبہ بھی، قرآن بھی ہے
مظہرِ شانِ خداوند بھی، ایمان بھی ہے

حق کا حاکم ہے وہی جس سے ہے انساں کو شرف   جو ہے دریائے غمِ دھر کا نایاب صدف
جو دلِ سیدہؑ، لختِ جگرِ شاہِ نجف   وہی فی الارض خلیفہ، جو ہے احمدؐ کا خلف
حق سے بیعت جو طلب کرتا ہے وہ غاصب ہے
جو حکومت کا طرفدار ہے وہ کاذب ہے

وہ بہادر نہیں جو نفس پہ اپنے ہو نثار   لڑنے جاتا نہیں حق جھوٹ کے لے کر ہتھیار
وہ شجاعت نہیں ظالم سے جو مانگے تلوار   جس کی قیمت ہو رے و کوفہ کی غاصب سرکار
اسلئے سمجھے ہے بزدل جو جری ہو جاتا
ہر خر و خوک سنورنے سے پری ہو جاتا

اے یزید! آج اگر چلتا ہے تیرا فرماں   آج اگر منبر و مسجد ہیں ترے زمزمہ خواں
جان، کچھ دن کے لئے حق نے تجھے دی ہے اماں   مختصر عمرِ مظالم ہے، سمجھ لے ناداں
تیرے اعمال کے دھبّے ترے دامن میں ہیں
ظلم کے طوق و رسن تیری ہی گردن میں ہیں"

”قتل کروایا جنھیں خیرِ بشر کہتے وہ لوگ   ظلم کی رات میں تمہیدِ سحر کہتے وہ لوگ
حرص اندھی ہے، قناعت کی نظر رکھتے وہ لوگ   تیرے افلاس میں امارت کی خبر رکھتے وہ لوگ
موجۂ خوں پہ ہے بنیادِ حکومت تیری
دیکھ لے ریت کی دیوار ہے طاقت تیری
بے کفن لاش نہیں، ہے تری غیرت عریاں   ہم کھلے سر نہیں، ہے روحِ شرافت عریاں
ہے امیری میں ترے قلب کی غربت عریاں   تیری زرتار قبا میں ہے نجاست عریاں
ہے ستم، ابنِ محمدؐ کو لحد تک نہ ملے
روح کو تیری کہیں چین ابد تک نہ ملے
تجھ سے کہتی ہوں میں، اے ظلم کے سنگین دیوتا   جو بھی ممکن ہے وہ کر، ظلم سے مت ہاتھ اٹھا
طوقِ لعنت کا رہے گا تری گردن میں سدا   تیرے مداحوں پہ تا حشر ہنسے گی دنیا
کربلا سیلِ غضب بن کے اٹھے گا اک دن
ترا دربار تری قبر بنے گا اک دن“
جھک گیا فرقِ ستم حق کی زباں کے آگے   فق ہوا کذب کا رخ صدقِ عیاں کے آگے
قہقہے ڈوب گئے اشکِ رواں کے آگے   بند لب ہو گئے زینبؑ کے بیاں کے آگے
شمر اٹھا اور بھی کچھ تنگ رسن کرنے کو
تازیانے بھی بڑھے قطعِ سخن کرنے کو
آ گئی سامنے زینبؑ کے کنیزِ زہراؑ   بن گئی اپنی خوزادی کی سپر خود فضہؓ
کھینچ کر ہاتھ ہٹا دے، یہ ستم نے سوچا   فضہؓ نے فوجِ غلامانِ حبش کو دیکھا
بولیں ”ہم قوم تمھاری ہوں جوانانِ حبش
غیرتیں کھو چکے کیا آج شجاعانِ حبش“
کھینچ لی تیغ جوانانِ حبش نے اک بار   بولے حاکم سے یہ کیا کرتا ہے اے ظلم شعار
شمر سے کہہ کہ نہ فضہؓ پہ اٹھائے ہتھیار   ورنہ چل جائے گی دربار میں تیرے تلوار
رخ مدینے کی طرف کر کے پکاری زینبؑ
”ایک لونڈی سے بھی ارزاں ہے تمھاری زینبؑ“

„تیغیں کھنچی ہیں کنیزِ حبشی کی خاطر   کوئی اٹھتا نہیں اولادِ علی خاطر
جوش میں آتا ہے خوں ہم نسبی کی خاطر   کوئی روتا بھی نہیں آلِ نبیؐ کی خاطر
یا رسولِؐ عربی! رحمتِ عالم آؤ
میری فریاد کو اے سیّدِ اکرم آؤ"

„قید میں ہم پہ ہوئے ظلم کے ساماں کیا کیا   سقف و دیوار میں ہیں جبر کے عنواں کیا کیا
چار دیواری میں ہیں غم کے بیاباں کیا کیا   گذرے بیماریِ سجّادؑ پہ طوفاں کیا کیا
یا نبیؐ آپ کی آل اور اسیری میں رہے
نور کے بارہ گلے ایک ہی رسّی میں رہے"

„یا نبیؐ کہیئے علیؑ سے کہ بچائیں ہم کو   بھوک اور پیاس کی کلفت سے چھڑائیں ہم کو
رسن و طوق سے آزاد کرائیں ہم کو   طور کچھ عقدہ کشائی کے دکھائیں ہم کو
مجھ میں تو صبر کی طاقت ہے سکینہؑ میں نہیں
تابِ غم لختِ دلِ شاہِ مدینہ میں نہیں"

سن کے فریادِ یزیدِ ستم آثار اُٹھا   سر جھکائے ہوئے مسند سے وہ خونخوار اٹھا
دیکھتا بالی سکینہ کو جفا کار اُٹھا   باغیٔ حق جو اُٹھا، ساتھ میں دربار اُٹھا
بولا زنداں میں حرم شیرِ خدا کے جائیں
شام کو شت میں واں سرِ شہدا کے جائیں

آکے زنداں میں واپس حرمِ سبطِ نبیؐ   پردہ داری کیلئے قید کی دیوار اُٹھی
تنگیٔ حجرۂ غم باہوں میں لینے کو بڑھی   تیرگی ڈالنے کو چہروں پہ چادر لائی
سب کو معلوم ہے اِک پل بھی نہ چین آئیگا
شام کو ملنے عزیزوں سے حسینؑ آئے گا

سب سے زائد ہیں سکینہؑ کے دل و جاں بے چین   بھائی بہنوں سے لپٹ جاتی ہے کرتے ہوئے بین
پھوپھیوں سے کہتی ہے شبیرؑ کی وہ قرّۃِ عین   مجھ سے ملنے کے لئے آئیں گے کس وقت حسینؑ
شبِ عاشور سے میں سوئی نہیں آج تلک
ہائے جی کھول کے میں روئی نہیں آج تلک"

جھاڑ کر بالوں سے فرش، ان کو بٹھاؤں گی میں   پہرے داروں سے دیا مانگ کے لے آؤں گی میں
زخم دُرّوں کے بدن پر ہیں، دکھاؤں گی میں   ظلم جو جو بھی ہوئے مجھ پہ سناؤں گی میں
چاہنے والوں سے بچھڑے ہوئے مدت گذری
اُن کی فرقت میں قیامت پہ قیامت گذری

بولی زینبؑ سے پھوپھی "آپ نے کی جب تقریر   یہ گماں ہوتا تھا، خود بول رہے ہیں شبیرؑ
سر جھکائے ہوئے تھی غم سے میں بیکس و دلگیر   گھورتا تھا مجھے غصّے سے یزیدِ بے پیر
اب مزا ہنسنے کا وہ اہلِ جفا پائے گا
اب مجھے مارنے کی شمر سزا پائے گا

اے پھوپھی آپ ہیں خاموش ہی کیوں میں قرباں   آئیں عباسؑ تو بولوں گی کہ اے عموّ جاں
آپ کی تیغ سے بھی تیز ہے زینبؑ کی زباں   جو بچے آپ سے، دی اُن کو پھوپھی نے نہ اماں
عمر و شمر و یزید آن کے پکڑیں گے قدم
جان بخشی کے لئے آپ کے چومیں گے قدم"

دیر ہوتی تھی تو وہ غمزدہ گھبراتی تھی   جا کے دروازے پہ ہر بار پلٹ آتی تھی
ذکرِ شبیرؑ ہی سے جی کو وہ بہلاتی تھی   ڈانٹیں پہرے کے سپاہی تو سہم جاتی تھی
کبھی خود روٹھتی من جاتی کبھی آپ سے وہ
گلے کرتی تھی تصوّر میں کبھی باپ سے وہ

کہتی تھی آپ سے بولوں گی نہیں، اے بابا   دہم ماہِ محرّم کو زمانہ گزرا
میں نے مرکب کے قدم پکڑے تو فرمایا تھا   اے سکینہؑ تجھے لینے کو میں جلد آؤں گا
واپس آئے نہیں کیوں شاہِ مدینہ اب تک
آپ کے وعدے پہ جیتی ہے سکینہؑ اب تک

کہنے کی باتیں ہیں سب، آپ کو میں پیاری تھی   آپ کو فکر ہے اُمت کی، مری کیا ہستی
دُرّے بھی مجھ کو لگے، رسی بھی گردن میں بندھی   اے زمانے کے خبردار، خبر میری نہ لی
بیٹے پیارے تھے سو بابا سے ہم آغوش ہوئے
ہم ہی اک ایسے تھے، ہر اک کو فراموش ہوئے

خود کو جانا تھا تو کیوں ساتھ چچا کو بھی لیا   وہ بھی ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو ہم پر تھے فدا
پانی ہی لائے نہ لوٹایا میرا مشکیزہ   جلدی آتی تھی، کہاں جاتے ہیں یہ بھی نہ کہا
آپ اک روٹھے تو بھائی بھی چچا بھی روٹھے
کیا گلہ اوروں سے خود دستِ دُعا بھی روٹھے

موت کو آپ کے آنے پہ اُٹھا رکھا ہے   زیست کو سینے سے مر مر کے لگا رکھا ہے
لٹ کے بھی شمعِ تمنّا کو بچا رکھا ہے   میں نے اشکوں کا چراغ اب بھی جلا رکھا ہے
امتحاں اور بھی لینا ہے تو لے لیجئے آپ
پر یہ ہے شرط کہ رُخ اپنا دکھا دیجئے آپ

اتنے میں شور اُٹھا طشتِ طلا آتا ہے   بی بیو آؤ سرِ شاہِ ہُدا آتا ہے
اپنی عترت میں بنِ شیرِ خدا آتا ہے   اپنے قرآں کی طرف نقطۂ با آتا ہے
پئے تعظیم اسیرانِ ستم اُٹھتے ہیں
شام زنداں میں شہیدوں کے علم اُٹھتے ہیں

دوڑ کر گود میں سر شہ کا سکینہ نے لیا   چُوم کر باپ کے لب زخمِ تمنّا کو سیا
دیر تک شربتِ دیدار نگاہوں سے پیا   ماتمِ کرب و بلا مل کے اسیروں نے کیا
روزِ عاشور بھرا سینۂ صد پاش لئے
کربلا آیا ہے زنداں میں ہر اک لاش لئے

سب تو چلّاتے ہیں لیکن ہے سکینہ خاموش   کہتی ہے سوتے ہیں بابا، انھیں کچھ بھی نہیں ہوش
بی بیو کس لیے ہے گریہ و زاری کا جوش   اب نہ چھوڑیں گے شہِ دیں کبھی میری آغوش
جاگ اٹھیں وہ تو میں حال اپنا سناؤنگی نہ اب
اُن کو غم ہوگا، میں زخم اپنے دکھاؤں گی نہ اب

رکھ کے سر باپ کے سر پہ یہ سکینہ نے کہا   آپ آئے تو مجھے نیند بھی آئی بابا،
آپ کو دیکھ لیا دل کو قرار آنے لگا   چھوڑ کر مجھ کو نہ جائیں کہیں اب شاہِ ہدا
اب نہ روؤں گی کلیجے سے لگا لیجئے اب
میں جو سو جاؤں تو اے شاہ جگا دیجئے اب

بات کرتے ہوئے چپ ہو گئی شہ کی دُختر
دیر تک آئی نہ آواز تو بولی مادر
ہول آتا ہے مجھے، دیکھئے بنتِ حیدرؑ
کہیں بے ہوش ہوئی ہو نہ مری لختِ جگر
مجھ کو حیرت ہے سرِ شام یہ روئی نہیں وہ
آج سے پہلے سرِ شام تو سوئی نہیں وہ
رنگ فق ہو گیا زینبؑ نے جو بچی کو چھُوا
سرد تھا سارا بدن، نبض کا بھی تھا نہ پتا
اب سکینہؑ کا کوئی غم نہ کرو، ماں سے کہا
لے گئے ساتھ اسے اپنے شہِ ہر دوسرا
پہرہ داروں سے کہو، اب نہ کبھی روئے گی وہ
دفن کی فکر کریں، قبر میں اب سوئے گی وہ
ماں سے بولیں، یہی کرتا ہے کفن اب اس کا
یہی ملبوسِ عروسی، یہی اس کا جوڑا
کس لیے روتی ہو، بیٹی کو کرو اپنی بدا
لیے جاتے ہیں اُسے خُلد میں شاہِ والا
سرِ شبیرؑ سے بولیں کہ یہ دولت لے لو
بھیّا زینبؑ سے تم آج اپنی امانت لے لو
بھائی شرمندہ بہت تم سے ہے غمخوار بہن
ہے سکینہ کی گنہ گار یہ نادار بہن
کر سکی اُس کے لیے کچھ نہ دلِ افگار بہن
لائی زنداں بھی اُسے ساتھ یہ لاچار بہن
دُر چھنے، دُرّے لگے، واری میں اس پر نہ گئی
شمر نے مارا اُسے ہائے میں کیوں مر نہ گئی
دل فگاروں کی مسیحائی کا سامان تھی وہ
ہر بڑے چھوٹے کی دلداری کا عنوان تھی وہ
روح ماں بہنوں کی تھی اور مری جان تھی وہ
کیا خبر تھی کہ ذرا دیر کی مہمان تھی وہ
کیسے کاٹے کوئی اب قیدِ گراں کی راتیں
اُس کی باتوں سے بہل جاتی تھیں ماں کی راتیں
ننھی سی جان نے دکھائی ہے شجاعت کیسی
اتنی سی عمر میں تھی صبر کی طاقت کیسی
بھوک اور پیاس کی جھیلی ہے مصیبت کیسی
مُتبسّم ہے مگر بھول سی صورت کیسی
کیا دوا، آب و غذا بھی یہ بہن دے نہ سکی
بھائی میں اپنی بھتیجی کو کفن دے نہ سکی

ایک غم یہ بھی گزرنا تھا سو گزرا دل پر   کھا گئی ماہِ شبِ غم کو اندھیروں کی نظر
لے گئے گود سے مادر کی بہن کو اصغرؑ   کیسے اب شام کے زندان میں آئے گی سحر
اِک رفیقِ غمِ شبیرؑ چھٹی زینبؑ سے
بھائی کے پیار کی تصویر چھٹی زینبؑ سے
صبر کہہ اُن سے کہ دل اپنا سنبھالیں زینبؑ   جتنے بھی درد ہیں سینے میں چھپالیں زینبؑ
اشک سجّادؑ کے آنکھوں سے لگا لیں زینبؑ   بکھرے اوراقِ شہادت کو اٹھا لیں زینبؑ
فرضِ سالارئ اربابِ نظر باقی ہے
کربلا اور مدینے کا سفر باقی ہے
رات یہ حق کے چراغوں پہ ہے بھاری اب بھی   نور و ظلمات میں ہے معرکہ جاری اب بھی
دولت و جاہ ہیں کردار سے عاری اب بھی   بے حدی خواں ہے شہادت کی سواری اب بھی
غم کی قسمت کو ہے درکار فغانِ زینبؑ
چاہیئے حق کے لیے اب بھی زبانِ زینبؑ

مرثیہ

شہادتِ نطق

یارب ! مری زبان کو جرأت بیاں کی دے

(درحالِ شبیہِ پیمبرؐ علی اکبر ابن الحسینؑ)

خدا جانے کس طرح ہمارے معاشرے میں یہ خیال عام ہو گیا کہ سکوت عقل و خیر ہے اور نطق وجہِ فساد۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی ایک نمایاں صفت کلام ہے اور اس کے سارے پیامبر نطقِ خدا ہی کے امین تھے۔ دراصل ہر ظالم نظامِ سیاست و معاشرت انسانوں کو خاموش رہنے کی تعلیم دیتا ہے کہ اسی میں اس کی عافیت ہے، زبان کھولنا تنقید اور بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ نطق نور ہے، فکر ہے، آزادی ہے، جرأت ہے، فن ہے، تہذیب ہے، اس کے برخلاف سکوت تیرگی ہے، سیاہی ہے، بزدلی و مصلحت ہے، ظلم ہے، ہوس ہے، غلامی ہے، قتلِ فن و تہذیب ہے۔ اسی لیے سارتر نے فرانس پر نازی جرمنی کے قبضے کو "سکوت کی سلطنت" کا نام دیا تھا۔

اس مرثیہ کا مرکزی موضوع نطق ہے، اس کے چہرے میں جہاں سکوت کی اور بھیانک شکلوں کا ذکر ہے، وہیں اردو زبان کا المیہ بھی ہے۔ زبان کے خلاف سازش انسانی تہذیب پر حملہ ہے، اور اردو کی موت برصغیر کی مشترکہ تہذیب کی موت ہوگی۔

حسینؑ کا آخر وقت تک ظلم کی بیعت سے انکار گونگے بہرے بُتوں کی خدائی کا انکار تھا۔ اس انکار میں اعلانِ حق بھی تھا۔ کربلا میں یہ نطق حسینؑ کے جوان بیٹے علیؑ اکبر کی اذان بن کر صبحِ عاشور گونجا۔ علیؑ اکبر مقبول روایات کے مطابق اٹھارہ برس کے نوجوان تھے، رسولِؐ اسلام کی زندہ شبیہہ، رفتار میں، گفتار میں، خط و خال میں ہر طرح محمدؐ مصطفےٰ سے مشابہ۔ بعض مستند روایتوں میں ملتا ہے کہ معاویہ سے کسی نے پوچھا کہ تمھارے بعد خلافت کا حق دار کون ہے تو جواب دیا کہ علیؑ (اکبر) ابن الحسینؑ، جن کو ماں کی طرف سے بنی امیہ کی سخاوت و سیاست ملی ہے اور باپ کی طرف سے بنی ہاشم کی امانت و عدالت اور شجاعت۔ اس روایت اور شیخ مفید کے قول کے مطابق شہادت کے وقت علیؑ اکبر کی عمر ۲۸ یا ۳۰ برس تھی لیکن عزائی ادب میں جو روایت مسلم ہے وہ یہ کہ ان کی عمر

اٹھارہ سال تھی ۔ مقاتل میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ خاندان رسالت میں کربلا کے پہلے شہید تھے لیکن مقبولِ عام روایت کے لحاظ سے آپ اپنے پدرِ بزرگوار کو نانا کی شبیہہ ہونے کی بنا پر اس قدر عزیز تھے کہ جب کوئی نہ رہا تب مجبوراً آپ کو جہاد اور شہادت کی اجازت دی ۔ مرثیے میں پہلی روایت کی طرف صرف اشارہ ہے لیکن مقبول عام روایت کی توجیہہ شاعرانہ منطق اور عقیدتی پہلو سے کی گئی ہے ۔

علیؑ اکبر کو ان کی پھوپھی زینبؑ نے پالا تھا اور ان کی لاش اٹھانے میں بھی مجروح و دل شکستہ بھائی کی مدد کی تھی ۔ وہ اسی طرح پورے خاندان کی امیدوں کا مرکز تھے جس طرح رسولؐ کی ذات اسلام کا محور ہے ۔ علیؑ اکبر کی اذانِ عاشور ہی کے طفیل آج تک اذانیں گونج رہی ہیں اور نمازیں قائم ہیں ۔

یارب مِری زبان کو قدرت بیاں کی دے لب مصلحت کے بند ہیں، جرات بیاں کی دے
حاکم ہے کذب، مجھ کو صداقت بیاں کی دے ہر لفظ جاگ اُٹھے، وہ کرامت بیاں کی دے
صاحب سخن کو تو یدِ بیضا بھی کر عطا
دی ہے زبان تو لبِ عیسیٰ بھی کر عطا
کب سے ہوں میں سکوت کے صحرا میں سرگراں سُنتا ہوں ایک عمر سے سنّاٹے کی فغاں
خاموشی کی صلیب پہ اصوات نیم جاں آغشتہ اپنے خوں میں ریاکشتہ نیکیاں
کھلتا ہے لب تو ہوتا ہے بابِ حیات بند
کھولو گرہ جو کذب کی بابِ حیات بند
خوف و خطا و کذب ہیں اخلاق کے امیں کہتے ہیں بزدلی کو مروّت، ریا کو دیں
چہرے ہیں جرم و جور و جفا کے بہت حسیں حق گوئی شرعِ ظلم میں جائز کہیں نہیں
ساکت رہو تو عیشِ دو عالم کا در کھلے
اظہارِ شک کرو تو جہنم کا در کھلے
اے خالقِ کلام و کلیم! اے خدائے فن احسان ہے ترا جو کیا صاحبِ سخن
اے ناطقِ حقیقی و خلّاقِ ذو المنن تیری عطا ہے نطق، مُقِر ہیں لب و دہن
میری زباں سدا سے نمک خوارِ نطق ہے
میں کیوں رہوں خموش، یہ انکارِ نطق ہے
ستّارِ جرم و جور ہے صحرا سکوت کا لب تشنگی کی قبر ہے دریا سکوت کا
جائے قیامِ ظلم ہے خیما سکوت کا نا منصفی کے تن پہ ہے چہرہ سکوت کا
وہ نطق دے سکوت کا بھی دل دھڑک اُٹھے
موجِ سخن سے راکھ میں شعلہ بھڑک اُٹھے

یارب ! نہ مدحِ ظلم سے آلودہ ہو زباں
نظروں میں گر کے اٹھنا مدارج میں ہے زیاں
ملتی ہے پست ہو کے بلندی تو رائیگاں
حاصل ریا سے ہو جو فراغت تو ننگِ جاں
یارب ! بجز سخن کوئی دولت نہیں قبول
قیمت ہو مہرِ لب کی تو جنت نہیں قبول
عالم کو بیوقوف بناتی ہے خامشی
تمیزِ حسن و قبح مٹاتی ہے خامشی
خیر اور شر کا فرق اٹھاتی ہے خامشی
حکمت کو زہرِ جہل پلاتی ہے خامشی
ہر اک شہیدِ ظلم شہیدِ سکوت ہے
ظالم ہے جس جگہ بھی، یزیدِ سکوت ہے
جب احمقوں کی بزم میں جاتی ہے خامشی
خوش ہو کے خوب سر کو ہلاتی ہے خامشی
مسند پہ بے زباں کو بٹھاتی ہے خامشی
بولے کوئی تو آنکھ دکھاتی ہے خامشی
حاکم ہے جبر و جور کے دربار میں سکوت
بکتا ہے خوب جھوٹ کے بازار میں سکوت
آمنّا کہہ کے سر کو جھکاؤ تو خوش سکوت
صدّقنا کہہ کے سچ کو دباؤ تو خوش سکوت
جھنڈے پہ جھوٹ کو جو چڑھاؤ تو خوش سکوت
لفظوں میں مدعا کو چھپاؤ تو خوش سکوت
خاموشی پہرے دار معانی کی قبر پر
رقصاں دھواں ہے شعلہ بیانی کی قبر پر
چپ رہنے ہی میں خیر ہے، کہتی ہے مصلحت
ہے خامشی میں جہل و حماقت کو عافیت
جابر کے آگے خامشی سب سے بڑی صفت
اہلِ ریا کی شرع میں حق گوئی معصیت
ڈرتے ہیں جرم و کذب ہی چہرہ نمائی سے
خبث اور جہل کانپتے ہیں لب کشائی سے
گر خامشی شرافت و نیکی کا ہے نشاں
کیوں چپ رہے نہ جھوٹ کے آگے پیمبراں
فرعون کی خدائی بھی موسیٰ کو کیوں گراں
کیوں آگ سے نہ جھجکی براہیم کی زباں
کیوں آج بھی صلیب محبت کی ہے زباں
کیوں آج بھی سکوت شقاوت کی ہے زباں

کیوں گونگے بہرے بت تھے محمدؐ کو نا قبول؟   قرآں ہے نطق، نطق کا ہوتا تھا کیوں نزول؟
کیوں تھا سکوتِ جہل گزیدہ سے حق ملول؟   کیوں صلح کوش چپ نہیں ایمان کا اصول؟
کیوں توڑی مہرِ خوف شہِ مشرقین نے؟
کیوں بیعتِ یزید نہ کر لی حسین نے؟
قرآں بھی ان کے واسطے سامط جو خود خموش   قرآں ہے ان کا آج بھی ناطق جو حق نیوش
قرآں ہے ان کا نیزوں پہ، جو ہیں اجل فروش   قرآں ہے ان کا ہونٹوں پہ جو ہیں سحر بدوش
ناطق نہیں تو اہلِ سخن معتبر نہیں
نیزوں پہ بھی خموش شہیدوں کے سر نہیں
اے وہ کہ تیری ذات ہے میزانِ خیر و شر   بتلا دے کون ہے ترا نائب زمین پر
عاری زبان و لب سے یہ دو پایہ جانور؟   یا وہ کتاب خواں رہے کٹ کر بھی جن کے سر؟
نائب کیا سکوت کو تو نے زمین پر؟
یا نورِ رہبری ہے سخن کی جبین پر؟
گر ہے کلام تیری صفت اے کلام گر   گر صاحبِ کلام ہیں تیرے پیام بر
گر ہیں ترے کلام کے آئینے خشک و تر   گر ہیں ترے کلام کے محرم شجر، حجر،
پھر ہے سکوت ہرزہ سرا کیوں جہان میں
کیوں حکمراں ہے تیرگی کون و مکان میں
کیوں تو نے خامشی کی زبان کو کیا دراز   کیوں خامشی کے رنگ ہیں اتنے نظر نواز
کیوں نغمگی پہ چھا گئے خاموشیوں کے ساز   کیوں ہے سکوتِ جہل زمانے میں سرفراز
اہلِ سخن پہ کیسے ہوا حکمراں سکوت
کیا صبر و ضبطِ نطق کا ہے امتحاں سکوت
ہے اک سکوت، روپ ہیں اس کے کئی ہزار   ظلمات، خوف، جہل، ریا، کذب، ظلم، نار
تیغ و سنان و تیر و تبر، قتل و سنگسار   مکر و حسد، دغا و تشدد صلیب و دار
جاگیر و تخت، منصب و انعام اسی کے روپ
کرسی پہ اکڑے بیٹھے ہیں سب خامشی کے روپ

کرسی پہ آ کے بیٹھے تو احمق ہے عقل مند   کرسی ملے تو اندھا نظر سے ہو بہرہ مند
کرسی پہ آئے گونگا تو سب کی زباں ہو بند   کرسی پہ چڑھ کے بونے ہیں دیوتاؤں سے بلند
کرسی ہے راہبر ہوسِ زر کی راہ میں
کرسی خدا سکوت کی اندھی نگاہ میں

اے خالقِ جماد و نبات، اے مرے خدا   ہر سمت دیکھتا ہوں خموشی کا شعبدہ
کم ظرف ہے، دنی ہے یہ دنیائے بے حیا   کرتی ہے سربلندوں کو پامال برملا
سفلہ ہے، سفلہ پرور و ظالم نہاد ہے
بنیاد میں زمین کی شاید فساد ہے

بالشتیوں کی اس نے بسائی ہیں بستیاں   ایک آدھ آدمی ہے کہیں ان کے درمیاں
جس سے گریز کرتی ہیں جھوٹی بلندیاں   سینے پہ آسمان کے چڑھتی ہیں پستیاں
شمعوں کے سر پہ تیرگیِ دُود حکمراں
ہستی کی مملکت میں ہے نابود حکمراں

ہے خامشی ہی قاسمِ دستارِ آبرو   دانش گھروں میں علم زبوں، جہل سرخرو
زخمِ خرد کو تیرہ دماغی کرے رفو،   تحقیقِ زندگی پہ ہیں مامور مردہ جو
بے لب سکوت منتظمِ جامعات ہے
تقسیمِ عقل، عقل کے اندھوں کے ہاتھ ہے

ہیں لفظ کے کفن میں معانی چھپے ہوئے   زخموں کے پیرہن ہیں زباں پر سجے ہوئے
ہیں کھوکھلی زبانوں کے چابک اٹھے ہوئے   افواجِ مصلحت کے ہیں نیزے تنے ہوئے
دندانِ حرص و آز کے نرغے میں ہے زباں
پابند و خوار ظلم کے کوفے میں ہے زباں

سچ بے اماں مدینۂ حق کی فضاؤں میں   خورشیدِ صبح شام کی کالی گھٹاؤں میں
بو خونِ عشق کی ہے ہوس کی ہواؤں میں   بیٹھی ہے جنگ امن کے کعبے کی چھاؤں میں
فرمانِ جبر ہے کہ نہ غم کو زباں ملے
پائے جو غم زباں تو نہ اس کو اماں ملے

آزادیٔ خیال کی قسمت ہے بے گھری جنگل میں شور و غل کے ہے گم صم نواگری
خار و خسِ سکوت سے الجھے سخن وری آوارہ دشتِ جہل میں علمِ پیمبری
خواہاں خراج کا لبِ اظہار سے سکوت
بیعت طلب ہے جرأتِ گفتار سے سکوت
اے وہ کہ تیرا لفظ ہے تخلیقِ کائنات قیّوم و حیّ و قادر و ناظم ہے تیری ذات
آئینے تیرے علم و نظر کے ہیں شش جہات تیرے کلام ہی سے ثبات و تغیّرات
تیری ہی جوئے فیض ہے طبعِ رواں مری
ہے تجھ سے اذنِ نطق کی طالب زباں مری
تیری عطا کہ نطق کو لب اور دہن ملا در سے ترے غریب کو گنجِ سخن ملا
یہ لعلِ شب چراغ، یہ دُرِّ عدن ملا جو ہے مسیحِ لفظ و معانی، وہ فن ملا
ہر لفظ میرا گوہرِ شہوار ہو گیا
تیرے کرم سے میں بھی گہربار ہو گیا
شاہنشہی ذلیل ہے، سرمایہ خوار ہے منصب ہو، اقتدار ہو، بے اعتبار ہے
طاقت ہے بے بساط تو زر بے وقار ہے جس بات پر بھی زعم ہو، ناپائیدار ہے۔
اک طرح کا دوام جو حاصل ہے، فن کو ہے
دنیا میں اعتبار میسّر سخن کو ہے
سیلِ زماں کی راہ میں ہر شے ہے اک گماں اک بحرِ بے کنار ہے ظلمات کارواں
ہاں، کچھ چراغ تیر رہے ہیں یہاں، وہاں یہ نقطے اور کچھ نہیں، ہیں نطق کے نشاں
ابھرا سخن کا نقش، زمانہ سمٹ گیا
سیلِ زماں کلام کے رستے سے ہٹ گیا
ہر روپ میں کلام منارا ہے نور کا معنیٰ ہے نور، لفظ سہارا ہے نور کا
نغمہ ہے بحر، ساز کنارہ ہے نور کا تیشہ ہے عشق، صوت شرارا ہے نور کا
سارے فنون شاخیں ہیں مشکوٰتِ نور کی
سارے علوم شرح ہیں آیاتِ نور کی

ہر لفظ اک سیاحتِ صحرائے ذات ہے   ہر لفظ اک کلیدِ طلسمِ حیات ہے
ہر لفظ اک ثبوتِ شکستِ ممات ہے   ہر لفظ اپنے آپ میں اک کائنات ہے
ہر لفظ ایک عقدہ کشائی ہے نطق کی
ہر لفظ ایک چہرہ نمائی ہے نطق کی
لفظوں پہ دسترس ہو تو چھٹتی ہے تیرگی   اس موجِ روشنی سے بھڑکتی ہے تیرگی
اس تیغ کا ہو وار تو کٹتی ہے تیرگی   رستے سے اس کے خوف سے ہٹتی ہے تیرگی
لفظوں کا ہے سفر کہ چراغانِ نطق ہے
معنی کا ہے نزول کہ بارانِ نطق ہے
ہے نطق حرفِ عشق تو نفرت ہے خامشی   ہے نطق وجد و کیف تو وحشت ہے خامشی
دریا دلی ہے نطق تو خسّت ہے خامشی   فضل و شرف ہے نطق تو ذلّت ہے خامشی
عرفانِ ذات، حق کی رسالت ہے ناطقہ
تکمیلِ آدمیت و نعمت ہے ناطقہ
ہے نطق چہرہ اور خموشی نقاب ہے   ہے نطق طور اور خموشی حجاب ہے
ہے نطق سلسبیل، خموشی سراب ہے   ہے نطق سیلِ وقت، خموشی حباب ہے
ظلماتِ خامشی میں پیمبر ہے ناطقہ
لب تشنگی میں ساقیٔ کوثر ہے ناطقہ
یا مصطفاؐ و ساقیٔ کوثر! مدد کرو   آیا ہے سخت وقت زباں پر، مدد کرو
قطعِ زباں کی فکر میں ہے شر، مدد کرو   الفاظ ہونے والے ہیں بے سر، مدد کرو
جمہوریت میں بے سخنوں کو زباں ملی
لیکن کہیں نہ میری زباں کو اماں ملی
یہ وہ زباں جو خاص کی اور عام کی زباں   وجدان و کشف، جذبۂ و الہام کی زباں
بانی گرو کی، ویدوں کے پیغام کی زباں   تشکیک و دین، کفر اور اسلام کی زباں
روشن خیالیوں سے بصارت اسے ملی
ذکرِ حبیبِ حق سے طہارت اسے ملی

یہ وہ زباں جو کوثر و تسنیم سے دُھلی   گنگ و جمن کی آبرو، تو قیرِ گومتی
موسی کا حسن، سندھ کی، راوی کی لاڈلی   گوداوری، کرشنا کی اک موجِ عاشقی
ہنستا ہے اس کی آنکھوں میں مہتابِ کاشمر
دیتی ہے بحرِ ہند کو یہ آبِ کاشمر
یہ وہ زباں، جو میل و محبت کا نطق ہے   جمہوریت کی جان، اخوت کا نطق ہے
آزادیِ خیال و شرافت کا نطق ہے   گلہائے رنگ رنگ کی وحدت کا نطق ہے
کہتا ہے جو اسے یہ ہے تفریق کی زبان
وہ چاہتا ہے بند ہو تخلیق کی زباں
یہ وہ زباں جو عشق کے اظہار کی زباں   برسوں کہا گیا اسے غدّار کی زباں
رکتی ہے اس کے ذکر سے سرکار کی زباں   کھلتی ہے اس کے قتل کو اشرار کی زباں
برسوں رہی تغافلِ جاناں سے جاں بہ لب
اب ہے ہجومِ بردہ فروشاں سے جاں بہ لب
زنجیر جب سے قیدِ فرنگی کی ہے کٹی ∴   یہ قیدِ ہر مقام سے آزاد ہو گئی ∴
آئین نے کہا کہ ترا گھر ہے بے گھری   بن باس پایا لفظوں نے یہ دیکھتی رہی
جو آشنا تھے، شکل بھی پہچانتے نہیں
اپنے ہی گھر کے بچّے اسے جانتے نہیں
مخرج سے کٹ کے ہو گئیں اصوات نوحہ خواں   زیر و زبر ہیں عطف و اضافات کے نشاں
مٹ مٹ کے نقطے ملکِ عدم کو ہوئے رواں   معنیٰ سے چھوٹ کر ہوئے الفاظ نیم جاں
زخم اب بھی ہیں ہرے کہ زباں لال ہو گئی
تحریر کی جو شان تھی، پامال ہو گئی ∴
کچھ گونگے بہرے بیٹھے اسے پوجتے رہے   بے وارث اس کو جان کے سب لوٹتے رہے
سب قائدانِ قوم اسے بیچتے رہے   آپس میں اندھے اس کا کفن بانٹتے رہے
عیزوں نے اس کے دفن کا فرماں اُدھر دیا
اپنوں نے اس کی ہستی سے انکار کر دیا

مرتی زباں کا کوئی زباں داں نہیں ہوا　　فاقے پڑے تو کوئی بھی پرساں نہیں ہوا
جز حرفِ شوق کوئی غزل خواں نہیں ہوا　　اک بے بسی بھی اور کوئی گریاں نہیں ہوا
پایا جو کچھ تو سیکڑوں غم خوار آ گئے
ترکے میں حصہ لینے کو حقدار آ گئے
دیکھا ہے اقتدار نے جو التفات سے　　اس کی مجاوری کو سبھی اٹھ کھڑے ہوئے
جتنے بھی تھے گونگے بہرے سب اہلِ زباں بنے　　منکر تھے اِس سے جو، وہی اس کے گلے پڑے
تاجر ہیں جمع، بیچ نہ ڈالیں زبان کو
دندانِ حرص مل کے نہ کھالیں زبان کو
یہ التفات ہو نہ تغافل سے بھی گراں　　پہلے تو لوٹا، ہوتی ہیں اب اشک شوئیاں
آنسو فروش بیٹھے ہیں کھولے ہوئے دکاں　　ڈرتا ہوں مصلحت کی نہ بن جائے یہ زباں
دستِ گدا میں بن گئی کشکول ووٹ کا
پورس کے ہاتھیوں پہ بنی جھول ووٹ کا
توفیق دے زباں کو کہ با آبرو رہے　　یہ ترجمانِ صدق و صفا سرخ رو رہے
بے باک، حق پسند، جواں، نکتہ جو رہے　　طوقِ گلو نہ بن سکے، نورِ گلو رہے
مرنے نہ پائے یہ مری تہذیب کی زباں
بن کر رہے ہزار اسالیب کی زباں
اے خالقِ کلام و زباں اے لسانِ حق　　اک عمر سے ہے قتلِ زباں کا مجھے قلق
میں نے بھی اس زباں میں پڑھا صدق کا سبق　　میں نے بھی اس زباں میں لہو سے لکھے ورق
تیرے عطا و جود سے مجھ کو زباں ملی
اردو سے مجھ کو قوتِ شرح و بیاں ملی
تو خالقِ زمانہ و خلاقِ خوب و زشت　　تخلیق کو بنایا ہے تو نے مری سرشت
سینچی ہے میں نے خون سے افکارِ نو کی کشت　　تو چاہے تو یہ خاک ہو، چاہے تو ہو بہشت
میری زباں کے باغ کو شاداب رکھ سدا
تو میری کشتِ شعر کو سیراب رکھ سدا

تیرے کرم سے ہنستے رہیں یہ لہو کے پھول   بارانِ فیض سے کھلیں ہر رنگ و بو کے پھول
روشن رہیں دماغ و دل و آرزو کے پھول   تازہ رہیں سدا مرے ذوقِ نمو کے پھول
میرے یہ پھول آبروئے فن رہیں سدا
مفلس کے ہیں چراغ، یہ روشن رہیں سدا
یارب! ہمیشہ مہکیں مری گفتگو کے پھول   آلودۂ ریا نہ ہوں دل کے سبو کے پھول
ہر دم زبان گوندھے لبِ صدق خو کے پھول   چنتا رہے زمانہ مری جستجو کے پھول
بادِ سموم آئے نہ اس مرغ زار میں
ہو جشنِ گل کی دھوم سدا اس دیار میں
یارب کبھی خزاں نہ ہو میری بہارِ فکر   ہنستی رہے سکوت پہ میری نگارِ فکر
رکھیں حریف پلکوں پہ میرا غبارِ فکر   دنیا سے بے نیاز رہے تاجدارِ فکر
صحرائے غم میں شاخِ سخن کی ہری رہے
جھولی مری سدا زرِ گل سے بھری رہے
تخلیقِ فن کی خالقِ کل سے ہے یہ دُعا   نہرِ سخن پہ اترے مضامیں کا قافلہ
ذرّے مری زمیں کے ہوں خورشید آشنا   فن ہو مرا کلام کا اک زندہ معجزا
میرے تخیلات سے ایجاد ہو جہاں
میرے تصوّرات سے آباد ہو جہاں
دشتِ سکوت نورِ بیاں سے چمک اٹھے   موجِ خیال فرش سے افلاک تک اٹھے
لفظوں کے گلشنوں سے زمانہ مہک اٹھے   جامِ سفال آبِ بقا سے چھلک اٹھے
پرتو رہے سخن میں جلال و جمال کا
جوہر اس آئینے سے نہ جائے کمال کا
خوابیدہ لفظ و معنی کی بارات جاگ اُٹھے   خاموشیوں کا شہرِ طلسمات جاگ اُٹھے
دہشت مآب خواب سے یہ رات جاگ اُٹھے   اُتریں شعاعیں، محبسِ ظلمات جاگ اُٹھے
صدقہ علیؑ کی تیغِ عدالت شعار کا
جوہر مری زباں کو ملے ذوالفقار کا

بس ہو چکی مذمّتِ خوفِ سیاہ کار   بس ہو چکی نقابِ خموشی کی تار تار
ہے مقتضیٰ گریز کا اب نطقِ آبدار   ان کا بیاں ہو، جن سے سخن کا رہا وقار
ہجوِ زمانہ ہو چکی، مدحت کے گل کھلیں
شاخِ نہالِ غم پہ مسرت کے گل کھلیں
غم کیوں کریں، ہے قحطِ رجال آج کل اگر   ہر عہد میں ہوئے ہیں فقط چند دیدہ ور
زریں قبا پہنتے تھے پہلے بھی خوک و خر   بیٹھا کیے ہیں پہلے بھی انسان خاک پر
ممدوح کی تلاش میں ہے سرگراں جہاں
اس در پہ جائیں، سجدے میں ہیں آسماں جہاں
وہ در، جو ہے کلام کا گھر، نطق کا مکاں   جس کا ہر ایک گوشہ ہے معنیٰ کا اک جہاں
جس کا ہر ایک ذرّہ ہے قرآں کا رازداں   جس کی ثنا میں روحِ امیں ہیں قصیدہ خواں
جس کے غلاموں سے ہے سرافراز نامِ حق
جس گھر کی باندیوں کی زباں ہے کلامِ حق
وہ گھر، ہوا نہ جس پہ کبھی بابِ نطق بند   آوازۂ صداقت و حق جس سے ہے بلند
جس کے کلام سے ہے جہاں اب بھی بہرہ مند   ہے ناطقِ حقیقی کو جس کا سخن پسند
جس خانۂ شرف سے عیاں حق کی آیتیں
جس گھر کے طفل و پیر و جواں حق کی آیتیں
وہ گھر، جو خامشی کے بتوں کی شکست ہے   جس کا غبار ماہ نشاں، مہر دست ہے
چوکھٹ سے جس کی چرخِ چہارم بھی پست ہے   سدرہ کی منتہا سے پرے جس کی جست ہے
نسبت حبیبِ حق کی طرف اس مکاں کو ہے
مولودِ بیتِ حق سے شرف اس مکاں کو ہے
اس گھر سے بھیک مانگتی ہے جنتِ نعیم   اس گھر کے ہیں فقیر جہاں کے لیے کریم
اس گھر کے پاسباں ہیں سلاطیں سے بھی عظیم   اس گھر سے جس نے سیکھا سخن، ہو گیا کلیم
خیرہ ہیں آنکھیں دہر کی جس برقِ طور سے
اس کا دیا جلا تھا اسی گھر کے نور سے

یہ گھر مکاں ہے فضل کا، مسکن وقار کا   مطلع شرف کا، مقطع ہر اک افتخار کا
منبع یقیں کے نور کا، باب اعتبار کا   مصدر ہے کُن کے نغمے کا، مولد بہار کا
رُخ جس طرف کیا اسے قبلہ بنا دیا
اس گھر نے بت کدے کو بھی کعبہ بنا دیا
کعبہ خدا کا گھر ہے تو یہ خانۂ رسولؐ   نورِ نگاہِ خیر بشر، مسکنِ بتولؑ
یاں مہکے سیدانِ جناں کے قدم کے پھول   قرآن اور حدیث ہے یاں نطق کا نزول
جذب اس کی خاک میں ہے پسینہ رسولؐ کا
اس گھر سے محترم ہے مدینہ رسولؐ کا
اس گھر کا در ہے علم کا باب اور سخن کا در   آتے ہیں سجدہ کرنے مَلک اس کی خاک پر
اس گھر کا یہ شرف ہے کہ خود سیّدِ بشرؐ   آتے ہیں اس کی دید کو ہر شام اور سحر
معراج ایک بار ہی افلاک کو ملی
عزت یہ لاکھ مرتبہ اس خاک کو ملی
سب معرفت کے سلسلے اس گھر ہی سے چلے   پائے ہیں عقل و عشق نے اس گھر سے حوصلے
دی حریت غلاموں کو، بوڑھوں کو ولولے   ایماں کو عزم بخشا، شجاعوں کو اسلحے
ہر غزوۂ رسولؐ اسی گھر سے سر ہوا
حکمِ جہادِ نفس یہیں کارگر ہوا
اس گھر کے سب مکین شرف کی کتاب ہیں   شاہد ہے خود خدا، یہ فضیلت مآب ہیں
تطہیر کی نگاہ میں سب آفتاب ہیں   چشمِ مباہلہ میں سبھی انتخاب ہیں
گلدستۂ کسا میں ہیں ایماں کی صورتیں
کلمہ انھیں کا پڑھتی ہیں قرآں کی سورتیں
بدر و اُحد میں تیغ کا سکّہ جما دیا   خندق میں کلِّ کفر کو حکمِ قضا دیا
توڑا حصارِ شر، درِ خیبر گرا دیا   ہجرت کو فتحِ مکّہ کا عنوان بنا دیا
بار آور اس مکاں میں رہی ہے صدائے حق
اس گھر میں آ کے رہن ہوئی ہے رضائے حق

یہ گھر ہے یا مُرقعِ انوارِ پنج تن ،   یا بحرِ خامشی میں ہے مینارۂ سخن
یا عشق ریگِ دشتِ ہوس پر ہے خیمہ زن   یا شام کی سپہ میں علم حق کا ضو فگن
شرمندہ ہو ارم ، جو اسے روبرو کریں
اس گھر میں آکے کوثر و زمزم وضو کریں
اس گھر کا فیض ہے ، جسے ابرِ کرم کہا   صدقہ ہے اِن کا ، جس کو جہاں نے حشم کہا
شاہی نے پائی بھیک تو طبل و عَلم کہا   اس گھر کی خاک ہے ، جسے باغِ ارم کہا
بندے ہیں یہ ، ہے شان مگر کبریائی کی
اللہ کا ہے نام ، انہوں تے خدائی کی
میں کیا زبانِ شعر کی یہ دھوم دھام کیا   تشبیہ و استعارۂ و فن کا نظام کیا
کیا فکر کا مقام ، تخیّل کا کام کیا   حق ان کا مدح خواں ہے ، بشر کا کلام کیا
اس گھر کے طفل کی بھی فصاحت کسے ملی
فضہؓ کے نطق کی بھی بلاغت کسے ملی
ہو اِن کا فیض ہم پہ تو ہم گفتگو کریں   عجزِ بیاں کے چاک مژہ سے رفو کریں
پہلے خود اپنے دل کے لہو سے وضو کریں   پھر اِن سے دستگیری کی ہم آرزو کریں
نام ان کا لے وہی ، جو ریا ناشناس ہے
لب کھولے وہ ، جو عشق کا جاداشناس ہے
اس رہ کے پیچ و خم کو رسالت سے پوچھیے   شانِ جہادِ نفس امامت سے پوچھیے
مرنے کا لطف شوقِ شہادت سے پوچھیے   آتی ہے نیند کب ، شبِ ہجرت سے پوچھیے
غزوات بھی ہیں ، حرمتِ بیتِ خدا بھی ہے
اس راہ میں فرات بھی ہے کربلا بھی ہے
اس راہ میں جہاد بھی لازم کتاب بھی   تیغِ علیؑ بھی ، نطقِ رسالت مآبؐ بھی
بے پردگی بھی ، عصمتِ حق کی نقاب بھی   طوق و رسن بھی ، خونِ بنِ بوترابؑ بھی
اس راہ میں صغیر نہ کوئی کبیر ہے
ہر نقشِ پا میں نورِ سراجِ منیر ہے

اس راہ پر چلیں تو اسی گھر کے ساتھ ساتھ   چلتا رہا جو مرضیِ داور کے ساتھ ساتھ
اٹھیں قدم تو سبطِ پیمبر کے ساتھ ساتھ   ٹھہریں کہیں تو قاسمؑ و اکبرؑ کے ساتھ ساتھ
گر کوئی راہ روکے تو پھر حُرؑ کی شان سے
مہماں بنے تو جان بھی دے آن بان سے
یہ جادۂ وفا، یہ رہِ عشق آشنا   اُس گھر کی راہ ہے جو وحی کا ہے منتہیٰ
واقف نہ ہو تو پوچھ لو جبریل سے پتا   جانتے کہاں ہیں نقشِ کفِ پائے مصطفےٰ
اِس گھر کی راہ منزلِ اہلِ نجات ہے
اِس راہ میں جو موت بھی آئے حیات ہے
گر پوچھنا ہو نکتۂ مرگِ حیات زا   پوچھو علیؑ سے تم شبِ ہجرت کا ماجرا
یا کربلا کی راہ میں آؤ برہنہ پا   یہ راز ہر قدم پہ یہاں فاش ہو گیا
اٹھیں نہ گر قدم تو بصارت کا ساتھ دو
آنکھیں نہ ہوں تو ذوقِ سماعت کا ساتھ دو
راہِ خطر میں سوئے ہیں تھک کر شہِ ہُدا   نزدِ پدر ہے پہرے پہ تصویرِ مصطفےٰ
وہ خواب جس پہ راتوں کی بیداریاں فدا   وہ خواب، ہے جو آئنۂ فردا و دوش کا
وہ نیند ہے کہ ہر نفسِ خوش نماز ہے
آنکھیں ہیں بند یا درِ معراج باز ہے
خوابیدہ رخ پہ جاگ رہی ہیں صباحتیں   عارض پہ ہیں نثار دو عالم کی دولتیں
ہیں غنچگیِ لب میں گلوں کی حکایتیں   ماتھے پہ ہیں پسینے کے قطرے کہ آیتیں
ساکت ہے دو جہاں شہِ ابرار کے لیے
ٹھہرا ہوا ہے وقت بھی دیدار کے لیے
اک بار پہلو بدلا شہِ مشرقین نے   لی آہِ سرد فاطمہؑ کے دل کے چین نے
بڑھ کر قدم کو تھام لیا نورِ عین نے   اکبرؑ کو آنکھیں کھول کے دیکھا حسینؑ نے
پوچھا پسر نے "آپ ہیں افسردہ کس لیے
سلطانِ صابرین ہیں آزردہ کس لیے

فرمایا ”سوتے سوتے سُنی میں نے اک ندا   کہتا تھا جیسے مجھ سے کوئی رمز آشنا،
ہے منزلِ قضا کو رَوانہ یہ قافلہ   بڑھتے ہیں اس طرف سے حسین اُس طرفِ قضا
اپنا قلق نہیں، مجھے تیرا خیال ہے
اے نورِ چشم! تو ابھی تازہ نہال ہے“
اکبرؑ نے سر جھکا کے یہ پوچھا امام سے   ”کیا حق پہ ہم نہیں ہیں؟ یہ کہیے غلام سے“
فرمایا شاہِ دیں نے یہ اس لالہ فام سے   ”حق آج زندہ ہے تو ہمارے ہی نام سے“
کیا تم کو حق کی راہ میں مرنا قبول ہے؟
بولا پسر کہ ”یہ تو ہمارا اصول ہے“
”ہم حق پہ ہیں تو موت کا پھر کوئی غم نہیں   اس رہ سے جو ہٹیں، وہ ہمارے قدم نہیں
دل سیر ہو تو تشنہ لبی کا الم نہیں   مرنا بھی سچ کے واسطے جینے سے کم نہیں
جس کا نہ اعتبار ہو وہ زندگی ہے موت
حق جس سے بے وقار ہو، وہ زندگی ہے موت“
فرمایا شہ نے ”لیتا تھا میں تیرا امتحان   اے نورِ چشم، لختِ جگر، خانداں کی جان
قائم ہے تجھ سے نطقِ صداقت کی آن بان   تجھ ایسے حق پرستوں سے ہے زندگی کی شان
ڈرتے نہیں ہیں موت سے شیرِ خدا کے شیر
دیتے ہیں درسِ حق یونہی آلِ عبا کے شیر“
”تم نوجواں ہو اور علی اصغر ہے شیر خوار   راہِ خدا میں دونوں کا یکساں ہے اعتبار
بچے ہوں یا غلام، ہوں بوڑھے کہ پردہ دار   ہے جو ہمارے ساتھ، وہ حق کا نگاہ دار
میں جانتا ہوں، قافلہ یہ انتخاب ہے
یہ کاروانِ نطقِ رسالت مآبؐ ہے“
یہ کارواں کہ جس پہ ہے سبطِ نبیؐ کو ناز   ہے جس کی دید کے لیے چشمِ زمانہ باز
جس کا ہر اک قدم ہے رہِ عشق کی نماز   تاریخ ساز جس کا ہر اک فردِ دل نواز
ناطق یہ آیتیں ہیں کوئی بھی خفی نہیں
اِن کے بغیر صدق بھی خود مکتفی نہیں

ان پارہ ہائے صدق و شرافت کے درمیاں سرنامۂ کلام ہے شبیرؑ کی زباں
لیکن اک ایسی آیتِ روشن بھی ہے یہاں آیاتِ نطق مانتی ہیں جس کو اپنی جاں
نورِ نبیؐ عیاں ہے اس آیت کے نور سے
کہہ دو یہی رسولؐ ہیں، دیکھو جو دور سے

ان کا وجود قافلۂ اہلِ حق کی جان پیکر میں اِن کے سیدؐ لولاک ہیں جوان
قامت میں سرفرازیِ ختمِ رسل کی شان طرزِ خرام میں ہے محمدؐ کی آن بان
ہر خال و خط میں عین شباہت رسولؐ کی
حاصل حسینؑ کو ہے رفاقت رسولؐ کی

اِن کے جلو میں یادوں کا اک کارواں رہے رکھیں جہاں یہ پاؤں وہیں آسماں رہے
بیٹھیں جہاں یہ، سایۂ رحمت وہاں رہے ہوں جس طرف یہ، حق بھی اُدھر بے گماں رہے
چہرہ ہے اِن کا، چہرہ رسالت مآبؐ کا
نام ان کا بھی وہی جو ہے بوترابؑ کا

نطق افصحِ عرب کا، بلاغت علیؑ کی ہے ہے خُلق مصطفےٰؐ کا، شجاعت علیؑ کی ہے
سرمایہ ہے رسولؐ کا، دولت علیؑ کی ہے خیر البشر کی جان، ریاضت علیؑ کی ہے
کافر بھی اِن کو دیکھ کے صلِّ علیٰ پڑھے
دیکھے انھیں تو کلمہ نبیؐ کا خدا پڑھے

بچپن کو اِن کی دیکھ کے ہمت جواں ہوئی جب گھٹنیوں چلے تو شجاعت جواں ہوئی
ساتھ اِن کے ہر دعائے رسالت جواں ہوئی یہ جب جواں ہوئے تو شہادت جواں ہوئی
تخلیقِ کائنات ہے جیسے رسولؐ سے
باغِ حسینؑ تازہ ہے اس ایک پھول سے

یہ ہیں جواں تو حق کی ریاضت جوان ہے ماں کا غرور، بہنوں کی چاہت جوان ہے
زینبؑ کی ایک عمر کی محنت جوان ہے غربت میں ابنِ زہراؑ کی دولت جوان ہے
سب کی دعا یہ ثمرۂ حق لازوال ہو
اس شاخِ گل کو دیکھ کے دنیا نہال ہو

اِن کی زبان تیغِ فصاحت کی ہے بہار   اِن کی بہار باغِ صداقت کی ہے بہار
اِن کا وجود خیمۂ عترت کی ہے بہار   اِن کی نگاہ صبحِ مسرت کی ہے بہار
ہنستے ہیں آنکھیں موت کی آنکھوں میں ڈال کر
ظلم ان کے آگے رکھ دے کلیجہ نکال کر

الحانِ حق میں لحن انہی کا رسولؐ ہے   آواز اِن کی نطقِ رسالت کا پھول ہے
اِن کی صدا وظیفۂ ابنِ بتولؑ ہے   قرأت ہے اِن کی وہ، جو خدا کو قبول ہے
دنیا میں شب رہے، جو یہ نوربیاں نہ دیں
نکلے نہ آفتاب، اگر یہ اذاں نہ دیں

بولا پسر سے سیدۂ دوسرا کا پھول   صبحِ شبِ دہم نے جو کھولا قبا کا پھول
مہکے پھر آج لحنِ حبیبِ خدا کا پھول   گلدستۂ اذاں پہ کھلے مصطفٰےؐ کا پھول
اکبرؑ قضا کے دشت میں تم آج اذان دو
تشنہ لبی کو جرأتِ حق کی زبان دو

اک ٹیلے پر کھڑے ہوئے فوجوں کے درمیاں   صحرا میں سربلند ہوا سروِ قدجواں
تصویر ہے نبیؐ کی کہاں، جھوٹ ہے کہاں   منظور تھا کہ دیکھ لیں افواجِ دشمناں
آنکھیں اگر نہ دیکھیں شباہت رسولؐ کی
کانوں سے سن لیں طرزِ خطابت رسولؐ کی

کروٹ بدل کے خواب سے دشتِ بلا اٹھا   دی جب اذاں تو نورِ خدا جگمگا اٹھا
صحرا میں اک نہالِ صداقت نما اٹھا   ذروں کو ناز، خاک سے سورج نیا اٹھا
دشمن کو بھی گماں کہ بلاتے ہیں خود رسولؐ
سوئے ہوئے دلوں کو جگاتے ہیں خود رسولؐ

اذنِ نوا ملا تو ہر اک غنچہ جاگ اٹھا   مَل مَل کے آنکھیں خواب سے ہر ذرہ جاگ اٹھا
سنکی ہوائیں، ناچی کرن، نغمہ جاگ اٹھا   تخلیق کے کرشموں کا سرچشمہ جاگ اٹھا
چہکے طیور، شاخِ شجر گل فشاں ہوئی،
فطرت درود پڑھنے لگی، کلمہ خواں ہوئی

اٹھے نماز پڑھنے رفیقانِ شاہِ دیں   سجدوں سے گود بھرنے کو اوپر اٹھی زمیں
چھپ کر ہوئے ستارہ و مہتاب خوشہ چیں   چمکی نہ مارے شرم کے خورشید کی جبیں
اک لحنِ حق صداؤں کا گلدستہ بن گیا
ظلمت میں نور کے لیے خود رستہ بن گیا
اِس آفتابِ لحن کے برحق طلوع سے   تخلیق پھر جہاں ہوا گویا شروع سے
سجدہ کیا جہاں نے خضوع و خشوع سے   دی خلق نے گواہی قیام و رکوع سے
حقا کہ ہیں حسین رسالت مآبؐ سے
اور ہیں رسولِؐ پاک بنِ بوترابؑ سے
شبیرؑ کے کلام کی طاقت تھی یہ اذاں   گم کردگاں کے واسطے حجت تھی یہ اذاں
نعمت ہے جس پہ ختم، وہ نعمت تھی یہ اذاں   تکمیلِ کارِ ختمِ رسالت تھی یہ اذاں
مدت سے حُرؑ کشاکشِ سود و زیاں میں تھا
کھنچ آیا حق کی سمت، وہ زور اس اذاں میں تھا
اعجاز ہے رسولؐ کا قرآں کی زباں   ہم شکلِ مصطفےٰؐ کا ہے اعجاز یہ اذاں
صدیوں سے سن رہے ہیں بیابان و گلستاں   ہے یہ اذان آج بھی اعلانِ حق کی جاں
ساری اذانیں گونج اسی لحنِ جواں کی ہیں
ممنون سب نمازیں اسی اک اذاں کی ہیں
اعجاز اثر وہ لحن، وہ سیلابِ تشنگی   وہ بادِ ظلم و جور، وہ جاں کی شگفتگی
وہ تین دن کی بھوک میں بھی جوشِ زندگی   سوکھے ہوئے لبوں کے بیاں میں وہ تازگی
نافہم کہہ اٹھیں کہ وحی کا نزول ہے
بولیں زباں داں، یہ زبانِ رسولؐ ہے
حاصل اسی زباں کو ہے قدرت بیان کی   اس مصلحت کدے میں صداقت بیان کی
تابندگی دماغ کی، جرأت بیان کی   دھڑکن دلوں کی اور حرارت بیان کی
یہ نطق ہی رسولؐ ہے آیاتِ خیر کا
ہے آخری کمال کمالاتِ خیر کا

یہ نطق ہی سکوت کے سینے کی ہے چبھن   ہے ظلم کے حصار میں فرہادِ تیشہ زن
ہے تیرگیٔ جہل میں خورشیدِ شب شکن   صحرا میں ہے سکوت کے مینارۂ سخن
پردے میں ہو تو نام اسی کا ضمیر ہے
بے پردہ ہو تو ضربِ شہِ قلعہ گیر ہے
اکبر کی تھی اذان کہ شمشیرِ نطق تھی   گردن میں ظلم و کذب کے زنجیرِ نطق تھی
نادم تھا خود سکوت، وہ تاثیرِ نطق تھی   منکر درود خواں تھے وہ توقیرِ نطق تھی
ظلماتِ خامشی میں پیمبر تھی یہ اذاں
لب تشنگی میں ساقیٔ کوثر تھی یہ اذاں
اِس اک اذاں نے ایسی صفیں حق کی باندھ دیں   امواجِ تیغ و تیر نہ جن کو ہلا سکیں
قائم اسی سے عرش تو ثابت رہی زمیں   تا عصر اس اذان کی کرنیں جواں رہیں
کٹتے گئے گلے، یہ اذاں ضوفگن رہی
نیزوں کی نوک پر بھی شمعِ سخن رہی
جن کے دلوں میں چمکا اس آوازِ حق کا نور   باطل کے آگے بن گئے وہ برقِ کوہِ طور
سینوں میں جن کے اترا تھا اس جام کا سرور   وہ بن گئے ضمیرِ جہاں، صدق کا شعور
محکم ترین آیۂ حجت تھی یہ اذاں
دیباچۂ جہادِ صداقت تھی یہ اذاں
اک سمت اس اذاں کی شعاعیں تھیں ضوفگن   اک سمت خامشی کے اندھیرے تھے تیغ زن
اک سمت تھے کلام کے چشمے لب و دہن   اک سمت تھی یہ فکر کہ ہو قطع یہ سخن
تھی اِس طرف شبیہہ رسالت مآب کی
فوج اُس طرف یزیدِ جہالت مآب کی
برداشت کر سکے نہ سخن حق کا اہلِ کیں   چلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگے لعیں
آگے تھے شہ کے مقتدیانِ امامِ دیں   برسا رہے تھے تیر اُدھر سے سیہ جبیں
پہلی نمازِ عشق نے فدیے طلب کئے
سر عاشقوں نے نذرِ شہِ خوش لقب کئے

وہ جس کو حق کی راہ میں مرنے کی تھی خوشی   جو جانتا تھا جامِ شہادت کو زندگی
جس کے سخن کی شمع تھی سینوں کی روشنی   چہرہ تھا جس کا آئینۂ نورِ احمدیؐ
بے تاب تھا کہ باپ سے اذنِ وغا ملے
مرنے کی زندگی کے لبوں سے رضا ملے

اصحاب کو یہ فکر کہ پہلے ہوں وہ فدا   گر آل میں سے کوئی شہیدِ جفا ہوا
سر اُٹھ سکے گا پھر نہ کبھی پیشِ مصطفےٰؐ   اکبرؑ کی ضد کہ پہلے ہوں وہ فدیۂ خدا
آلِ عبا میں آپ وہ فردِ فرید تھے
ہے راویوں کا قول کہ پہلے شہید تھے

لیکن یہ مانتا نہیں دل اہلِ درد کا   قاسمؑ کے ہوتے پائے شبیہِ نبیؐ رضا
زینبؑ کے لال زندہ ہوں، اکبر کریں قضا   عباسؑ دیکھیں اور بنِ شبیرؑ ہو فدا
جاں دینے والے اتنے بنِ بوترابؑ پر
اور آنچ آئے شکلِ رسالت مآبؐ پر

سب ہی کو یہ جوانِ دل آرا عزیز تھا   پیغمبرِ خدا کا سراپا عزیز تھا
قرآن کا یہ بولتا پارہ عزیز تھا   اکبرؑ نہیں حسینؑ کو نانا عزیز تھا
کہتا ہے دل، حسینؑ نے جب سب لٹا دیا
ہمشکلِ مصطفےٰؐ کو تب اذنِ وغا دیا

فخرِ خلیل بیٹے کو دولہا بنائے گا   ہتھیار اپنے ہاتھ سے بر میں لگائے گا
پٹکا علیؑ کا اِن کی کمر میں سجائے گا   خود آہنی بچاؤ کو سر پر بٹھائے گا
یہ شان بھی جوان کی دکھلائیں گے حسینؑ
نوشہ بنا کے خیمے میں لے جائیں گے حسینؑ

آیا پدر کے ساتھ جو خیمے میں نوجواں   پروانہ وار جمع ہوئیں گرد بیبیاں
دیکھا انھیں تو آگئی زینبؑ کی جاں میں جاں   بہنوں نے چوما بھائی کو ہو ہو کے شادماں
اٹھارہ سال کی یہ ریاضت سبھی کی ہے
سرور کو علم ہے، یہ امانت سبھی کی ہے

بیٹے سے بولے، بڑھ کے پھوپھی کو کرو سلام   جو دل میں ہے وہ ان سے کہو میرے لالہ فام
زہراؑ کی جانشین سے اب تم کرو کلام   وہ اِذن دیں تمھیں تو بنے گا تمھارا کام
اکبرؑ جھکے تو بڑھ کے پھوپھی نے اٹھا لیا
زینبؑ نے ان کو اپنے گلے سے لگا لیا

بولیں کہ خیر تو ہے ارادہ کدھر کا ہے   تم بن سنور کے آئے کہ دھوکا نظر کا ہے
کچھ صبح سے خیال تمھیں اپنے گھر کا ہے   ہم لُٹ رہے ہیں، عزم تمھارا سفر کا ہے
اپنے تئیں تو ردِّ بلا کر چکی ہوں میں
دو لال اپنے تم پہ فدا کر چکی ہوں میں

میں خوب جانتی ہوں کہ رخصت کو آئے ہو   ہتھیار اپنے جسم پہ سارے سجائے ہو
بابا کو اپنے ساتھ سفارش کو لائے ہو   چھوڑو گے ہم کو، اس لیے آنکھیں چرائے ہو
پورے کسی طرح مرے سپنے نہ ہو سکے
بیٹے ہوئے پرائے تم اپنے نہ ہو سکے

بولا وہ خوش سخن کہ فدا آپؑ پر غلام   رہتا قدم سے آپ کے لپٹا ہوا مدام
لیکن حسینؑ پر ہے لعینوں کا اژدہام   کیا آپ چاہتی ہیں کہ مقتول ہوں امام
اکبرؑ پہ ایک اور یہ احسان کیجیے
مجھ کو نبیؐ کے لال پہ قربان کیجیے

زینبؑ نے مادرِ علی اکبرؑ سے یہ کہا   کچھ سُن رہی ہو، لیتے ہیں یہ رخصتِ وغا
ماں نے کہا کہ جاؤ، بزرگوں کی جو رضا   ماں سرفراز ہو جو کرو حق پہ جاں فدا
میں جانتی ہوں موت سے شادی رچاؤ گے
جاؤ گے اب جو خیمے سے، پھر کر نہ آؤ گے

جی بھر کے ایک بار سراپا تو دیکھ لوں   زلفیں بکھر رہی ہیں، انھیں تو بہم کردوں
پھر کیا خبر کہ جیتا تمھیں دیکھ بھی سکوں   اچھا سدھارتے ہو تو کچھ پڑھ کے پھونک دوں
بہنوں نے اپنی باہوں میں ان کو جکڑ لیا
آگے بڑھے تو بچّوں نے دامن پکڑ لیا

لیتے تھے بوسے سب لبِ شیریں کلام کے   تھے تشنگانِ دید بہت تشنہ کام کے
بچّے بھی روک لیتے تھے دامن کو تھام کے   اٹھتے تھے اور گرتے تھے پردے خیام کے
باہر جو آئے، خیموں سے شورِ فغاں اٹھا
صابر پدر کے سینے سے غم کا دھواں اٹھا
فرمایا" اے خدائے دو عالم تو رہ گواہ   میں بھیجتا ہوں تیرے لیے جانبِ سپاہ
وہ نازشِ ذبیح، وہ خورشیدِ خوش نگاہ   میرے غموں کی رات میں جو ہے مثالِ ماہ
کردار خط و خال میں ہے مصطفےٰؐ نما
طرزِ سخن میں، چال میں ہے مصطفےٰؐ نما
اے صبر دینے والے مرے ربِّ ذوالجلال   آتا جو روئے پاک نبیؐ کا مجھے خیال
اکبرؑ کو دیکھ لینے سے ہوتا تھا میں نہال   تیری رضا کہ آتا ہے اس پر بھی اب زوال
تیرے حبیبِ خاص سے وقت جدائی ہے
اُمّت سے کچھ گِلہ نہیں، تیری دہائی ہے
واقف ہے اے خدا تو مرے دل کے حال سے   کس دل سے ہو رہا ہوں جدا اپنے لال سے
یہ لوگ جو خلاف ہیں احمدؐ کی آل سے   کچھ حظ اٹھا سکیں گے نہ مال و منال سے
ڈس لے گی ان کو حرص و ہوس ناگ کی طرح
کر دے گا عیش خاک انھیں آگ کی طرح
یہ قوم جس کو قتلِ نبیؐ میں نہیں درنگ   بھاگے گی جس طرف کو بھی، وہ راہ ہوگی تنگ
مہماں بلا کے کرتے ہیں جو لوگ مجھ سے جنگ   اپنے ہی حاکموں کے لیے ہوں گے کل کو ننگ
جو قتل کر رہے ہیں مرے نونہال کو
گردن سے کیسے پھینکیں گے خوں کے وبال کو
اس نخل کو جو قطع کرے گا، وہ بد نہاد   جب تک جیے گا، ہو نہ سکے گا کہیں بھی شاد
رہنے نہ دے گا چین سے اک پل اُسے عناد   ہوگا نہ اس کا گھر کبھی آباد و بامُراد
وہ تشنۂ ہوس جو گرے گا سراب پر
لوٹے گا بسملوں کی طرح فرشِ خواب پر

یارب! یہ نوجواں ترے حفظ و اماں میں ہے   آواز تیری اس کی صدائے اذاں میں ہے
قوت علیؑ کے وار کی اس کی زباں میں ہے   تنہا ترے حبیب کا ثانی جہاں میں ہے
تو آزما رہا ہے تو طاقت بھی بخش دے
بندے کو اپنے صبر کی دولت بھی بخش دے“
اپنے خدا سے کر کے نیاز اٹھا بے نیاز   تھامی رکابِ توسنِ محبوبِ دل نواز
اکبرؑ سے بولے، تم کو خدا رکھے سرفراز   جاؤ، سدھارو جنگ کو اے میرے گھر کے ناز
گھوڑا بڑھا تو گھٹنے لگا نور آنکھ سے
آنسو بہے جو لال ہوا، دور آنکھ سے
حق نے کہا کہ صابر و شاکر ہے تو ضرور   جاتا ہے نور آنکھ کا اور قلب کا سرور
نانا کے شوقِ دید کا ہے دل میں گر وفور   چل پیچھے پیچھے بیٹے کے اے چشمِ حق کے نور
چلتی جواں کے ساتھ محبت کہاں تلک
دیتی نظر کا ساتھ بصارت کہاں تلک
گر کر اٹھے تو اٹھ کے گرے شاہ بار بار   دیکھا کبھی فلک کو، کبھی سوئے کارزار
ہونے ہی کو نظر سے تھا اوجھل جو راہوار   دی یہ صدا کہ اے علی اکبرؑ ترے نثار
آہستہ چل کہ میں تری رفتار دیکھ لوں
بیٹا ٹھہر کہ میں تجھے اک بار دیکھ لوں
سن کر ندائے سبطِ رسولؐ فلک اساس   گھوڑے سے ایک بار اُتر آیا وہ حق شناس
بولا کہ ایک فدیے کی خاطر ہیں آپ اُداس   ہنس کر وداع کیجیے، نہ ہو گا مجھے ہراس
صبرِ خلیل میں بھی یقیناً خلل پڑے
شبیرؑ مسکرائے، پر آنسو نکل پڑے
بہتے تھے اشک اور تھی کوشش کہ مسکرائیں   سوچا پلٹ کے خیمۂ عترت کے پاس جائیں
ماں سے پسر کا ذکر کریں، درد کو مٹائیں   باتوں سے تشنگیِ دل و دیدہ کو بجھائیں
اکبرؑ سدھارے فوجِ جفا کار کی طرف
شبیرؑ آئے خیمۂ اطہار کی طرف

کرسی پہ بیٹھے خیمے کے آگے امامِ دیں   پردے کے پیچھے آکے خواتیں کھڑی ہوئیں
ماں کو دکھائی دیتا نہ تھا جو پسر کہیں   پڑھتی تھی چہرہ غور سے سرور کا وہ حزیں
اکبرؑ کا حال چہرۂ شبیرؑ سے پڑھو
ان پر جو گزرے، ماتھے کی تحریر سے پڑھو
میدانِ کارزار میں تھے جمع بدشعار   اکبرؑ نے فوجِ ظلم پہ دوڑایا راہوار
دن ہوگیا سیاہ دلوں کی نظر میں تار   اُٹھا زمیں سے تا بہ فلک نور کا غبار
چیخے نقیب یہ غضبِ کردگار ہے
افلاک سے اترنے کو پھر ذوالفقار ہے
راکب غبارِ نور میں آتا نہ تھا نظر   بولا کوئی کہ آتا ہے لشکر، کرو خبر
چلّایا کوئی، فوجوں کا کیا اس طرف گزر   شاید نزولِ فوجِ ملایک ہے خاک پر
کوئی پکارا کود پڑو سب فرات میں
لشکر ہیں بجلیوں کے اندھیروں کی گھات میں
بھاگے ہوا کے رخ پہ علمدار بے تکان   اڑتے ہوئے پھریروں کو سمجھے وہ بادبان
منہ پیٹتے تھے پنجوں سے افواج کے نشان   سردار بدحواس، سپاہی تھے نیم جان
منکر علیؑ کے چیخے، دہائی علیؑ کی ہے
آمد بلا کے دشت میں حق کے ولی کی ہے
تلواریں چھپ رہی تھیں کنارِ نیام میں   نیزے چبا رہے تھے انی خوفِ عام میں
تیروں کو راہ ملتی نہ تھی اژدہام میں   رہوار منہ چھپائے ہوئے تھے لگام میں
تھا قاتلوں کو خوف، لڑائی علیؑ سے ہے
ہے تو امیدِ عقدکشائی علیؑ سے ہے
یہ شور سن کے رک گیا شیرِ خدا کا لال   بیٹھا غبارِ نور، ہٹے ڈر کے بدخصال
زلفیں جھٹک کے سامنے آیا وہ خوش جمال   دامن پہ گردِ غم تھی نہ چہرے پہ تھا ملال
فرمایا اشقیا سے، مجھے آج دیکھ لو
مجھ میں جمالِ صاحبِ معراج دیکھ لو

گھبرا کے پیچھے ہٹنے لگی فوجِ اشقیا بولے یہ ابن سعد سے کچھ لوگ. برملا
غاصب ہے، جھوٹ بکتا ہے، حاکم ہے جو ترا تو خود ہی دیکھ کون ہے نائبِ رسولؐ کا
ظالم نے کیا کیا یہ. بڑے. بول. بول کر
اترے ہیں آسماں سے نبیؐ تیغ تول کر

گھبرا گئے تھے شمر و عمر اِس سوال سے کہتے تھے کام ہم کو نبیؐ سے نہ آل سے
سچ اور جھوٹ تلتا ہے حاکم کے مال سے کرنا ہے جو کرو تم اُسی کے خیال سے
لو انتقامِ بدر و احد آج امام سے
منصب. بڑھے گا. پاؤ گے جاگیر شام سے

جمعیتِ دلی تھی اِدھر، انتشار اُدھر نورِ جمالِ حق تھا اِدھر، خوفِ نار اُدھر
تھے خیر و عدل و صدق اِدھر، کارزار اُدھر تصویر تھی نبیؐ کی اِدھر، اور غبار اُدھر
اکبرؑ کی ذات بن گئی میزانِ خیر و شر
دھندلے تھے صاف ہو گئے عنوانِ خیر و شر

ٹوٹے ہوئے پروں کو جاتی تھی فوجِ شام سردار بھاگے پھرتے تھے کرنے کو انتظام
شمر و عمر لڑائی کا کرتے تھے اہتمام تھا قلبِ مطمئنہ کا وارث بنِ امام
اکبرؑ نے رکھ کے تیغِ علیؑ کو غلاف میں
جوہر دکھائے نطقِ نبیؐ کے مصاف میں

فرمایا "جو گماں ہے تمھیں، وہ غلط نہیں ہاں میں علیؑ ہوں، نام ہے میرا یہ بالیقیں
تم کو یہ خوف تھا کہ محمدؐ نہ ہوں کہیں ہم شکلِ مصطفےٰؐ مجھے کہتے ہیں شاہِ دیں
بیٹا حسینؑ کا ہوں، میں پوتا علیؑ کا ہوں
میں زندہ اک نشان خدا کے ولی کا ہوں

حقدار ہیں رسول کے، اسلام کے تو ہم وارث ہیں خیر و عدل کے پیغام کے تو ہم
عارف ہیں اس جہاں میں جو الہام کے تو ہم مورد ہیں آج غدر کے الزام کے تو ہم
حق دار کیسے بیعتِ غاصب کرے قبول
سچ کس طرح حکومتِ کاذب کرے قبول

حق نے کیا ہے خلق ہمیں رہ نمائی کو   ہم ہیں خدا کے بندوں کی مشکل کشائی کو
جھکتے ہیں روحِ قدس یہاں جبہ سائی کو   ہم پر خدا کا دھوکا ہوا ہے خدائی کو
جَد رحمتِ جہاں بنے تو مبدائے فیض ہم
کوثر سے پوچھ لو کہ ہیں دریائے فیض ہم

حاکم کی دے کے آج دہائی بھی دیکھ لو   آلِ نبیؐ کی عقدہ کشائی بھی دیکھ لو
سرکش سروں کی تن سے جدائی بھی دیکھ لو   بھاگو نہیں، علیؑ کی لڑائی بھی دیکھ لو
سر تا قدم وجود ہے میرا کلامِ حق
اب تیغ کی زباں سے بھی سن لو کلامِ حق

میں حجتِ خدا کی ہوں اک حجتِ تمام   آنکھیں ہیں کور اور سماعت تمہاری خام
لب پر تمہارے مہر تو دل طمع کے غلام   بے کار ہے تمہارے لیے زحمتِ کلام
اپنے نبیؐ کی شکل بھی پہچانتے نہیں؟
اے بزدلو! خدا کو بھی کیا مانتے نہیں؟

آنکھیں کھلیں گی موت کو دیکھو گے جب عیاں   جاگیں گے کان سر پہ جو کڑکیں گی بجلیاں
ٹوٹے گی مہر ہونٹ کی، کہنے کو 'الاماں'   کھولے گی تیغ دل کی گرہ، تب کہو گے 'ہاں'
تم مانتے نہیں جو کہا کردگار کا
مانو گے تم کہا ہوا بس ذوالفقار کا

کھولے گی تن سے جاں کی گرہ نوک تیغ کی   چمکے گی سر پہ برق تو دیکھو گے روشنی
سیدھا کروں گا نیزے پہ رکھ کر تمہیں ابھی   آئے گی راستی پہ کماں چھوڑ کر کجی
گرز و تبر وبال ہیں، بھاگو گے چھوڑ کر
نکلیں گی جانیں خود و زرہ توڑ توڑ کر

بوجھ اسلحوں کا لادا ہے کیوں، بارِ خر ہے یہ   تن پر زرہ نہیں، قفسِ بال و پر ہے یہ
سر پر نہیں ہے خود، حباب نظر ہے یہ   جوشن نہیں، گرفتِ اجل کا اثر ہے یہ
تر ہوں گے تشنۂ تیغ کے لب تم کو مار کر
دریا نہائے گی یہ تمھیں پار اُتار کر

دریا کے پہرے داروں کے دستے ہیں کاغذی   ندی چڑھی جو تیغ کی، پھٹ جائیں گے ابھی
لے ڈوبے گی تمہیں، جو اٹھی موج خون کی   ہے گھاٹ موت کا، جسے سمجھے ہو زندگی
گھوڑے کی ایک ٹاپ سے پشتوں کو توڑ دوں
دریا ہے، جو پیاس کا دامن نچوڑ دوں

گھونگھٹ سے اب نکلتی ہے شمشیرِ حیدری   تم پر جنوں سوار نہ ہو، دیکھ کر پری
بس! اک جھلک سے پڑ گئی فوجوں میں ابتری   اب دیکھو خوں کے بحر میں اس کی شناوری
آگے بڑھو جو اِذن تمہیں اضطراب دے
منہ سے نہیں تو تیغ سے کوئی جواب دے

گھوڑے کو ایڑ دی تو کیا فتح نے سلام   تلوار اٹھا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
ہر وار پر اجل کو دیا، حکمِ قتلِ عام   چمکا جو نور حق کا، ہٹی تیرگیِ شام
ابرِ جفا سے نکلا جری آفتاب وار
ٹھہرا جو کوئی سامنے، ٹوٹا حباب وار

سر سرکشوں کے پست، زبردست زیر تھے   روباہ تھے بنے ہوئے کل تک جو شیر تھے
جن کو ہوس تھی عیش کی، جینے سے سیر تھے   سب پہلوان پہاڑ سے، مٹی کے ڈھیر تھے
یوں اک جوان فوج کو پامال کر گیا
بستی سے جیسے موت کا لشکر گزر گیا

پلٹا بھگا کے فوجِ عدو کو جو نوجواں   انعام کی ہوس میں چلا ایک پہلواں
طارق بن کثیر اُسے کہتا تھا اک جہاں   سمجھا تھا، تھک چکا ہے بہت لڑکے تشنہ جاں
بہکایا کچھ ہوس نے تو کچھ انتقام نے
تب مرد بن کے آیا تھا اکبرؑ کے سامنے

اکبرؑ نے مسکرا کے کہا، رخ کدھر کا ہے   ہنس کر پکاری موت، یہ ایندھن سقر کا ہے
داغ اِس کے دل میں اپنے برادر، پسر کا ہے   اُن کے ہی ساتھ شوق اِسے بھی سفر کا ہے
اکبرؑ تھے خوش کہ ایک شکار اور آگیا
واں چہرۂ حسینؑ پہ بادل سا چھا گیا

گھبرا کے بولی ماں، میرے بچے کو کیا ہوا؟ — بولے حسینؑ "معرکہ اکبرؑ نے سر کیا
آتے تھے سوئے خیمہ کہ اک پہلواں بڑھا — ہے سخت یہ مقابلہ، آساں کرے خدا
پیاسا ہے میرا لال، توانا حریف ہے
حق سے دعا کرو، وہی اپنا حلیف ہے"

ماں نے اٹھا کے دستِ دعا، حق سے یہ کہا — "غالب کر اس شقی پہ بھی اکبرؑ کو، اے خدا
یہ تو نہ میں کہوں گی کہ اکبرؑ کو رکھ سدا — میں نے حسینؑ کے لیے فدیہ اُسے دیا
تشویش ہے حسینؑ کو وہ مضمحل نہ ہوں
شیرِ خدا کے شیر کسی سے خجل نہ ہوں

ہیں غمزدہ مسرتِ شبیرؑ دیکھ لوں — آنکھوں سے اپنے لال کی شمشیر دیکھ لوں
اک بار پھر رسولؐ کی تصویر دیکھ لوں — وہ آئیں گھر، دعا کی میں تاثیر دیکھ لوں
مل لیں وہ آ کے باپ سے، پھر جاں فدا کریں
آگے رضا تری، وہ رہیں یا قضا کریں"

ماں کی دعا اِدھر سے چلی، اس طرف سے وار — آیا تھا لینے بدلہ عزیزوں کا بدشعار
تیغِ دو دم کے شعلے سے اک دم ہوا دوچار — جم کر کھڑا ہوا بھی نہ تھا، ہو گیا شکار
فوجوں کو فکر، کیا وہ ہواؤں میں کھو گیا
اکبرؑ پکارے آگ تھا، اب خاک ہو گیا

یاں ماں نے ختم کر کے دعا، شہ پہ کی نظر — دیکھا کہ انبساط کا چہرے پہ ہے اثر
آنکھوں نے پڑھ لیا کہ ہے یہ مژدۂ ظفر — جانا کہ فتح یاب ہوا پارۂ جگر
سر ماں کا کردگار کی تسلیم کو جھکا
بیٹا پدر کے سامنے تعظیم کو جھکا

جاں ایک بار مل گئی پھر سے حسینؑ کو — لپٹا لیا کلیجے سے اس دل کے چین کو
ماں کو ملال، فکر شہِ مشرقین کو — کیا دیں گے تحفہ دید کا اب نورِ عین کو
پائی تھی فتح پیاسے نے افواجِ شام پر
انعام اس کا قرض تھا شاہِ انام پر

اکبرؑ نے کی یہ عرض کہ اے شاہِ بے عدیل   آیا ہوں شوقِ دید میں، وقفہ ہے یہ قلیل
کانٹے مری زباں میں ہیں، اے نازشِ خلیل   کچھ کیجے میری پیاس بجھانے کی بھی سبیل
کیونکر حسینؑ کرتے مداوائے تشنگی
دریائے فیض و جود تھا دریائے تشنگی
فرمایا، میرے منہ میں زباں رکھ دو اے پسر   پایا دہانِ شاہ کو اکبرؑ نے خشک تر
بولے کہ تشنہ تر ہیں شہنشاہِ بحر و بر   شدّت عطش کی ہوتی ہے اتنی نہ تھی خبر
دیجے رضا کہ صبر و شجاعت سے کام لوں
اب میں ارم میں ساقیٔ کوثر سے جام لوں
دم بھر کو مل کے شہ سے پسر پھر جدا ہوا   پہلے سے اب کے اور قلق کچھ سوا ہوا
پانی نہ دے سکے تھے تو دل تھا بجھا ہوا   ہونٹوں پہ فقرے شکر کے تھے، سر جھکا ہوا
فرمایا" اب وہ مانگنے پانی نہ آئیں گے
میداں میں ہم ہی اُن کے منانے کو جائیں گے"
ماں سے کہا" اب ان کو سپردِ خدا کرو   بیٹے سے دل ہٹاؤ، خدا کی ثنا کرو
دنیا سے سرفراز اٹھیں، یہ دعا کرو   غالب ہوں دشمنوں پہ، یہی التجا کرو
مہماں وہ ایک پل کے تو ہم دو گھڑی کے ہیں
دایم تغیرات میں جلوے، اُسی کے ہیں
کب تک لڑے گا فوجوں سے تنہا وہ خوش جبیں   صابر کو تین روز سے پانی ملا نہیں
در پے ہیں ایک جان کے لاکھوں شقی، لعیں   وہ تنہا دل گرفتہ، گرسنہ، غمیں، حزیں
اب تک تو رن میں شور ہے ان کی لڑائی کا
سنتا ہوں، اب ارادہ کیا ہے ترائی کا"
کچھ دیر تک سنی نہیں بیٹے کی جب ندا   " اے جانِ صبر، صبر کرو" ماں سے یہ کہا
شورِ مبارزت ہے نہ بھگدڑ کا سلسلہ   شاید نکل گیا ہے، بہت دور برق پا
محبوبِ جاں ہے جو، وہ صدا ہم سے دور ہے
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں، ضیا ہم سے دور ہے

لب پر تھے یہ سخن کہ صدا کان میں پڑی
بابا مدد کو آئیے، ہے وقت آخری
تن جا بجا سے ٹکڑے ہے، دل میں سناں اڑی
نرغہ کیے ہیں گھوڑے کا ہر سمت سے شقی
گرنا نہیں قبول محمدؐ کی آل کو
تھامے ہوں سو جتن سے فرس کی ایال کو
اے نورِ چشمِ احمدِ مختار، آئیے
کب تک فرس اٹھائے، مرا بار آئیے
تنہا کو قتل کرتے ہیں اشرار، آئیے
گرتا ہوں، اے جہاں کے مددگار، آئیے
آغوش تو ملے گی نہ ماں کی غریب کو
کاندھے پہ آپ اٹھائیے اس کم نصیب کو
ہے انتظار میرا پیمبرؐ کی جائی کو
حیدرؑ کھڑے ہیں سامنے مشکل کشائی کو
آئے ہیں خود رسولؐ مری پیشوائی کو
کیوں کر سہیں گے آپ پسر کی جدائی کو
سب آپ کو بلاتے ہیں ساغر لیے ہوئے
آیا ہے جام ہاتھ میں کوثر لیے ہوئے
گھبرا کے شہ اٹھے تو قدم ڈگمگا گئے
دو گام ہی چلے تھے کہ پھر لڑکھڑا گئے
یوں گرتے پڑتے رن میں شہِ دوسرا گئے
دیوانہ وار، آئی جدھر سے صدا، گئے
آنکھوں سے سوجھتا نہ تھا، دنیا سیاہ تھی
غم میں جوان بیٹے کے حالت تباہ تھی
کہتے تھے دشمنوں سے بصد درد "کچھ بتاؤ
کس جا ہے میرا نورِ نظر، راستہ دکھاؤ
گم ہو گیا ہے لعل مرا، کوئی ڈھونڈ لاؤ"
چپ تھے شقی تو بولے کہ "بیٹا صدا سناؤ"
"گہرا ابھی تمھاری جدائی کا داغ ہے
آواز ہی تمھاری ہمارا چراغ ہے
لوٹا ہے کس نے باغ مرا، کربلا! بتا
خوشبو ہی میرے گل کی مجھے، اے ہوا! سنگھا
آواز خوشنوا کی مرے، اے فضا! سنا
اے داغِ ہجر! تو ہی مجھے راستا دکھا"
اک سمت اشقیا کے پرے تھے کھڑے ہوئے
اکبرؑ وہیں تھے خون میں غلطاں پڑے ہوئے

رو کر پکارے، اے مرے مہرو، یہاں ہو تم　　آتی ہے اپنے خوں کی مجھے بو، یہاں ہو تم
اے میرے خوش بیاں، مرے خوشخو یہاں ہو تم　　دل کے سرور، راحتِ پہلو، یہاں ہو تم
تم کو تو دوشِ شاہِ مدینہ عزیز تھا
کیا خاکِ کربلا کا بھی سینہ عزیز تھا

کرتے تھے تم تو باپ کا ہر وقت احترام　　اب کیا ہوا، جو کرتے نہیں اٹھ کے تم سلام
تم کو پکارتا ہے یہ دل مردہ، تشنہ کام　　اتنے خفا ہو، کرتے نہیں باپ سے کلام
انعام بس یہی ہیں تمھیں پانی نہ دے سکا
کچھ تم کو، اے رسولؐ کے ثانی، نہ دے سکا

کچھ تو زباں سے مرے آرامِ جاں، کہو　　گہرے لگے ہیں زخم بدن پر کہاں، کہو
سینے میں چبھ گئی ہے کہاں پر سناں، کہو　　تکلیف کس جگہ ہے بہت، جانِ جاں کہو
بولو تو کچھ دوا کی کروں فکر جا کے میں
پانی تمھیں پلاؤں کسی طرح لا کے میں

چلّا کے تھک گیا ہوں میں، اکبر جواب دو　　اے وارثِ شجاعتِ حیدرؑ! جواب دو
اے نطقِ حق، کلام کے جوہر، جواب دو　　اے لال! اے شبیہِ پیمبرؐ! جواب دو
اعلان کرے گا حق کا مرے، میری جان کون
آئے گا وقتِ عصر تو دے گا اذان کون

ماں منتظر ہے خیمے کے در پر، کب آؤ گے　　اصغرؑ کو اپنی باتوں سے تم کب ہنساؤ گے
صغراؑ کو تم مدینے سے لانے نہ جاؤ گے؟　　مرتا ہے باپ، لاش نہ اس کی اٹھاؤ گے
آیا ہوں کیسے یاں، تمھیں بتلاؤں کس طرح
تم کو اٹھا کے خیمے میں لے جاؤں کس طرح

بیٹے سے ہم کلام تھے یاں سرورِ امم　　خیمے سے نکلی دوڑتی، زینبؑ اسیرِ غم
یہ فکر تھی جوان کا صدمہ نہیں ہے کم　　اٹھے گی لاش کیسے، کمر ہو چکی ہے خم
بچے بھی ساتھ تھے کہ اٹھائیں گے بھائی کو
دل سے لگا کے خیمے میں لائیں گے بھائی کو

دیکھا جو رن میں شاہ نے زینبؑ کو ننگے سر   اس حادثے پہ بھول گئے صدمۂ پسر
دوڑے کہ ڈالیں اپنی عبا ان کے دوش پر   فرمایا" زندہ ہوں میں ابھی میری چارہ گر
اکبرؑ کی لاش اٹھانے کی قوت بھی آئے گی
وقت آئے گا تو لڑنے کی طاقت بھی ائے گی

اکبرؑ نے تم کو دیکھا جو اس اژدہام میں   برچھی لگے گی اور دلِ لالہ فام میں
کیسا خلل پڑا ہے جہاں کے نظام میں   زہراؑ کی بیٹی ننگے سر، انبوہِ عام میں
اکبرؑ کو رنج ہوگا بہت، سر چھپاؤ تم
کھولے گا وہ نہ آنکھ، بہن گھر میں جاؤ تم

تم جاؤ، جا کے ماں سے کہو، صبر کر ذرا   جلدی بچھائے مسندِ پیغمبرؐ خدا
دولھا پہ سج رہی ہے بہت خون کی قبا   ہنستے ہیں پھول سینے پہ زخموں کے جابجا
ننھے براتی اِس کے اٹھانے کو ہیں کھڑے
دشمن بھی شادیانے بجانے کو ہیں کھڑے

تصویرِ مصطفےٰؐ پہ مرا لالہ فام ہے   ہے تر زبان اگرچہ بہت تشنہ کام ہے
یہ نطقِ حق، ضمیر و نظر کا کلام ہے   اِس کی اذان صبح کا اعلانِ عام ہے
ہے یہ شکستِ فاش سکوتِ یزید کی
بچو! تم آ کے لاش اٹھا لو شہید کی"

آئی برات دولھا کی جب دھوم دھام سے   مسند بچھائی ماں نے بڑے اہتمام سے
کوئی لپٹ کے روتا تھا ابنِ امام سے   ٹکرا رہا تھا سر کوئی چوبِ خیام سے
ماں پوچھتی ہے بیٹے سے تم کیوں خفا ہوئے
تنہا سپاہِ ظلم میں شاہِ ہدا ہوئے

ماں کو تھا ناز، بہنوں کو بھائی پہ تھا غرور   تصویرِ مصطفےٰؐ سے تھا گھر رشکِ کوہِ طور
برچھی کا پھل لگا تو لٹا گلشنِ سرور   دنیا سیاہ ہو گئی، بچھڑا نظر سے نور
اک دن میں فاطمہ کا بھرا گھر اجڑ گیا
اس نقشِ حق کے مٹنے سے نقشہ بگڑ گیا

۳۰۴۶۳

بیٹا تمھیں جو پوچھے گی صغرا تو کیا کہوں عابد جو غش سے چونک کے اُٹھا تو کیا کہوں
چھینے کوئی سکینہ کا کوزہ تو کیا کہوں رخصت کو آئیں جب شہِ والا تو کیا کہوں
ابنِ علیؑ کے کپڑوں پہ یہ کس کا خون ہے
سر سے ردا ڈھلکتی ہے، کیسا شگون ہے

اٹھارہ سال پالنے والی کو دو جواب نظریں ملاؤں کیسے جو دامن کو پکڑیں خواب
سوتے ہو گہری نیند میں اے میرے آفتاب ہنگامِ عصر آنے کو ہے دو اذاں شتاب
وہ صبح کی اذاں ہمیں شب بھر جگائے گی
ہوگی سحر تو تیری صدا یاد آئے گی

کیسی ہے یہ برات، براتی ہیں نوحہ گر دولھا بنے ہو کیسے، یہ کس کی لگی نظر
زخموں کے پھول سینے پہ، کپڑے ہیں خوں میں تر لائے دلہن بنا کے شہادت کو اپنے گھر
چومو قدم حسینؑ کے، تم تو فدائی ہو
بہنوں کو نیگ دیتے نہیں کیسے بھائی ہو

یہ کیا غضب ہے، اُمڈے چلے آتے ہیں لعیں تنہا تمھارے باپ کو سمجھی ہے فوجِ کیں
تم تو ذرا سی بات پہ ہو جاتے تھے حزیں روتے ہیں شاہ، سوتے ہو تم میرے مہ جبیں
آتی ہے آگ خیمۂ عترت کے واسطے
اکبرؑ اٹھو حسینؑ کی نصرت کے واسطے

سب رو رہے ہیں اور علی اکبرؑ خموش ہے ماں اور پھوپھی کے خوابوں کا پیکر خموش ہے
شورِ فغاں میں نطق کا جوہر خموش ہے حق کی اذاں، شبیہہِ پیمبرؐ خموش ہے
بوڑھے، عزیز مُردہ، دل افگار ہیں حسینؑ
تھامو رکاب، جانے کو تیار ہیں حسینؑ

آیاتِ حق شبیہہِ رسالت کے غم میں ہیں کلماتِ خیر اپنی شہادت کے غم میں ہیں
سجدہ گزار اذانِ صداقت کے غم میں ہیں عرش و زمیں شریک امامت کے غم میں ہیں
اکبرؑ کا غم نہیں ہے، یہ ہے غم حسینؑ کا
اب بے بسی کو کرنا ہے ماتم حسینؑ کا

طبعِ رواں عطا ہے اسی تشنہ کام کی ہے مرثیہ وحیدؔ کا بخشش امام کی
پائی انھیں کے نطق سے دولت کلام کی کی ہے جو مدح اکبرؑ عالی مقام کی
یہ دولتِ کلام کبھی رائیگاں نہ جائے
بن کر فقیر در پہ کسی کے زباں نہ جائے

مرثیہ

کربلا اے کربلا

کربلا! اے کربلا! اے کربلا! اے کربلا!

(در حالِ مطلوبانِ شہادت)

[زہیر ابن قین، حبیب ابن مظاہر، حُر ابن یزید ریاحی و مسیّب خزاعی]

روایتی مراثی کی طرح اِس مرثیے میں کسی ایک شہید کا بیان نہیں، بلکہ اُن ناصرانِ حسینؑ کا ذکر ہے جنھیں امام نے خود طلب کیا۔ کچھ کربلا تک پہنچ گئے، کچھ راہ میں رہ گئے۔ کربلا استعارہ ہے منزلِ شہادت کا جو اپنے ناصروں کو آواز دیتی ہے، اب یہ ناصرِ حق کی توفیق پر ہے کہ اسے پالے یا راستے میں تھک کر رہ جائے۔

شہادت حصولِ رضا کا نام ہے۔ اس کا راستہ عدل ہے۔ معراج روحانی سطح پر سفرِ رضا ہے اور ہجرت زمینی سطح پر۔ کربلا روحانیت اور ارضیت یعنی معراج اور ہجرت کا نقطۂ اتصال ہے۔ اس نقطے سے حسینؑ نے اپنے عہد اور آئندہ زمانوں کو آواز دی۔ "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ"۔ کون ہے جو میری نصرت کرے؛ صرف آواز پر بے بُلائے آنے والوں میں حُرؑ ابن یزید ریاحی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ خیر کے شرارے کی طرح بطنِ سنگِ شر سے ٹوٹ کر آئے۔

دوسرے مطلوبانِ حسینؑ میں، جن کا اس مرثیے میں مذکور ہے، زہیر ابن قین، حبیب ابن مظاہرؓ اور مسیّب ہیں۔

زہیر ابن قین صحابیِ رسولؐ تھے، شیعیانِ حضرت عثمان میں شمار ہوتا تھا۔ حسینؑ نے کربلا کا سفر کیا تو یہ بھی اتفاقاً ساتھ تھے، ہر منزل پر خیمہ حسینؑ کے خیام سے کچھ دُور لگاتے۔ ایک، منزل پر خیامِ حسینی میں ان کا خیمہ بھی شامل ہوگیا۔ زہیر کربلا میں حسین کے مختصر لشکر کے ایک بازو کے سردار تھے۔ نصرتِ حسینؑ میں شہید ہوئے۔

حبیب ابنِ مظاہر کو بھی بچپن میں صحابیتِ رسولؐ کا شرف حاصل ہوا تھا۔ حسینؑ کے ہم عمر اور طفلی کے دوست تھے۔ جب امام کربلا میں گھر گئے تو جن دوستوں کو مدد کے لیے طلب کیا، اُن میں حبیب ابنِ مظاہر بھی تھے۔ کوفے کی ہر طرف سے ناکہ بندی تھی، مگر ان کا شوقِ نصرت انھیں کربلا تک لے آیا۔ یہ روزِ عاشور امام کے لشکر کے دوسرے بازو کے سردار تھے، نصرتِ حسینؑ میں شہادت پائی۔

ایک روایت کے مطابق وہ ناصرانِ حسین جو کربلا تک نہ پہنچ سکے، اُن میں مسیّب کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ ایک رات کا آرام زندگی بھر کی محرومی کی تمہید بن گیا۔ لشکرِ جرّار کے ساتھ کربلا جا رہے تھے۔ رفیقوں کے اصرار پر ایک شب مجبوراً سستانے کو ٹھیرے۔ یہ شب، شبِ عاشور تھی۔ صبح ہونے سے پہلے کوچ کیا، راہ میں ہر منزل پر ہرکارے کربلا کی خبریں دیتے رہے۔ واقعاتِ کربلا کو ہرکاروں کی زبانی پیش کیا گیا ہے۔ مرثیے کا خاتمہ منزلِ طلب سے محرومی کے ذکر پر ہی ہوتا ہے۔ مسیّب نے اس محرومی کی تلافی بعد میں توابین کے ساتھ اپنی جان دے کر کی۔ انھیں منزلِ کربلا ملی، مگر کربلا سے دُور اور کربلا کے بعد۔

کربلا آج بھی سفرِ عدل و رضا کی وہ منزل ہے جو "ھَل مِن ناصِر" پکار رہی ہے۔ سب کو اسی منزل تک آنا ہے، مگر اہمیت اس کی ہے کہ کون کس راہ سے آتا ہے۔ ایک راستہ مدینے اور مکّے سے ہو کر آتا ہے جو حسینؑ کا راستہ ہے۔ دوسرا دمشق اور کوفے سے ہو کر آتا ہے جو لشکرِ یزید کا راستہ ہے۔ یہ دونوں راستے جس نقطے پر ملتے ہیں، وہی کربلا ہے۔

مرثیے میں جو تکنیک برتی گئی ہے، وہ بیانیہ کی بجائے ڈرامائی ہے۔ واقعات جو رونما ہو چکے ہیں، خبر رسانوں کی زبان سے، پلٹ کر پھر رونما ہوتے اور دُور افتادگاں کے تجربے میں شامل ہوتے ہیں۔ واقعات کی واردات کی شکل میں یہ بازآفرینی ہی کربلا کے ذکر کو ہر عہد کے لیے نیا تجربہ بناتی ہے۔ اس مرثیہ میں واقعات کو پیش کرنے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ عام مرثیہ کی روایت سے بھی مختلف ہے، جدید بلند آہنگ مرثیہ سے بھی، اور بیانیہ انداز سے بھی بڑی حد تک پورے مرثیہ میں علامتیہ اور رمزیّہ طرزِ اظہار سے کام لیا گیا ہے۔

نوٹ: میں نے کربلا کو جان بوجھ کر مذکر باندھا ہے۔ اس لیے کہ
عام لغت نویسوں کی تقلید میں کربلا کے ساتھ تانیث
کے صیغے سننے اور پڑھنے میں ناگوار گذرتے۔

کربلا ! اے کربلا ! اے کربلا   منتہائے لعنتِ کل انبیا ، اے کربلا
منزلِ صد کاروانِ ارتقا ، اے کربلا   قتل گاہ و مدفنِ نورِ خدا ، اے کربلا
ریگِ صحرا بن گئی رشکِ جناں کیسے ، بتا؟
موج تیری بن گئی موجِ زماں کیسے ، بتا؟
ایک غیر آباد قریہ ، قطعۂ ریگِ تپاں   ایک جوئے تنگ داماں ، تشنہ کامی کی زباں
اک مقامِ صبر ، قلبِ مطمئن کا امتحاں   اک صعوبت زار ، کرب و ابتلا کی داستاں
کس طرح نورِ نگاہِ چشمِ عالَم بن گیا؟
چوم کر کس کے قدم مسجودِ آدم بن گیا؟
کربلا ، اے کربلا ! اے امتحاں گاہِ وفا   تجھ سے دامن کو بچاتے آئے تھے سب اولیا
گریہ تیری خاکِ شرزا پر نبیوں نے کیا   پھنس گیا گرداب میں تیرے سفینہ نوح کا
کس کی خاطر ہو رہی تھی مرتکز دنیائے غم؟
منتظر تھا کس ابد پیما کا یہ صحرائے غم؟
پیاس نے کس کی ترے صحرا کو دریا کر دیا؟   کس کے خوں نے تجھ کو اہلِ حق کا قبلہ کر دیا؟
کس نے امواجِ حوادث کو سفینہ کر دیا؟   کس نے سر دے کر تجھے سردارِ دنیا کر دیا؟
تیرے قطرے بھی ہیں بحرِ بے کنار ، اے کربلا
ہے خزاں بھی تیری دنیائے بہار ، اے کربلا
بن گئے تیرے گہر ہائے ندامت ماہتاب   تیری پروردہ ہوائیں اب بھی ہیں گلشن مآب
تیری زائیدہ فضائیں مد و جزرِ انقلاب   دے رہا ہے روشنی عالَم کو تیرا آفتاب
ہر چمن بکھری ہوئی ہے تیرے پھولوں کی کتاب
ہر زمیں پڑھتی ہے کیوں تیرے رسولوں کی کتاب

ایک مشتِ خاک کیسے بن گئی ہے کائنات؟   بن گئی ہے شاخِ شر کس طرح سے شاخِ نبات؟
تیری موجِ تشنگی کیسے بنی آبِ حیات؟   کس طرح صبحِ قیامت سے ملی ہے تیری رات؟
ایک دن اتری تھی آ کر تیرے ڈیرے میں سحر
آج تک روشن ہے صدیوں کے اندھیرے میں سحر
تیرا ہر لمحہ بنا ہے ارتقا کی اک کتاب   تیرا ہر ذرہ ہے صحرائے عدم کا آفتاب
تیرا ہر ہر سانحہ گہوارۂ صد انقلاب   تیرے خوشہ چیں ہوئے سیارگان و ماہتاب
حاضر و رفتہ ہے جو بھی، تیری ہی تفصیل ہے
جو بھی ہے آئندہ، تیرا ثمرۂ تشکیل ہے
کربلا! تو خیر ہے یا شر ہے، دریا ہے کہ پیاس؟   قوتِ دورِ زماں ہے یا صداقت کی اساس؟
کربلا! تو موت کا ہے خوف یا جینے کی آس؟   ہے ثباتِ صبر یا ظلم و تشدّد کا ہراس؟
کربلا، مظلومیت ہے تو، کہ زورِ جبر ہے؟
ہے نشانِ حرّیت یا حرّیت کی قبر ہے؟
کربلا کہتا ہے، سُن اے واقفِ رمزِ حیات   کربلا کہتا ہے، سُن اے عارفِ سرِ ممات
کربلا کہتا ہے، سُن اے روحِ امرِ کائنات   کربلا کہتا ہے، سُن اے رہ نوردِ دشتِ ذات
کربلا ہے امتحاں گاہِ ضمیرِ آدمی
ہے سفر میں ارتقا کے دست گیرِ آدمی
کربلا ہے قوتِ دورِ زماں، روحِ حیات   زیست کا عرفان ہے اور معرفت گاہِ ممات
کربلا عقدہ کشائے عقدۂ دشوارِ ذات   کربلا کا ایک نقطہ صد ہزاراں کائنات
کربلا ہے ظرف، جتنا جس نے مانگا مل گیا
جس طرح کی شاخ تھی، گل اس پہ ویسا کھل گیا
جبر کے پروردگاں آئے تو لائے تشنگی   صبر کے پروردگاں آئے تو لائے زندگی
رات کے حلقہ بگوش آئے تو آئی خفتگی   صبح کے سجدہ گزار آئے تو جاگی نغمگی
حرص کے کاسہ بکف آئے تو صحرا بن گئے
پیاس کے سرمایہ دار آئے تو دریا بن گئے

ظرف تھا جن کا تہی، پہرے بٹھائے ہر طرف
ظرف تھا جن کا سمندر، آئے وہ ساغر بکف
جو تھے چاہِ زمزم و کوثر کے ساقی کے خلف
کربلا کو کر گئے فیضِ رواں، بحرِ شرف
کربلا پیمانۂ ظرفِ جہاں ہے آج بھی
تشنگی کا ایک دریائے رواں ہے آج بھی

جس نے مانگے جتنے لمحے، اتنی ہی پائی حیات
ظلم نے ڈالے تھے بس دو چار ہی لمحوں پہ ہات
تھی نہ اس سے بڑھ کے جبرِ غاصباں کی کائنات
عدل کی نظروں میں تھی روزِ ابد تک کی نجات
زندگی کو ریگ پیما عمر سے ناپا نہیں
عدل نے اس ریزہ ریزہ وقت کو مانگا نہیں

عدل ازل کی آگہی ہے اور ابد کا آشنا
وہ گریزاں موجِ لمحاتِ گریزاں سے رہا
وقت کے سرچشمۂ تخلیق کا حاکم بنا
اس لئے اب تک رضائے وقت ہے اس کی رض
کربلا دستِ ستم میں حق کی قربانی بنا
دسترس میں عدل کی آیا تو لافانی بنا

کربلا ! اے کربلا، اے کربلا ! یہ بھی بتا
کون ہے؟ تو مانتا ہے جس کو عدلِ کبریا
کون ہے آخر ابد پیما، ازل کا آشنا؟
کس سے ہو کر منسلک تو خیر کا مصدر بنا
عادلِ مطلق ہے خالق، تیرا عادل کون ہے؟
وقت خالق کی رضا ہے، اس کا حامل کون ہے؟

کربلا کہتا ہے، سُن اے رہ نوردِ عصر و دہر
وقت ہے انعامِ خالق، وقت ہے خالق کا قہر
ہیں فنا آمادہ کُل سیارگان و نجم و مہر
وقت کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں امصار و شہ
وقت کا حاکم نہیں کوئی، مگر حق کی رضا
باقی و دایم نہیں کوئی، مگر حق کی رضا

ہے قدیم و ثابت و واحد اسی خالق کی ذات
زندگی ہے خود فنا، باقی ہے خلّاقِ حیات
وقت و تخلیق و بقاؤ عدل ہیں اس کی صفات
آدمی کے واسطے اُس کی رضا جوئی نجات
انبیاؑ و اولیا سب تھے رضا کے راز جو،
زندگی کے آرزو مند اور بقا کے راز جو،

وہ ازل سے بیچنے بیٹھا رہا اپنی رضا　　جو بھی آیا مانگنے ، وہ تھا خریدارِ ادا
دُور کے جلووں ہی سے جلتا رہا کوہِ ندا　　حشر گاہِ دہر میں خالی ہر اک دامن رہا
خاک داں پر آیۂ رمزِ بقا اتری نہ تھی
آدمی کے روپ میں اُس کی رضا اتری نہ تھی

وہ جو مسجودِ ملک تھا ، بار بار آتا رہا　　اور خلافت پر زمیں کی ناز فرماتا رہا
جلوۂ حق کی طلب میں ہاتھ پھیلاتا رہا　　جب مقام آیا رضائے حق کا گھبراتا رہا
مرگ ہے اس کی رضا ، جس کا کوئی طالب نہ تھا
نفس تج دے ، نفس پر اتنا کوئی غالب نہ تھا

چیخ اٹھا اک مرحلے پر صبر بھی ایوبؑ کا　　گریۂ یعقوبؑ دامانِ رضا نم کر گیا
ابنِ مریم کے لئے بھی جامِ مرگ آساں نہ تھا　　ذبحِ اسماعیلؑ بھی تسلیم کی صرف ابتدا
تھی رضا اک خواب اور تسلیم اک افسانہ تھا
ہو رضا جس کی رضائے حق ، کوئی ایسا نہ تھا

ہے مقامِ ابتلا مرگِ خوشی ، مرگِ ملال　　مرگِ عزّت ، مرگِ منصب ، مرگِ دنیا ، مرگِ مال
مرگِ وہمِ این و آں ، اور مرگِ اولاد و عیال　　مرگِ احساسِ فنا ، مرگِ بقا ، مرگِ سوال
ہر نفس اک مرگ کو اپنائے ، ایسا کون تھا
موت جس کی زندگی بن جائے ، ایسا کون تھا

کون تھا حق کے لئے جو کیشِ آبا چھوڑ دے　　اک تصوّر کے لئے قوم و قبیلہ چھوڑ دے
چند قدروں کے لئے ہاتھ آئی دنیا چھوڑ دے　　کچھ اصولوں کے لئے ہر ایک رشتہ چھوڑ دے
کون تھا دشمن بھی جس کے صدق کا کلمہ پڑھیں؟
کون تھا قاتل بھی جس کے عشق کا کلمہ پڑھیں؟

ہاں مگر وہ رحمۃ للعالمیں ، خیر الانام　　خلقتِ افلاک کا باعث ، زمینوں کا امام
نورِ اوّل ، ہادیِ آخر ، شفیعِ خاص و عام　　ہے ازل سے قرعۂ فالِ امانت جس کے نام
مُہرِ میثاقِ ازل پر نام اس کا کندہ ہے
امرِ رب ہے جو زماں ، وہ بھی اسی کا بندہ ہے

وہ رسولوں کا رسولؐ اور وہ اماموں کا امام   گردشِ صبح و مسا ہے اس کے ابرو کی غلام
ہے گذر جس جا ملایک اور نبیوں پر حرام   اس کی نعلینِ مبارک کو ملا ہے وہ مقام
اس کی کیا معراج ، وہ تو عرش کا خود تاج ہے
جس کا چرچا ہے ، وہ اس کی کفش کی معراج ہے
کہتے ہیں معراج جس کو ، وہ رضا کا تھا سفر   کنزِ مخفی تھا ازل سے انتظارِ دیدہ ور
پردہ ہائے حسن تھے بےتاب ، آئے پردہ در   آرزو تھی دل بکف آئے خریدارِ نظر
مسجدِ اقصیٰ سے سدرہ تک نبیؐ کا نور ہے
اس کے قدموں نے چھوا جس خاک کو وہ طور ہے
آسماں محزوں تھا ، مدت سے ہنسی آئی نہ تھی   کہکشاں کی مانگ نے خاکِ زمیں پائی نہ تھی
مہر دھندلا تھا ، ستاروں میں دل آرائی نہ تھی   عرش کی خلوت کو اب تابِ شکیبائی نہ تھی
کیا سنورتا حسنِ خود آرا کہ آئینا نہ تھا
کس پہ وہ جلوے لٹاتا ، دیدۂ بینا نہ تھا
کائنات از شرق تا غرب آمنہ بردوش ہے   زیرِ پا افلاک ہیں ، مٹی میں ایسا جوش ہے
دہر ہے دیدہ برہ ، عالم سراپا گوش ہے   آسماں خود انتظارِ شوق کی آغوش ہے
آنے والے کے لئے مہتاب شق ہو جائے گا
مطلعِ خورشید مغرب کا افق ہو جائے گا
" یا حبیبی یا حبیبی " کہہ رہا ہے کردگار   خادمانِ عرش ہیں تسبیح در کف بےقرار
کوثر و تسنیم کو ہے رحمتوں کا انتظار   ہیں درود اس پر ہزاروں ، ہیں سلام اس پر ہزار
عرش و کرسی ہیں منور ، جلوہ داں آنے کو ہے
آسمانوں پر زمیں کا آسماں آنے کو ہے
آسماں آنکھیں بچھاتے ہیں کہ آتا ہے مکیں   ہیں ملایک نغمہ خواں آتا ہے رب کا جانشیں
جھک گئی سجدوں میں پھر افلاک والوں کی جبیں   ہو گیا ابلیس کو آدم کی عظمت کا یقیں
کر قبول اے قدس خاک افتادہ سینوں کی وحی
آسمانوں پر اترتی ہے زمینوں کی وحی

دید کو اس کی اٹھے افلاک اوپر کی طرف   ہیں ثوابت راہ میں استادہ آئینہ بہ کف
چلمنی ہے اس کی رکابیں تھامے سیاروں کی صف   کفش اس کی کہکشاں، اس کے قدم برجِ شرف
آفتابوں کو ملے ہیں صرف جلوے دور کے
برگ و بارِ نور ہیں دریوزہ گر اس نور کے
کیا خدائی، خالقِ کُل کو ہے اس کا انتظار   ہے زماں لہروں میں اس کی اک خسِ بے اختیار
ہے مکاں اس کے سفر کا دور افتادہ غبار   ہے ازل اس کی جھلک اور ہے ابد اس کی بہار
اس کے نورِ وصل سے تیرہ زمیں نوری ہوئی
ہو گئے افلاک تیرہ، اس سے جب دوری ہوئی
شاملِ حق ہو گیا جس وقت اس کا نورِ ذات   آشنا تفصیل سے ہونے لگیں مجمل صفات
نورِ امکاں سے چمک اٹھی عدم زا کائنات   منکشف ہونے لگے سارے کمالاتِ حیات
احدیت میں میم اس کا جب سے شامل ہو گیا
حرفِ کُن تخلیق کی رمزوں کا حامل ہو گیا
ہے خفا اس کا عدم اور ہے ظہور اس کا وجود   وہ نہالِ نور ہے، صبحِ ازل اس کی نمود
اس کے برگ و بار و گل سے ہے جہانِ ہست و بود   ہر کرن اس کی سلامی، ہر نفس اس پر درود
اس کے آگے تاجِ کسریٰ، ساغرِ جم سرنگوں
اس کے در پر رفتہ و آیندہ عالم سرنگوں
وہ نہ ہوتا تو زماں ہوتا نہ یہ کون و مکاں   سادہ رہتی لوحِ محفوظ اور قلم رہتا نہاں
کیسا میثاقِ ازل، کیا آخرت کی داستاں   کون ہوتا راز جو، کس پر رضا ہوتی عیاں
ہستیِ مطلق حجاب اندر حجاب
قبلِ نورِ احمدی عالم بھی تھے یکسر حجاب
نورِ احمدؐ پردہ در پردہ ہوا یوں عکس ریز   تیرگی ہائے عدم ہوتی گئیں امکان خیز
وہ کلیدِ کنزِ مخفی، علم کی تیغِ ستیز   وہ جمالِ مہر و مہ پرور، وہ موجِ عطر بیز
ارتقا ہے زینہ در زینہ نزول اس نور کا
علم ہے اس کا شجر، ہے عقل پھول اس نور کا

داستاں اس کے سفر کی ارتقائے زندگی   اس کی گردِ راہ کا ایک ایک ذرہ ہے صدی
اس کا نقشِ پا ہے تاریخِ عروجِ آدمی   اس کی خاموشی صحیفہ، نطق ہے اس کا نبی
خوشہ چیں ہیں اس کی غیبت کے صحایف اور نبی
کلمہ خواں اس کی رسالت کے صحایف اور نبی
ہاں وہی، جس پر ہدایت کے سلاسل ختم ہیں   ابتلاؤ مرگ کے سارے مراحل ختم ہیں
جس کے نقشِ پا کے آگے سب منازل ختم ہیں   کفش پر جس کی دو عالم کے فضایل ختم ہیں
انتہائے قرب اس کا نقطۂ آغاز ہے
کُن جسے کہتے ہیں، احمدؐ ہی کی وہ آواز ہے
ختم ہے اس پر وحی، اس پر رسالت ختم ہے   اس کے ادنیٰ خادموں پر بادشاہت ختم ہے
پیرووں پر اس کے دنیا کی خلافت ختم ہے   اُس کی آلِ پاک پر حق کی امامت ختم ہے
ہے حضور اس کا رسالت، اس کی غیبت ہے امام
نور در نور ایک ہی نورِ رسالت ہے امام
کعبہ اس کی معرفت کا ایک نقشِ ناتمام   ہے مدینہ اس کے انفاسِ مطہر کا قیام
ہجرتِ اربابِ دل ہے اس کی خوشبو کا خرام   ہیں نجف اور کربلا اس کے نقوشِ پا کے نام
اس کا پائے طیب و طاہر جہاں پہنچا نہیں
آج تک اس خاک پر سورج کبھی چمکا نہیں
اس کی ہجرت بسترِ شوقِ شہیدانِ رضا   اس کی ہجرت تیغ کے سایے میں خوابِ مرتضا[۴]
اس کی ہجرت مطمئنہ نفس کی بیع و شریٰ   اس کی ہجرت امرِ حق، نفس اس کا ہے نفسِ خدا
راہِ ہجرت میں ہر اک گام اس کا معیارِ رضا
اس کا خوابِ خود فراموشی خریدارِ رضا
اس کی ہجرت ہے جہادِ نفس، صبر و ابتلا   اس کی ہجرت شعبِ بوطالب، سفر اس کا حرا
اس کی ہجرت بدر تا فتحِ مبیں تیغ آزما   اس کی ہجرت ہے عروجِ خاک تا عرشِ خدا
اس کی ہجرت کا محرک اور غایت کربلا
ابتدا اس کی مدینہ اور نہایت کربلا

راز جو پر رمزِ ہجرت کھولتا ہے کربلا   قطرۂ خوں سے جہاں کو تولتا ہے کربلا
آفتابوں کو قدم سے رولتا ہے کربلا   آج بھی لب سے رضا کے بولتا ہے کربلا
کربلا ہے معنیٔ تسلیم، تفصیلِ رضا
کربلا ہے عدل کا پیمانہ، تکمیلِ رضا
کربلا کا ذرّہ ذرّہ ہے سفر تسلیم کا   کربلا کی ہر اذاں ہے نہیٔ منکر کی صدا
کربلا کی ہر اقامت معنیٔ صبر و رضا   کربلا کا سجدۂ عاشور تفسیرِ وفا
آیۂ تطہیر، امام المتقیں ہے کربلا
سجدۂ عصرِ امام الساجدیں ہے کربلا
بعثتِ حق کربلا، اتمامِ نعمت کربلا   آیۂ تکمیلِ دیں، آدمیّت کربلا
تا ابد نورِ محمدؐ کی رسالت کربلا   نفسِ احمدؐ، نفسِ خالق کی ولایت کربلا
کربلا خونِ شہیدانِ حسینی کی رضا
کربلا صبرِ رفیقانِ حسینی کی رضا
کربلا ہے صدقِ احمدؐ، نطقِ وحیِ کردگار   کربلا ہے چادرِ تطہیرِ زہراؑ کا وقار
کربلا ہے فقرِ حیدرؑ، عدلِ چشمِ ذوالفقار   کربلا صلحِ حسنؑ، مکرِ سمِ آلودہ کا وار
کربلا پیمانۂ حق، عدل کی میزان ہے
کربلا تفسیرِ صلح و جنگ کا عرفان ہے
کربلا ہے عدلِ شاہِ مشرقین و مغربین   کربلا ہے عدلِ زہراؑ و علیؑ کا نورِ عین
کربلا معراجِ خاک و وحیِ ربّ العالمین   کربلا ذبحِ عظیم و موجۂ خونِ حسینؑ
یاں حسینی آئے ہیں جاں سے گذرنے کے لئے
آسماں اترے زمیں پر سجدہ کرنے کے لئے
کربلا ہے ہادیِ کُل اوّلین و آخریں   کربلا ہے روشنیٔ دیدۂ عین الیقیں
کربلا عقدہ کشائیٔ امیر المومنینؑ   کربلا ہے کاروانِ سیّدِ دنیا و دیں
صبرِ زینبؑ اور امامِ صابریں ہے کربلا
حلقِ اصغر اور شفیع المذنبیں ہے کربلا

کربلا ہے مجمع البحرینِ بطحا وُ نجف   کربلا ہے شہرِ علم و جادۂ بیت الشرف
کربلا بحرِ رضائے حق کا تابندہ صدف   کربلا ہر ظلم کے آگے ہے اب بھی سر بکف
جس طرف عدل و رضا ہیں، اس طرف ہے کربلا
ماہِ برجِ یثرب و دُرِّ نجف ہے کربلا
کربلا خاکِ شفا پر ہے شہیدوں کی نماز   کربلا شامِ غریباں کے چراغوں کا گداز
کربلا رہبر مناروں کی قطارِ ضَوطراز   کربلا نیزوں پہ روشن آفتابوں کا فراز
خونِ حق سے روشنی کے سلسلے قایم ہوئے
کربلا بن کر ہی طیبہ اور نجف دایم ہوئے
وقت کے سیلِ رواں میں ہر تمدن ہے حباب   ساری تہذیبوں کی، تعمیروں کی مٹی ہے خراب
پتھروں میں دفن ہو جاتے ہیں دُر ہائے خوش آب   صفحہ صفحہ اڑتی جاتی ہے تغیر کی کتاب
کربلا سے جب الجھتی ہے تب و تابِ زماں
دست بستہ سر جھکا دیتا ہے سیلابِ زماں
کربلا کہتا ہے، آ، اور میرے روز و شب کو دیکھ   یورشِ ظلمات میں شمعوں کی تاب و تب کو دیکھ
غاصبانِ حق کو جان اور طالبانِ رب کو دیکھ   جنگ کا مسلک سمجھ لے، امن کے مشرب کو دیکھ
کربلا کے قافلے کے ساتھ چلتی ہے حیات
پیچھے رہ جائے تو صدیوں ہاتھ ملتی ہے حیات
کربلا شوقِ سفر بھی، کربلا منزل بھی ہے   کربلا طوفان بھی ہے، کربلا ساحل بھی ہے
کربلا پیکان بھی، حلقوم بھی اور دل بھی ہے   ماورا ہر عہد سے، ہر عہد میں شامل بھی ہے
ہے ازل سے جادہ پیما رہ نوردِ کربلا
جس کو کہتے ہیں ابد، وہ بھی ہے گردِ کربلا
کربلا کے قافلے میں انبیا بھی ساتھ ہیں   وقت کا سیلاب بھی، قدر و قضا بھی ساتھ ہیں
فقر و صبر و ابتلا، عدل و رضا بھی ساتھ ہیں   مرتضیٰؑ بھی، فاطمہؑ بھی، مصطفیٰؐ بھی ساتھ ہیں
ڈھونڈتے ہیں اس کو خود قربانیوں کے قافلے
اس سے آ ملتے ہیں سب لافانیوں کے قافلے

شیر خوار اطفال بھی، پیر و جواں بھی ہم قدم   عصمتِ تطہیر کے پروردگاں بھی ہم قدم
فاطمہ کی بہوئیں بھی اور بیٹیاں بھی ہم قدم   آنے والی زندگی کے کارواں بھی ہم قدم
زندگی جن کے مقدر میں نہ تھی، کترا گئے
موت پر جو فتح پا سکتے تھے، وہ ساتھ آ گئے
بڑھتے ہیں صحرائے شب میں کچھ اجالے سر بکف   ناچتی ہے ہر کرن کے ساتھ پروانوں کی صف
گر رہے ہیں راہ میں کٹ کر اندھیروں کے خزف   آ رہے ہیں منتشر انوار نیّر کی طرف
گردشِ انوار سے ہیں روز و شب کی منزلیں
روشنی کے نقش ہیں پائے طلب کی منزلیں
نور کے اس قافلے کا ہر قدم ہے امتحاں   کچھ قدم چل کر پلٹ جاتے ہیں خود تیرہ دلاں
گردِ حرصِ زر گریزاں ہے، ہوس دامن کشاں   کرنیں بڑھتی جا رہی ہیں، گھٹ رہی ہیں بدلیاں
بھاگتی تاریکیوں پر مسکراتا ہے چراغ
نور پاروں کو قریب اپنے بلاتا ہے چراغ
روز اترتا اک مسافر شہسواروں سے الگ   شمع اک جلتی تھی ہر شب کو ستاروں سے الگ
اک حدیثِ شوق تھی قرآں کے پاروں سے الگ   چل رہی تھی موج اک طوفاں کے دھاروں سے الگ
ایک خیمہ روز لگتا تھا خیامِ گُل سے دُور
ایک غنچہ روز کھِلتا اژدہامِ گُل سے دُور
شاہِ گُل نے ایک دن توڑا یہ دُوری کا خمار   خامۂ بادِ صبا میں بھر کے رنگِ انتظار
برگِ لالہ کے ورق پر لکھا پیغامِ بہار   موجِ نکہت سے کہا "اے قاصدِ خوشبو شعار
غنچۂ تنہا کو دعوت قربِ گُل کی دے کے آ
اس کا خیمہ اس بہاریں قافلے میں لے کے آ"
نامۂ گل میں لکھا تھا "اے سخندانِ بہار   اے زہیر! اے محرمِ لب ہائے پیمانِ بہار
بے خبر تم کو کہ ہم ہیں روحِ قرآنِ بہار   سینۂ صحرا پہ اب لکھنا ہے فرمانِ بہار
اس گلستاں آفرینی میں ہمارا ساتھ دو
تم بھی موجِ گل ہو گل کے قافلے کا ساتھ دو"

یہ بھی لکھا تھا "تمھیں ہے علم اے نکہت صفات   آج طوفانِ خزاں کی زد میں ہے گُل کی برات
بجھ نہ جائیں شمعیں پھولوں کی بہت بھاری ہے رات   مانگتی ہے زندگی ہم سے بہارِ کائنات
آؤ بھر دیں اپنے زر سے آج دامانِ بہار
ہم لٹا دیں اپنا گھر، بچ جائے سامانِ بہار"
حرفِ نکہت پر زہیرِ غنچہ خو، گل جو، چلے   جس طرح سوئے ختن بچھڑا ہوا آہو، چلے
لہر دھارے میں، صبا کے دوش پر خوشبو چلے   سوئے دامن جس طرح ٹھیرا ہوا آنسو، چلے
غنچۂ لب بستہ ایمائے صبا سے کھل گیا
قافلے میں گلستاں کے پھول آکر مل گیا
جب بھی مہکا ہے گلِ نطقِ امامِ اصفیا   حرفِ صدقِ ابنِ قین اس کا تبسم بن گیا
آئی مسلم کی خبر، یہ غم گسار آنسو بنا   حُر نے روکی راہ تو یہ جاں نثار آگے بڑھا
پیاس کے سیلِ رواں میں فیض کا ساحل بنا
ہر غمِ شبیر کی خاطر دھڑکتا دل بنا
ٹوٹتے تاروں کی محفل میں مہِ کامل رہا   تشنگیٔ ساقیٔ کوثر میں بھی شامل رہا
ہر نفس امرِ رضا کے رمز کا حامل رہا   مسلکِ عشق و وفا پر مر کے بھی عامل رہا
کربلا پورا نہ ہوتا ایسے طاہر کے بغیر
ذکر ان کا تشنہ ہے ابنِ مظاہر کے بغیر
وہ حبیبؑ ابنِ مظاہر، شہ کے بچپن کا رفیق   معدنِ عشقِ حسینی کا درخشندہ عقیق
مرتبہ جس کا بلند اور معرفت جس کی عمیق   جس پہ احمدؐ مہرباں تھے، جس پہ حیدرؑ تھے شفیق
موت اسے چھو کر حیاتِ نو کا زینہ بن گئی
زندگی اس کی شہادت کا قرینہ بن گئی
مسلکِ شبیرؑ کا ایسا شہیدِ بے مثال   جس کی دوری کا رہا شاہِ شہیداں کو ملال
جس کو بلوانے کا آیا بنتِ زہراؑ کو خیال   ناصرِ حق نے کیا خود جس سے نصرت کا سوال
وہ یگانہ جس کی نصرت پر نبیؐ کو تھا یقیں
وہ مجاہد تیغ پر جس کی علیؑ کو تھا یقیں

وہ حبیبِ خاصِ محبوبِ رسولؐ کردگار   جس نے بچپن میں ہوئے شبیرؑ کے قول و قرار
جس کے پیماں پر تھا اتنا شاہِ دیں کو اعتبار   جانتے تھے، وہ جہاں بھی ہے، مرا ہے جاں نثار
دوست ایسا دور رہ کر بھی تھا جو سب سے قریب
نطق خاموشی میں بھی ہو جس طرح لب سے قریب

سب عزیزانِ حسینی تھے رفیقانِ سفر   ایک اک منزل بڑھی ہر جادہ پیما کی نظر
منزلیں سب اس نے طے کیں اپنے گھر میں بیٹھ کر   بندۂ حیدرؑ کی بھی ہجرت تھی فرشِ خواب پر
مطمئن دل مرضیِ معبود کا حامل رہا
اپنے گھر میں رہ کے بھی ہجرت میں وہ شامل رہا

تھا یقیں اس کو شہادت کا پیام آئے گا خود   لب پہ آیاتِ رضا کے اس کا نام آئے گا خود
جس پہ ہے رب کا سلام، اس کا سلام آئے گا خود   مقتدی کی پیشوائی کو امام آئے گا خود
صادق الاقرار کیسے بھول جائے گا اسے
وقتِ ایفا وعدۂ حق خود بلائے گا اسے

اس کو بلوائے گا حق پیغامِ خیبر کی طرح   اس کی آمد کربلا میں ہو گی حیدرؑ کی طرح
تیغ اس کی ڈال دے گی فتحِ سرور کی طرح   اس کا نیزہ سنگ میں اترے گا نشتر کی طرح
تھام لیں گے اس کے مرکب کی رکابیں جبرئیل
کھینچ دیں گے فرشِ گیتی کی طنابیں جبرئیل

تیغ ور ایسا کہ پیغامِ وغا اس تک گیا   دوست ایسا، قاصدِ حرفِ وفا اس تک گیا
وہ شہید ایسا کہ چل کر کربلا اس تک گیا   حرفِ شبیری کے پردے میں خدا اس تک گیا
بند کیں آنکھیں، علیؑ کا نورِ عین اس کو ملا
ہاتھ پھیلایا تو دامانِ حسینؑ اس کو ملا

رقعۂ دستِ صبا تھا اس کو مکتوبِ امام   کھل اٹھا یوں، جیسے پائیں گل بہاروں کا پیام
یوں اڑا مرکب، اڑا جیسے براقِ برق گام   شوق کی اک جست میں طے ہو گئے جادے تمام
اڑ کے بیٹھا بھی نہ ہوگا پہلی منزل کا غبار
دیکھا شاہِ کربلا نے سامنے اٹھتا غبار

ہو کے خوش عباسؑ سے بولا نبیؐ کا ورثہ دار   ہے خبر ہم کو کہ ہے اس گرد میں اک شہ سوار
پیشوائی کو بڑھو، آیا ہمارا جاں نثار   بولے اکبرؑ سے، اٹھو، تھامو لجامِ راہ وار
دور تک لینے انھیں عباسؑ اور اکبرؑ بڑھے
وہ اُدھر اترے، اِدھر سے سبطِ پیغمبرؐ بڑھے

وہ جھکے، یہ ہم بغل بڑھ کر ہوئے باصد تپاک   آگئے آنکھوں میں آنسو مسکرایا روئے پاک
سینہ چاکانِ چمن سے آملا اک سینہ چاک   ہو گیا تکبیر سے صحرا کا دل بھی تابناک
اک مجاہد کیا ملا پیاسوں کو لشکر مل گیا
شاہِ حق کے قافلے کو اپنا رہبر مل گیا

چونک اٹھیں خیمے میں زینبؑ نعرۂ تکبیر سے   اور فرمایا پلٹ کر فضۂ دل گیر سے
جا کے در تک پوچھ آؤ حضرتِ شبیرؑ سے   چھڑ گئی کیا جنگ آخر لشکرِ بے پیر سے
دیکھا فضہ نے، اٹھے ہیں اپنی کرسی سے حسینؑ
ہیں بغل گیر اپنے یارِ عہدِ طفلی سے حسینؑ

آکے زینبؑ سے یہ بولی وہ کنیزِ خوش خرام   ہو مبارک شاہزادی، شاد ہیں اس وقت امام
آپ نے اصرار کر کے جس کو بھیجا تھا پیام   آگیا بہرِ مدد کوفے سے وہ فرخندہ نام
ہیں محب شاداں، حبیب ابن مظاہر آگیا
ناصرانِ دیں میں چرچا ہے کہ ناصر آگیا

آ رہی ہیں اُس طرف فوجوں پہ فوجیں دل پہ دل   بڑھ رہی ہے کثرتِ تیرہ نگاہاں پل بہ پل
ہو رہے ہیں تیز سوفاروں کے لب نیزوں کے پھل   نعل بندی کر رہے ہیں روز اسوارِ اجل
ناکہ بندی ہے، رفیقِ شاہ کیوں کر آئیں گے
فکر تھی شبیرؑ کو، کیسے حبیب آپائیں گے

شاہزادی! نعرۂ تکبیر ہے اس واسطے   راہ میں کوفے سے یاں تک ہیں ہزاروں مرحلے
راستہ روکے ہوئے تھے فوجِ دشمن کے پرے   آفریں ابنِ مظاہر پر کہ پھر بھی آگئے،
بولیں زینبؑ، ان پہ روحِ پاکِ زہراؑ کا سلام
کہہ دو جا کر تم حبیبِ خاص سے میرا سلام،

در سے فضہ نے صدا دی یاورِ شبیرؑ کو   اے حبیب ابنِ مظاہر، اے رفیقِ صدق گو
کیوں نہ تم کو اپنی خوش بختی پہ اس دم ناز ہو   ثانیِ زہراؑ نے بھیجا ہے سلامِ شوق، لو
ناز ہے تم پر انھیں اے شہ کے نصرت آشنا
کیا کریں خاطر کہ ہم ہیں آج غربت آشنا
سن کے یہ جملے دلِ ابنِ مظاہر ہل گیا   پیٹ کر منھ اپنا اس ناموسِ غیرت نے کہا
یارب ایسا وقت آلِ پاکِ احمدؐ پر پڑا   بھیجے خادم کو سلام اس طرح بنتِ مرتضیٰؑ
یاد رکھا مر کے بھی زہراؑ کی دختر کا سلام
زادِ راہِ آخرت تھا شہ کی خواہر کا سلام
ان کے آنے سے ملی شبیرؑ کو طاقت نئی   جنگ میں دونوں ہی بازو ہو گئے حق کے قوی
میمنے کی رہبری کو تھا زہیر ایسا جری   میسرے میں تھی حبیب ابنِ مظاہر کی کمی
یہ بھی تھے محبوبِ حق اور وہ بھی تھے مطلوبِ حق
کر گئے ایجاد دونوں اک نیا اسلوبِ حق
کچھ مجاہد تو ازل سے نورِ حق کے ساتھ تھے   کچھ مجاہد نور کا مکتوب پا کر آ گئے
ایسے کتنے تھے جو آئے بن بلائے دُور سے   سینۂ ظلمت سے نکلے، روشنی میں آ گئے
کیا یہ ممکن ہے سفیرِ شب بنے تمہیدِ صبح ؟
پارۂ ظلمت تراشے جادۂ خورشیدِ صبح ؟
کون وہ آزاد ہے، تھی حرّیت جس پر نثار؟   ظلم کاروں میں رہا جو نور کا آئینہ دار
جو غلاموں میں رہا سردار با صد افتخار   شب بھر اپنی آگ سے روشن رہا جو شمع وار
شمع ایسی، نور میں جس کے ملے گا آفتاب
جس کے دامانِ ندامت پر کھلے گا آفتاب
خط گیا اس تک نہ قاصد، وہ حصارِ زر میں تھا   اس کا جوہر قید کانِ نقرہ و گوہر میں تھا
وہ ضمیرِ صدق کچھ دن جھوٹ کے پیکر میں تھا   تیشۂ خوابیدہ وہ بت خانۂ آذر میں تھا
اس کی پیاس ایسی تھی، کوثر خود وہاں تک آ گیا
وہ، جہاں جبریل جل جائیں، وہاں تک آ گیا

وہ دہم کی صبح تک گم گشتۂ و مضطر رہا   وہ رگِ جانِ ستم میں صورتِ نشتر رہا
ظلم کی خوابیدہ آنکھوں میں خلش بن کر رہا   عیش کی برسات میں تنہا وہ چشمِ تر رہا
وہ نہ آیا جب تلک، تھا بند دفتر شوق کا
منتظر اس کے لئے تھا کب سے لشکر شوق کا
وہ جو آیا، پو پھٹی، دروازۂ خاور کھُلا   حُجلۂ گُل وا ہوا، شہرِ صبا کا در کھُلا
اس نے باندھے ہاتھ اپنے، شوق کا شہپر کھُلا   باندھی نصرت پر کمر، شمشیر کا جوہر کھُلا
تیغ اس کی بن کے تمیزِ حق و باطل کھنچی
درمیانِ صبح و شب روشن حدِ فاصل کھنچی
تیغ اس کی آمریت کے شبستاں کا خلل   اس کا نیزہ نخلِ جدلیات کا دو شعبہ پھل
تیر اس کے نظمِ استحصال کو حکمِ اجل   اس کی تنہائی سے لرزاں اسلحوں کے تیرہ دل
وہ یزیدیت کا قاتل ہے مشیّت کی طرح
ہے سدا روشن ضمیرِ آدمیت کی طرح
ظلم کے سنگِ سیہ سے پھوٹنے والا شرار   پستیوں سے جاہ و منصب کی اٹھا وہ ابروار
آفتابِ رشد کی دوری سے تھا جو بے قرار   نور میں اپنے ہی طے کی اس نے حق کی رہ گزار
وہ ستارا، ٹوٹ کر جو راہ روشن کر گیا
کوثریوں کا ہراول بن کے تا کوثر گیا
تیغ کو اس کی علیؑ کے لال کا پرچم ملا   جرم کو دامانِ عفوِ سیّدِ اکرم ملا
زخم کو رومالِ بنتِ شافعِ عالم ملا   مرگ کو آلِ نبیؐ کا گریۂ پیہم ملا
زانوے شبیرؑ مرگ و زیست کی معراج ہے
خاکِ پائے شاہِ شاہاں اس کے سر کا تاج ہے
تھا نصیبا جن کا یاور، کربلا تک آ گئے   ذوقِ سجدہ تھا جنہیں قبلہ نما تک آ گئے
جو تھے معراج آشنا، خاکِ شفا تک آ گئے   جو رضا پرداز تھے، نفسِ خدا تک آ گئے
منزلِ تسلیم قلبِ مطمئن کے ہاتھ ہے
مرضیٔ حق خوش قدم خوش طالعی کے ساتھ ہے

تیز گامی غالب آئی موت پر اک وار میں   خام جذبے رہ گئے تھک کر رہِ دشوار میں
پہونچی منزل پر شہادت مستیِ کردار میں   سُست رو اُلجھے رہے پیمائشِ رفتار میں
ابر ایسے بھی ہیں رستے میں برس کر رہ گئے
حیف اُن پر جو شہادت کو ترس کر رہ گئے

کربلا ہے کربلا، ہر موج کا ساحل نہیں   کربلا ہر رہ نوردِ شوق کی منزل نہیں
کربلا تک جو نہ پہونچے عشق میں کامل نہیں   کربلا معراج ہے، ہر شخص کو حاصل نہیں
مسجدِ اقصیٰ سے سدرہ تک ہزاروں طور ہیں
چرخِ ہفتم پر رُکیں جو، وہ بھی حق سے دور ہیں

ناصرانِ کربلا میں ایسے حق جو یا بھی تھے   قید کی زنجیر لپٹی جن کے پائے شوق سے
کٹ گئیں جن کی زبانیں، سر قلم جن کے ہوئے   کربلا کی گرد سے محروم جن کے تن ہوئے
اب بھی دردِ نارسی پسماندگاں کے ساتھ ہے
ان کا غم بھی کربلا کے کشتگاں کے ساتھ ہے

پس رووں میں بھی تھے ایسے رہروانِ کربلا   تذکرہ جن کا ہوا جزوِ بیانِ کربلا ؛
بن گئے بعدِ شہادت جو زبانِ کربلا   تیغ ہے جن کی حسابِ قاتلانِ کربلا
وہ بھی سیلِ وقت تھے، جو آتے آتے رہ گئے
ان کی تلواروں میں تخت و تاج و ایواں بہہ گئے

ایک ایسا ہی مجاہد، ایک ایسا ہی جری   تھا مسیّب، جس سے واقف تھے حسینؑ ابنِ علیؑ
دور رہ کر تیغ جس کی نصرت آمادہ رہی   ظلم کے نرغے میں جس کو شاہ نے آواز دی
جس کے مرکب کے جلو میں سیکڑوں رہوار تھے
ہم رہاں جس کے اسیرِ گرمیِ رفتار تھے

کربلا ہونے لگا افواج سے آباد جب   ذرّہ ذرّہ بن گیا اس خاک کا رنج و تعب
گوشِ زینبؑ تک گیا اشرار کا شور و شغب   قلّتِ حق سے ہوئی افسردہ وہ صابر لقب
بھائی سے بولی کہ ناصر آپ کے آتے نہیں
آپ بھی کیوں دوستوں کو اپنے بلواتے نہیں

دیکھتی ہوں میں کہ فوجیں آ رہی ہیں بے شمار   تیر ہیں چلّوں میں لاکھوں، کھنچتی ہیں تیغیں ہزار
سنتی ہوں گھوڑوں کی ٹاپیں، اٹھتا ہے گردِ غبار   زلزلے میں ہے زمیں، ہے آسماں سینہ فگار
جانتی ہوں جان اپنی آپ کو پیاری نہیں
پر ہمیں تو اپنے سر کی چادریں بھاری نہیں
تک رہی ہیں آپ کا منہ پیاری پیاری صورتیں   آپ ہی کو دیکھ کر جیتی ہیں دل کی حسرتیں
آپ سے اطفال واہلِ بیت کی ہیں راحتیں   لبستۂ دامانِ دولت ہیں نبیؐ کی دولتیں
آپ کو ہیں غیر پیارے، ہم کو پیارے آپ ہیں
اس بھری دنیا میں لے دے کے ہمارے آپ ہیں
اے حسینؑ! اے ابنِ زہراؑ، اے حرم کی زندگی   اے علیؑ کی جاں، نبیؐ محترم کی زندگی
اس قدر آساں نہیں ہے چشمِ نم کی زندگی   کب تلک کاٹیں مسافر رنج وغم کی زندگی
آپ کے سر کے لئے دشمن کی تیغیں تیز ہیں
پر ابھی تک آپ کی نظریں کرم آمیز ہیں
اے کرم گستر، خدا کے مثل بندوں پر رحیم   رحمتِ عالم کے وارث، صاحبِ خُلقِ عظیم
اے کہ ہیں قبضے میں تیرے کوثر و باغِ نعیم   ہو نگاہِ لطف ہم پر بھی کریم ابنِ کریم
باغِ زہراؑ و علیؑ کا ہر شجر مغموم ہے
اس زمیں کی خاک قاتل ہے، ہوا مسموم ہے
گر نہیں ہے دھیان اپنا، غم ہمارا آپ کو   فکرِ عابدؑ چاہیئے کچھ تو خدارا آپ کو
کیا یتیمی ہے سکینہ کی گوارا آپ کو؟   کیا نہیں چھ ماہ کا اصغر بھی پیارا آپ کو؟
ہو جو خالق کی رضا تو صبر کرنا چاہیئے
پر نہ اپنی جاں پہ اتنا جبر کرنا چاہیئے
جانتا تھا خوب رمزِ صبر امامِ اتقیا   نفس کو اس کے خبر تھی، کیا ہے خالق کی رضا
علم تھا اس کو شہادت کی ہے منزل کربلا   اس پہ روشن تھا کہ زینبؑ صبر کی ہے انتہا
پر ابھی تو امتحانِ صبرِ زینبؑ دور تھا
بھائی ان کی دلنوازی پر ابھی مامور تھا

مسکرا کر شہ نے فرمایا کہ اے زہراؑ سیر   لاؤ کاغذ، خط لکھیں ہم، ہے تمہارا حکم اگر
ہو جو ممکن، دوستوں کی سمت بھیجیں نامہ بر   جانتی ہو ہر طرف پہرے لگے ہیں راہ پر
بھیجنا پیغام مشکل، دوست کا آنا محال
پر تقاضائے محبت کو بھی ٹھکرانا محال

گُل رقم، گُل آفریں نے لکھے مکتوبِ بہار   تھا جُدا ہر گُل کا عنواں اور اسلوبِ بہار
دے رہا تھا عشق کو آوازِ محبوبِ بہار   اے خوشا بخت ان کے، جو مضمون تھے مطلوبِ بہار
سامعہ بھی نامہ ہائے گل سے رنگیں ہو گیا
بعد مدّت کے رخِ زینبؑ بہاریں ہو گیا

نامہ ہائے گل میں تھا اک خط مسیّب کے بھی نام   تھا رقم "اے مرتبہ دانِ امام ابنِ امام
کربلا میں گھر گیا ہے فاطمہؑ کا لالہ فام   مکر پیشہ ظالموں سے کرنی ہے حجّت تمام
تم پہ لازم ہے کہ سبطِ مصطفیٰؐ کا ساتھ دو
نصرتِ حق کے لئے آؤ، خدا کا ساتھ دو"

سن کے خط اک ابر اٹھا چہرۂ مسرور سے   جس طرح پرچھائیں گزرے جگمگاتے طور سے
آئی یہ آواز زینبؑ کے دلِ مہجور سے   بھائی! دو حرف اور لکھیے خامۂ پرنور سے
'العجل' اے ناصرِ حق اے مسیب، 'العجل'
کہہ رہے ہیں انتظارِ شوق کے لب، 'العجل'

اُس طرف قاصد چلا، یاں کاروانِ روز و شب   اُس طرف پیغامِ گل، یاں آئے پیغامِ غضب
اس طرف آوازِ حق، یاں سدِّرہ بیعت طلب   اس طرف امیدِ ادب آموز، یاں غم بے ادب
اس طرف پیغامِ گُل پر سر بہ کف صفدر اٹھے
یاں چمن تاراج کرنے کے لئے لشکر اٹھے

دی صبا نے در پہ دستک، اے مسیّب ہوشیار   لائی ہوں میں نکہتِ مکتوبِ شاہِ گل شعار
کربلا کی خاک نے بھیجا ہے پیغامِ بہار   دل کی آنکھوں سے پڑھو تحریرِ رنگِ انتظار
دیکھو، بنتِ فاطمہؑ فرما رہی ہیں 'العجل'
ثانیِ زہراؑ تمھیں لکھوا رہی ہیں 'العجل'

پھینک کر سر سے عمامہ، پھاڑ کر اپنی قبا   گھر سے نکلا نامۂ گل پڑھتے ہی وہ باوفا
پابرہنہ، دل گرفتہ ہر روش پر دی صدا   سینہ چاکانِ چمن کو یاد کرتی ہے صبا
دیتے ہیں آواز پروانوں کو نکہت کے چراغ
چاہتے ہیں روشنی کا اجر عترت کے چراغ

گلشنِ احمدؐ کے گل آوارہ کہساروں میں ہیں   جن پہ شبنم ہے گراں، تیروں کی بوچھاروں میں ہیں
شاخ کا زیور ہیں جو غنچے، وہ تلواروں میں ہیں   کہکشاں ہے جن کی گردِ راہ، انگاروں میں ہیں
حجلۂ گل میں رہیں جو نکہتیں، صحرا میں ہیں
تشنہ لب کوثر کے دھارے ظلم کے دریا میں ہیں

دہر میں آباد ہیں لاکھوں کروڑوں آدمی   حاکمانِ بحر و بر بھی، وہ بھی جو دامن تہی
ہے مگر تاریخ میں بس اک حسینؑ ابنِ علیؑ   ابنِ زہراؑ، مالکِ مرضیِ حق، سبطِ نبیؐ
جو نہیں رکھتا ضمیر، اس کی صدا پر چپ رہے
حیف ہے اس پر، جو آواز رضا پر چپ رہے

سیکڑوں دل چیخ اٹھے، لبیک یا ابنِ رسولؐ   ہے تمھارا حکم جینے اور مرنے کا اصول
تم سے ہٹ کر زندگی بے کار ہے، مرنا فضول   تم پہ قرباں ہیں دل و جاں، اے دل و جانِ بتولؑ
گھر سے جب نکلے مسیّب، ساتھ اک لشکر چلا
کاروانِ حق رضا جوئی کے جادے پر چلا

کاروانِ ناصرانِ حق صبا رفتار تھا   وقت کے سیلِ رواں سے برسرِ پیکار تھا
جنگل آئے راہ میں تو برق کی تلوار تھا   کوہسار آئے تو وہ ابرِ سرِ کہسار تھا
سینۂ صحرا سے گذرا نعرۂ ہو کی طرح
مرغزاروں سے اڑا امواجِ خوشبو کی طرح

مرکبوں کے زیرِ پا تھی وہ شراروں کی برات   کھا رہا ہے جن کی قسمیں سورۂ والعادیات
راکب ایسے، تھیں رکابیں جن کی رقصاں کائنات   موت تھی جن کی کنیز اور ہم عناں جن کی حیات
اتنی تیزی سے چلے، تارِ نفس لرزاں ہوا
تھک گئی وارفتگی، پائے فرس لرزاں ہوا

ہانپ جائے شوق تو ہے تیز گامی ناروا   سانس ٹوٹے تو بلند آہنگ ہے قتلِ صدا
خام ہو شیشہ اگر تو شعلگی اُس کی فضا   ظرف ہو کم تو نظر کو تیرہ کرتی ہے ضیا
تیز گام آخر ہوئے گم دشتِ بے تعبیر میں
ہو گئے قید اپنی ہی رفتار کی زنجیر میں
آسماں پر چلتے چلتے تھک گیا جب آفتاب   روشنی نے ڈال لی رُخ پر اندھیرے کی نقاب
قافلہ سالار سے کہنے لگے یہ ہم رکاب   اے مسیّب، حوصلوں نے دیدیا ہے اب جواب
آج کی شب ڈال دیں ڈیرا اسی منزل پہ ہم
کل کی شب اتریں گے جا کر نہر کے ساحل پہ ہم
ہم رکابوں سے مسیّب نے تڑپ کر یہ کہا   دوستو! بس ایک ہی شب کا سفر ہے کربلا
نرغۂ اعدا میں ہے محصور ابنِ مصطفاؐ   مجھ کو ڈر ہے رات کا رکنا غضب ہو جائے گا
دل یہ کہتا ہے مرا، آساں نہیں رات آج کی
انتظارِ شوق پر بھاری ہیں ساعات آج کی
ایک شب تو ہے بہت ایک ایک لمحہ ہے گراں   کیا خبر کس حال میں ہو فاطمہؑ کا جانِ جاں
راستے بھر دیکھتے آئے ہو فوجیں ہیں رواں   ہو نہ یہ شب ہی کہیں ذوقِ سفر کا امتحاں
چند ساعت اور چل لینے میں دشواری نہیں
ہے تھکن ان کے لئے کیا، جان جنہیں پیاری نہیں
ایک دل میں بھی اُتر پائی نہ دردِ دل کی بات   ہو چکی تھی ہم رہوں کو اپنی ہی تیزی سے مات
ان کی قسمت کی سیاہی بن کے آئی تھی یہ رات   خوابِ غفلت تھا، جسے سمجھے تھے وہ غافل نجات
ایک شب سونا جواہر کی دکاں لٹوا گیا
قافلہ اہلِ شہادت کا انہیں ٹھکرا گیا
ہر مسافر کے لئے رکتا نہیں سیلِ زماں   کب براق و رفرف و دُلدل ہے ہر رخشِ رواں
کھینچ سکتی ہے طنابیں روزِ گیتی بھی کہاں   کر نہیں سکتی شہادت انتظارِ این و آں
تھک گئے تو زندگی دامن بچا کر بڑھ گئی
رُکنے والوں پر شہادت مسکرا کر بڑھ گئی

کھول تو دی تھی کمر، پر تھے مسیّب بے قرار   سونے والے سو گئے، سویا نہیں وہ جاں نثار
دیکھ کر تاروں کو وہ کرتا رہا ساعت شمار   کربلا کی سمت دل اڑتا رہا پروانہ وار
ساری دنیا سو رہی تھی، کربلا بیدار تھا
غافلوں کے درمیاں حق آشنا بیدار تھا
اے مسیّب! قیمت اس شب کی وفا والوں سے پوچھ   کتنا بھاری ہے ہر اک پل، کربلا والوں سے پوچھ
آج سونا کیوں غضب ہے، مصطفٰیؐ والوں سے پوچھ   جاگنا خوش طالعی کیوں ہے، خدا والوں سے پوچھ
پوچھ قدر اس شب کی قلبِ زینبؑ و کلثومؑ سے
پوچھ حال اس کا سکینہ کے دلِ معصوم سے
پوچھ ان بچّوں سے جو گہوارہ و بستر میں ہیں   پوچھ ان بہنوں سے جن کے بھائی اس شب گھر میں ہیں
اُن دِلوں سے پوچھ، ابھی جو سایۂ سرور میں ہیں   ان سروں سے پوچھ ابھی جو مقنع و چادر میں ہیں
دہر میں یہ آخری شب ہے شہِؑ ابرار کی
گھر میں ہے یہ آخری شب عابدِؑ بیمار کی
رات یہ بیدار اہلِ بیت کے نالوں سے ہے   رات یہ روشن سحر کی گود کے پالوں سے ہے
مستعد یہ شب طلایہ گرد متوالوں سے ہے   مضطرب موجِ عطش میں ڈوبنے والوں سے ہے
یہ شبِ بیداریِ جاں ہے، شبِ عاشور ہے
یہ شبِ صبحِ شہیداں ہے، شبِ عاشور ہے
ہے اسی شب پر سفر کی علّتِ غائی تمام   منزلیں سب ختم، شوقِ جادہ پیمائی تمام
اہلِ میثاقِ ازل کی وعدہ ایفائی تمام   ظلمت آرائی مکمّل، نور آرائی تمام
جو نہ جانے قدر اس شب کی، ابد ناخواندہ ہے
آج کی شب سونے والا حشر تک پس ماندہ ہے
اے مسیّب! سو گئے اس شب کے جادے پر اگر   نیند کو ترسیں گی اشک آلودہ آنکھیں عمر بھر
جو نہ پہنچے کربلا تک وقت کی آواز پر   زندگی اس کے لیے ہے نامرادی کا سفر
آج کی شب سو نہ جانا، جاگتا ہے کربلا
شور "ھل من ناصرٍ" سے گونجتا ہے کربلا

رات کے سینے کی ہے آواز، ہل من ناصر   چیختا ہے زندگی کا ساز، ہل من ناصر
ہے ہر اک پل مائلِ پرواز، ہل من ناصر   ہیں دریچے آسماں کے باز، ہل من ناصر
آج ہیں بے تاب زہراؑ اہلِ نصرت کے لئے
مصطفٰےؐ آتے ہیں جنّت سے شفاعت کے لئے
صبح ہونے آئی اٹھ اے جادہ پیمائے حیات   کھُلنے والا ہے فلک پر پرچمِ اہلِ نجات
ہے اُترنے کو زمیں پر آفتابوں کی برات   صبح کا دیباچہ بنتی جا رہی ہے کائنات
گونجنے والے ہیں دشت و در اذانِ شوق سے
سُن پیامِ نور کرنوں کی زبانِ شوق سے
یہ سحر ہے روشنیِ دیدۂ اہلِ یقیں   ہے اداسی اس کی روشن ہے ہنسی اس کی غمیں
یہ سحر ہے یا لہو میں غرقِ حیدرؑ کی جبیں   نم ہے اشکِ سیدہؑ سے اس کی خونیں آستیں
اس سحر کے راستے میں جو بھی تھک کر سو گیا
حشر تک کے واسطے اس کا مقدّر سو گیا
شب کی پلکوں سے ابھی ٹپکا نہ تھا نجمِ سحر   صبح نے پوری طرح کھولی نہیں تھی چشمِ تر
ناصرانِ حق اٹھے آنکھوں سے نیندیں جھاڑ کر   راکبوں کو لے اڑے رہوار دوشِ باد پر
راکبانِ حق شعاعوں سے بھی آگے تھے رواں
برق پا مرکب ہواؤں سے بھی آگے تھے رواں
گرد بھی تھی اِن کی آگے نور کی یلغار سے   کرنیں رستہ مانگتی تھیں راکب و رہوار سے
جھڑ رہے تھے چاند تارے شعلۂ رفتار سے   بھیک کا طالب تھا سورج تیغِ آتش بار سے
مرکبوں کو ضد کہ پہونچیں اک قدم میں کربلا
صبح کی کرنوں سے پہلے ہی بسا لیں کربلا
لاکھ اُڑیں گھوڑے ہوا کے دوش پر دیوانہ وار   طے کریں اک جست میں صحرا و شہر و لالہ زار
تیر کے مانند ہو جائیں کہستانوں کے پار   نور آخر نور ہے، کرنوں کے شہپر ہیں ہزار
خاک زادے نور کی رفتار چل سکتے نہیں
دائرے سے خاک کے باہر نکل سکتے نہیں

ایک منزل ہی چلا ہوگا ابھی یہ کارواں　　صبح نے روشن کیے آ کر زمین و آسماں
روشنی کے لمس سے شبنم ہوئی یوں پرفشاں　　بھیگی پلکوں پر ہو جیسے مسکراہٹ نغمہ خواں
کھُل گئیں کلیوں کی آنکھیں روشنی کی چاپ سے
طبلۂ گل گونج اٹھا دستِ صبا کی تھاپ سے

گُل بہ گُل غنچہ بہ غنچہ روحِ فطرت جاگ اٹھی　　موج میں رفتار، سبزے میں طراوت جاگ اٹھی
خاک میں روئیدگی، گلشن میں نکہت جاگ اٹھی　　کشمکش شہروں میں، صحراؤں میں وحشت جاگ اٹھی
صورتیں آئینوں میں جاگیں ہزار انداز سے
بھر گیا دامن فضا کا نغمہ و آواز سے

بال و پر زنجیر میں جاگے، شجر میں برگ و بر　　بازوؤں میں جاگ اٹھی انگڑائی آنکھوں میں نظر
خوں رگوں میں ہوگیا بیدار، پتھر میں شرر　　لشکروں میں اسلحے جاگے، دعاؤں میں اثر
آنسوؤں کو اِس طرف کرنوں کے شہپر مل گئے
اُس طرف دستِ جفا کو تیغ و خنجر مِل گئے

رخش ہائے نصرت آمادہ ہوئے چیں بر جبیں　　پے بہ پے ٹاپوں سے آتش زیرِ پا تھی خود زمیں
تھے فرس اڑتے بگولے، سُم تھے مہتاب آفریں　　تھے نقوشِ پا کہ زنجیرِ ہلالِ آتشیں
اٹھ رہی تھیں چار جانب سے صدائیں ’العجل‘
رُو کے دہراتی تھیں جنگل کی ہوائیں ’العجل‘

خواب کا کفّارہ تھی رفتارِ شوقِ بے قرار　　دوپہر تک منزلیں اڑتی رہیں مثلِ غبار
آفتاب آیا سروں پر چاک دل سینہ فگار　　اس کی چشم آلودۂ خوں تھی، قبا تھی تار تار
روبرو تھا کیا کہ تھے سورج کے تیور خشم گیں
تاجِ زر تھا شعلہ افگن دیدۂ تر خشم گیں

آتشیں منظر نے دیکھا دور سے اٹھتا غبار　　گرد کی چادر میں لپٹا آرہا تھا اک سوار
روک کر لائے اُسے پیشِ مسیب جاں نثار　　ناصرِ شبیرؑ نے پوچھا یہ اُس سے بار بار
”آ رہا ہے کس جگہ سے، اور کہاں جاتا ہے تو؟
تیرا چہرہ کہہ رہا ہے، کچھ خبر لاتا ہے تو؟“

بولا وہ ”میں اس جگہ سے آ رہا ہوں یا اخی   نام جس کا کربلا ہے، جنگ ہے جس جا ٹھنی
میں سپہ سالارِ فوجِ شام کا ہوں ایلچی   حاکمِ کوفہ کو پہونچانی ہیں خبریں جنگ کی“
کربلا کے ذکر سے رنگِ مسیّب فق ہوا
بات سن کر جنگ کی ناصر کا سینہ شق ہوا
ایلچی کا ہاتھ لے کر ہاتھ میں بولے شتاب   ”جلد کہہ کس حال میں ہے جانشینِ بوترابؑ
جنگ کا کیا طور ہے اور فوج کا ہے کیا حساب   جب چلا تو کربلا سے، تھا کہاں پر آفتاب
یثرب و بطحا کے لشکر ہوں گے شاہِ دیں کے ساتھ
اہلِ کوفہ تو بہت کم ہوں گے فوجِ کیں کے ساتھ“
مخبرِ حاکم نے دیکھا رنگِ روئے جاں نثار   اور کہا ”کیا پوچھتے ہو فوجِ حاکم کا شمار
ایک نقطے پر سمٹ آئے ہیں امصار و دیار   جائے جس حد تک نظر، ہیں جمع پیدل اور سوار
ابنِ حیدرؑ کی مدد کو کتنے لشکر ساتھ تھے ؟
بچّے بوڑھے سب ملا کر کُل بہتّر ساتھ تھے “
”تھے کہ ہیں ؟ کیا کہہ رہا ہے اے سفیرِ فوجِ شام   مختصر ہے اس قدر فوجِ امام ابنِ امام ؟
تو غلط کہتا ہے، کیسے مان لوں تیرا کلام   صرف کوفے ہی سے بھیجا تھا ہزاروں نے پیام
ساتھ کیا شبیرؑ کے پورے بہتّر بھی نہیں ؟
کیا علیؑ کے خانوادے کے غضنفر بھی نہیں ؟“
رہ گیا نظریں چرا کر سر جھکا کر نامہ بر   جب مسیّب نے جھنجھوڑا، تب کہا کچھ سوچ کر
”ہاں، بہتّر ناصرانِ شاہِ دیں تھے تا سحر   اہلِ کوفہ میں سے ہوں گے ساتھ گنتی کے نفر
تیروں کی پہلی ہی بارش میں یہ لشکر کٹ گیا
یاورانِ شمعِ حق کا حلقہ آدھا گھٹ گیا“
پوچھا آخر کب پڑی تھی چوبِ طبلِ جنگ پر   جنگ کی عجلت تھی ابنِ سعد کو کیوں اس قدر ؟
بولا وہ، کل کربلا پہونچا جو شمرِ خیرہ سر   صلح کے رستے ہوئے مسدود آلِ پاک پر
وہ تو چڑھ دوڑا تھا کل ہی خیمۂ اطہار پر
جنگ اک شب کو ٹلی شبیرؑ کے اصرار پر“

آج بعدِ فجر بھی کہتے رہے ابنِ رسولؐ   ہیں بجُز بیعت بہت سے راستے مجھ کو قبول
جنگ اپنے جد کی امت سے نہیں میرا اصول   جو سمجھتا ہے مجھے کمزور، ہے یہ اس کی بھول
کوفے والوں کو سب ان کے خط دکھائے بار بار
وعدہ و پیغام یاد ان کو دلائے بار بار
اپنے حق جتلائے، اپنی بات سمجھائی ہزار   بن کر ان کے ترجماں آئے زہیرِ نام دار
شِمر سے چوٹیں چلیں، حُر آگے آیا بے قرار   کی حبیب ابن مظاہر نے نصیحت بار بار
کھب رہے تھے دل میں حرفِ سبطِ پیغمبرؐ کے تیر
تب چلے قطعِ سخن کرنے کو حرصِ زر کے تیر”
“پوچھا، ہوں گے نہر پہ ابنِ محمدؐ کے خیام”   “ساتھ ہیں اطفال، ہوگا کچھ رسد کا انتظام؟”
ایلچی بولا کہ “ہیں وہ تین دن سے تشنہ کام   ساتویں سے بند ہے بچوں پہ بھی آب و طعام”
آل کے خیموں سے جب جنگل میں آتی ہے ہوا
العطش کی تشنہ آوازیں سُناتی ہے ہوا”
سُنتے ہی یہ ناصرِ شبیرؑ کا دِل ہل گیا   ساتھیوں سے رُو کے بولے “ڈوب مرنے کی ہے جا
میں نہ کہتا تھا کہ بس شب کا سفر ہے کربلا   کیا خبر تھی رات کا رکنا غضب ہو جائے گا
جان رہے یا جائے، اک پل بھی نہ ہو رفتار کم
وقت ہے کم، رہ گئے ہیں شاہ کے انصار کم”
گھوڑے یوں دوڑائے گیتی کی طنابیں کھنچ گئیں   ہر قدم پر سو قدم آگے بڑھی خود ہی زمیں
تھی عرق میں غرق راکب اور مرکب کی جبیں   کوہ پیما ہر قدم، ہر جست منزل آفریں
رُک نہیں سکتی تھی مرکب اور راکب پر نظر
تھک کے رک جاتی تھی قدموں کے کواکب پر نظر
سامنے سے پھر اٹھا اک بار اک رقصاں غبار   پاس پہنچے تو نظر کے سامنے تھا اک سوار
حق کے ناصر آئے اس کے پاس ہو کر بے قرار   بولے، واقف ہو تو کہہ کچھ کربلا کا حالِ زار
آنے والے نے کہا “اب ختم پر ہے کربلا
آلِ عبدالمطلب کے خوں میں تر ہے کربلا”

پوچھا "کیا انصار میں کوئی نہیں باقی بچا؟ کیا ہوئے ابنِ مظاہر اور ابنِ عوسجہ؟
کیا زہیرِ قین نے بھی اپنی جاں کردی فدا؟ آلِ ہاشم قتل ہو، کس طرح یہ ممکن ہوا؟"
ایلچی بولا "کہاں ہیں اب مددگارِ حسینؑ؟
ظہر ہی کے وقت تھے گنتی کے انصارِ حسینؑ"
اس طرح ابنِ علیؑ نے کی نمازِ عشق ادا جنگ بندی پر نہ آمادہ ہوئے اہلِ جفا
مقتدی آکر ہوئے استادہ پیشِ مقتدا شہ اٹھے سجدے سے اور دنیا سے اٹھے باوفا
ہمتِ ابنِ مظاہر اٹھ چکی تھی دہر سے
تشنہ لب لڑتے کہاں تک ناوکوں کی لہر سے"
ٹوٹ کر آیا جو تارا اسلحوں کی رات میں ہوگیا گم نیزہ و شمشیر کی برسات میں
ہر مجاہد کے لئے تھے تیر لاکھوں گھات میں ظلم کے خنجر جو ٹوٹے، آئے پتھر ہات میں
حُر، زہیر و جون و ابنِ عوسجہ جاتے رہے
عابس و نافع، بریر و حنظلہ جاتے رہے
بعد ان کے کام آئی آل و اولادِ عقیل لڑنے آئے مرتضیٰؑ کے ماہتابانِ جمیل
جاں سے گذرے بنتِ زہراؑ کے نجومِ بے عدیل موت کا دولہا بنا ابنِ حسنؑ ایسا شکیل
جب چلا میں کربلا سے، آہ بھرتے تھے حسینؑ
پارہ پارہ جسمِ قاسم جمع کرتے تھے حسینؑ
کہتے ہیں کل رات ہی نوشہ بنا تھا وہ جواں تھا گلے میں ہار، ہاتھوں میں گلوں کی بدھیاں
رُخ پہ تھا نورِ حسن، لب پر تبسم تھا عیاں کیا خبر لاشے تک آئی ہوگی کیسے بیوہ ماں
اس کے مرنے پر سنا رامی نہ ہوتے تھے حسینؑ
دیکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ روتے تھے حسینؑ
اب تو بس اک بھائی لشکر کا علمبردار ہے اک پسر ہے جو شبیہِ احمدِ مختارؐ ہے
اور اک فرزند، مدت سے سُنا، بیمار ہے گھر میں بہنیں بیٹیاں ہیں، عترتِ اطہار ہے
دو سروں کا فاصلہ ہے موت اور شبیرؑ میں
پھر تو ہوگا خونِ زہراؑ دامنِ شمشیر میں"

یہ خبر تھی یا مسیّب کے لئے تلوار تھی   چشم تا دامن رواں خونِ جگر کی دھار تھی
خاک تھی آنکھوں میں دنیا زندگی بیزار تھی   دوپہر کی دھوپ بھی ظلمات کی بوچھار تھی
غم سے چلّائے ”غضب ہے اے فدایانِ حسینؑ
تیز دوڑو، تیز تر، خطرے میں ہے جانِ حسینؑ

دوستو! دوڑو، نبیؐ کا خانماں مٹنے کو ہے   مرتضیٰؑ و فاطمہؑ کا گلستاں مٹنے کو ہے
علم کا در اور وحی کا آستاں مٹنے کو ہے   کعبے کی حرمت، مدینے کا نشاں مٹنے کو ہے
یہ نہ ہو رہ جائیں ہم آنسو بہانے کے لئے
چاہیئے عجلت نبیؐ کو منہ دکھانے کے لئے“

راکب و مرکب بڑھے طوفاں کے دھاروں کی طرح   تیغیں تڑپیں پہلوؤں میں برق پاروں کی طرح
آنکھ میں آنسو تڑپ اٹھے شراروں کی طرح   دل بھرے آتے تھے ہر دم آبشاروں کی طرح
اک سوار آیا قریب اڑتا ہوا کے دوش پر
جیسے تارا ٹوٹ کر دوڑے فضا کے دوش پر

غم زدہ چلّائے، اک دم کو ٹھہر جائے سوار   بن گئے دیوار اس کے راستے کی بے قرار
اس نے کھینچی باگ تو دوڑے مسیّب برق وار   پوچھا ”کیوں انداز سے تیرے ہے وحشت آشکار
خیر تو ہے، ہے ابھی قرآں کے پاروں کا امام؟
کہہ دے زندہ ہے ابھی ہم جاں نثاروں کا امام؟

سن لیا ہے، کٹ گئے انصار و اصحاب و غلام   ہو چکی ہے خونِ عترت سے زمیں گلگونہ فام
ہے خبر، بھائی بھتیجے آچکے سب حق کے کام   ہے مگر عبّاس کی شمشیر ابھی تک بے نیام
ان کے ہوتے آنچ آئے شاہ پر، ممکن نہیں
ابر چھائے فاطمہؑ کے ماہ پر، ممکن نہیں“

” دیکھا ہے صفین نے عبّاس کا جاہ و جلال   تیغ ان کی ذوالفقارِ مرتضیٰؑ کی ہے مثال
سنتے ہیں ان سے نہیں کم تیغِ اکبر کا کمال   ان کے ہوتے کوئی دیکھے شاہِ دیں کو، ہے محال
ساتھ کے کھیلے نہیں ہیں گود کا پالا تو ہے
باپ کے پہلو میں اٹھارہ برس والا تو ہے“

سر جھکا کر بولا ہرکارہ کہ اے آشفتہ سر　”تو کہاں ہے؟ جنگ کی تجھ کو نہیں کوئی خبر
ہیں کہاں عباسؑ اب دنیا میں، اکبرؑ ہیں کدھر؟　ان کے بازو کٹ گئے اور چھِد گیا ان کا جگر
پرچمِ عباسؑ سینے سے لگائے تھے حسینؑ
میں چلا تو لاش پر اکبرؑ کی آئے تھے حسینؑ“

پوچھا ”کیسے کٹ گئے عباسؑ کے بازو، بتا　کس کی ہمت تھی کہ ان پر وار کرتا برملا
سائے میں تیغوں کے کرتے ہوں گے وہ سجدہ ادا　تب کسی بزدل نے ماری ہو گی شمشیرِ دغا
بولا وہ سجدوں پہ تھا بھاری قیام اس شیر کا
ہے وفائے عشق کا سرنامہ نام اس شیر کا

ہاتھ باندھے تھے علم اور مشک نے جرار کے　اس پہ بھی جوہر کھلے جب شیر کی تلوار کے
معرکے یاد آ گئے سب جعفرِ طیارؑ کے　وار دیکھے ذوالفقارِ حیدرِ کرارؑ کے
آئے تھے جنگاہ میں وہ صفدرِ پانی کے لئے
ان کی آبِ تیغ تھی دریا رسانی کے لئے

مکر نے چھپ کر کیا دو مرتبہ شانوں پہ وار　ایک مشکیزے پہ ہر سو سے چلے ناوک ہزار
پھر نہ سنبھلے، ہو گئے جب تیر مشکیزے کے پار　دی صدا، لیجے سلام اے سیدِ والاتبار
یادگارِ تشنگی مشک و علم لے جائیے
آپ امانت اپنی اے صاحب حشم لے جائیے

آئے تھے عباس کے لاشے پہ جب مقتل میں شاہ　دست گیری کے لئے تھا ہم قدم نورِ نگاہ
پر گرا سینے پہ نیزہ کھا کے جب وہ رشکِ ماہ　ہو گئے شبیرؑ کی نظروں میں دو عالم سیاہ
ڈھونڈتے تھے ہر طرف اکبر نظر آتا نہ تھا
آنسوؤں میں گم شدہ گوہر نظر آتا نہ تھا

جب صدا دیتے تھے یاد آتی تھی اکبر کی اذاں　دل کو یوں پکڑے تھے لگتی تھی کلیجے پر سناں
دشمنوں سے پوچھتے تھے میرا اکبر ہے کہاں　قتل کرنے والوں کی آنکھوں سے آنسو تھے رواں
ایک بی بی خیمے سے نکلی تھی گھبرائی ہوئی
سر پہ بے ترتیب چادر آنکھ شرمائی ہوئی

بھاگتی، رکتی سنبھالے اپنی چادر آئی تھی   لاشِ اکبر دیکھ کر "وا اکبرا" چلائی تھی
اس کی ہی آوازِ بیٹے تک پدر کو لائی تھی   لوگ کہتے ہیں کہ وہ شبیرؑ کی ماں جائی تھی
چال کہتی تھی کہ مجمع میں کبھی آئی نہیں
چہرہ کہتا تھا کہ مدّت سے ہنسی آئی نہیں"
پیٹ کر اپنا سر و سینہ مسیّبؔ نے کہا   ہائے تنہا ہے، ہجومِ فوج میں آقا مِرا
دوستو اگر ہو گئے قتل آج امامِ دوسرا   حشر میں پکڑیں گی دامن کو ہمارے فاطمہؑ
شافعِ محشر کو کیسے اپنا منہ دکھلاؤ گے
جاں بچا کر کتنے دن دنیا میں رہنے پاؤ گے
بے بسی الجھی ہوئی تھی تیزیِ رفتار سے   کوئی دیتا تھا صدائیں سینۂ کہسار سے
شورِ فریاد و فغاں اٹھتا تھا برگ و بار سے   آتی تھی آوازِ ھل من ناصرِ اشجار سے
ڈوبتے سورج سے یوں شعلے کبھی بھڑکے نہ تھے
آسماں سے خون کے بادل کبھی برسے نہ تھے
اٹھ رہی تھی ایسی آندھی، رنگ تھا جس کا سیاہ   تھا ہوا میں وہ غضب، ممکن نہیں جس سے پناہ
آسماں پر کوڑے برساتی تھی بجلی کی سپاہ   ہل رہی تھی یوں زمیں ہونے کو ہے جیسے تباہ
راکبوں کو مرکبوں کے سر نظر آتے نہ تھے
خوف سے پلکوں تک اشکوں کے گہر آتے نہ تھے
دم لیا طوفاں نے اک پل ٹھیری محور پر زمیں   اتنا بھڑکا تھا کہ اب بجھنے کو تھا مہرِ مبیں
خون رونے سے ہوئی تھی سرخ افق کی آستیں   دل کے دورے سے عرق میں تر فضا کی تھی جبیں
روح تھی بے چین، جسموں کے قفس کو توڑ دے
جاں فروشی کو تھی ضد، تارِ نفس کو توڑ دے
اتنے میں طوفاں کے دامن سے گرا اک نامہ بر   فالِ بد اترے مجسم ہو کے جیسے خاک پر
چیخ کر بولے مسیّب، کربلا کی دے خبر   اس نے دیکھا ناصرانِ حق کو گھوڑا روک کر
پوچھا جاتے ہو کدھر گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے
کس لئے پھرتے ہو یوں جنگل میں گھبرائے ہوئے

„کربلا کی خاک نے شبیر سے سب لے لیا   آخری سوغات تھی اک غنچۂ نو کی ضیا
کہتے تھے پانی اسے دے کوئی بہرِ کبریا   تیر کے مسموم جھونکے سے ہوا گُل وہ دیا
وہ سمجھتے تھے اسے پانی پلانے لائے ہیں
یہ نہ تھا معلوم مٹی میں ملانے لائے ہیں
کربلا کا حال سن کر کیا کریں گے دیر گام   اب وہاں کیا رہ گیا ہے، ہو گیا قصہ تمام
آبِ خنجر سے ہوا سیراب حلقِ تشنہ کام   کٹ گیا سر، عصر کے سجدے میں تھے جب دم امام
آسماں سے آتی تھی ”ہائے حسینا“ کی صدا
خاک سے آتی تھی ”ماں جائے حسینا“ کی صدا
کہتے ہیں جب ہو رہا تھا ذبح خالق کا ولی   خیمے سے نکلی تھی گریاں فاطمہؑ کی لاڈلی
ڈھل گیا تھا سر سے مقنع، خاک تھی رُخ پر مَلی   کر رہی تھی منتیں جلّاد کی بنتِ علیؑ
مت جدا کر تن سے تو، امت کے شیدائی کا سر
دے اجازت آ کے رکھ لوں گود میں بھائیؑ کا سر
بنتِ احمدؐ نے اِسے پالا ہے چکی پیس کر   احمدِ مرسل نے بٹھلایا ہے اس کو دوش پر
اس کے گہوارے سے مس ہو کر ملے فطرس کو پَر   آتے تھے جبریل جب ہوتی تھی اس کی آنکھ تر
بے کسوں، بیواؤں، بچّوں کا سہارا ہے یہی
اب تو لے دے کے زمانے میں ہمارا ہے یہی
ساتھ اس بی بی کے اک بچّی بھی کرتی تھی بکا   ننھے ننھے ہاتھ جوڑے کر رہی تھی التجا
چھوڑ دے بابا کو میرے اے شقی، بہرِ خدا   تین دن کے بھوکے پیاسے پر ذرا تو رحم کھا
چند رونے والیاں ہیں اور اک بیمار ہے
اس لُٹے گھر کا یہی تو مالک و سردار ہے
ہو گئے یہ قتل تو گھر ہم کو لے جائے گا کون   غم زدوں کے غم میں آنسو اپنے ٹپکائیگا کون
اکبر و عباس اور قاسم کو دفنائے گا کون   اماں اصغر کے لئے روئیں تو سمجھائے گا کون
حشر تک میں کربلا آنے نہیں دوں گی انہیں
وعدہ کرتی ہوں، مدینے لے کے جاؤں گی انہیں

کھول دیں آنکھیں، سنی جب مرنے والے نے بکا — "ہائے بیٹی" کہہ کے تڑپے غش میں بھی شاہ ہُدا
آنکھ کرلی بند جب دیکھا بہن کو بے رِدا — شمر سے بولے کہ اب سر کاٹ لے رکتا ہے کیا
میں چلا تو بی بیاں بیٹھی تھیں فرشِ خاک پر
نوکِ نیزہ پر تھا سر، کہرام تھا افلاک پر

فتح نامے لکھ رہے ہیں سینکڑوں پرچہ نویس — کر رہے ہیں اہتمامِ جشن لشکر کے رئیس
دیتے ہیں انعام کی امید میں گوہر خسیس — زر ہیں اتری ہیں، نکل آئی ہیں پوشاکیں نفیس
کھیل کچھ شاید ہوں جشنِ فتح مندی کے لئے
گھوڑے لائے جا رہے تھے نعل بندی کے لئے"

پھینک کر اپنا عمامہ، پھاڑ کر اپنی قبا — پیٹ کر منہ اپنا رو رو کر مسیب نے کہا
زندگی بے کار ہے اب اور سفر بے مدعا — رہ گئے ہم سست گام اور قافلہ جاتا رہا
دوستو پھاڑو گریباں سوگواروں کی طرح
عمر بھر جینا ہے اب ماتم گساروں کی طرح

کیا خبر تھی خوابِ شب خوابِ قضا ہو جائے گا — بند ہو گی آنکھ تو گم مدعا ہو جائے گا
جانتے کیا تھے کہ رکنا سانحہ ہو جائے گا — حشر تک کو دور ہم سے کربلا ہو جائے گا
عمر بھر روتے رہے چشم و دلِ محزوں تو کیا
قاتلوں سے لے لیا بھی انتقامِ خوں تو کیا

ہم رکابوں سے مسیب نے کہا" واپس چلو — کربلا تک جائیں گے کس منہ سے ہم اے دوستو
کس زباں سے دیں گے پُرسا بھائی کا ماں جائی کو — سیدِ سجادؑ پوچھیں گے کہاں تھے ناصرو
ہم سے در ماندہ تو پُرسے تک کے بھی قابل نہیں
دوستو! اب کربلا جانے سے کچھ حاصل نہیں"

کاش کہتا کوئی کیا کرتے ہو اے یارو غضب — اے مسیب! کربلا میں ہے تمہارا کام اب
سن چکے ہو نعل بندی کر رہے ہیں بے ادب — ہونے کو ٹاپوں سے ہے پامال نعشِ تشنہ لب
لوگ بڑھ بڑھ کر ہر اک لاشہ اٹھائے جائیں گے
پائمالی کے لئے شبیرؑ ہی رہ جائیں گے

اے مسیّب! دل میں کیوں لاتے ہو شکوے کا خیال   سیدِ سجادؑ ہیں بیماری و غم سے نڈھال
"العجل" زینبؑ نے لکھوایا تھا، ہے اس کا ملال   اور وہاں سر ردائیں چھینتے ہیں بد خصال
اے مسیّب اب بھی زینبؑ چیختی ہے "العجل"
آدمیت سے سکینہ کہہ رہی ہے "العجل"
اے مسیّب کربلا آواز دیتا ہے ابھی   کہہ رہے ہیں اب بھی "ہل من ناصر" ابنِ علیؑ
دوڑو، لے کر جا رہے ہیں آگ خیموں میں شقی   لٹ نہ جائے چادرِ زہراؑ و آثارِ نبیؐ
نیزے پرسہ دے رہے ہیں باپ کے غم خوار کو
آئے ہیں طوق و سلاسل تھامنے بیمار کو
اے مسیّب کربلا سہما ہوا ہے آج رات   غم زدہ ہیں، اک جلا خیمہ ہے، اک ٹوٹی قنات
پلکوں پر ٹھہری ہے اشکوں کے چراغوں کی برات   ہے سراسر حسرت و حرماں دلوں کی کائنات
اے مسیّب تم تو خود حسرت کا اک عنوان ہو
حالِ غم دشمن بھی پوچھے تو بڑا احسان ہو
کربلا کہتا ہے سن اے ناصرِ ناکامِ حق   کربلا صبحِ دہم ہے، کربلا ہے شامِ حق
کربلا ہے تیز گاموں کے لئے انعامِ حق   کربلا پسماندگاں کے واسطے پیغامِ حق
کربلا آغاز بھی ہے کربلا انجام بھی
کربلا ہے کربلا بھی، کوفہ بھی اور شام بھی
کربلا تک آ کے پلٹو بھی تو جاؤ گے کہاں   جس طرف جاؤ گے، ہوگا کربلا موجود واں
کربلا لیتا رہے گا ہر قدم پر امتحاں   حشر تک ہوگا حسابِ دوستان و دشمناں
کون کہتا ہے ہوا ہے کربلا کا خاتمہ
کیا یہ ممکن ہے کہ ہو عدل و رضا کا خاتمہ
کربلا حق کے رضا جویوں کی تلواروں میں ہے   کربلا عشاق کے سینوں میں، دل پاروں میں ہے
کربلا آہوں میں خون و اشک کے دھاروں میں ہے   کربلا جشنوں میں، درباروں میں، بازاروں میں ہے
کربلا ہے زندگی اور زندگی ہے لازوال
کربلا خود آگہی ہے، آگہی ہے لازوال

(۸ ستمبر ۱۹۷۵ء سے ۲۸ نومبر ۱۹۷۵ء تک)

تشکّر:

اس مجموعے کی اشاعت کے محرک ڈاکٹر مہدی حسن پروفیسر اناٹومی، جے این میڈیکل کالج ہیں۔ ان کے اصرار اور ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی کی سعی و محبت نے کتابت و تصحیح کے مراحل آسان کیے۔ اگر ڈاکٹر اشرفی کی کاوش شریک حال نہ ہوتی تو شاید ابھی برسوں اس جلد کی ترتیب و اشاعت شرمندۂ تکمیل رہتی۔ میں ان دونوں دوستوں کا شکر گذار ہوں۔

سراج رسولپوری نے اس سے قبل بھی میرے تیسرے شعری مجموعے "زنجیر کا نغمہ" کی کتابت بڑے خلوص سے کی تھی۔ اس مجموعے کا بڑا حصّہ انہی کے موئے قلم کا مرہون ہے۔

مرثیے کے قدردان دوستوں میں پروفیسر سید اظہار حسین (ریاضیات)، رضوان حسین (انگریزی)، پروفیسر منظر عبّاس (اردو)، ڈاکٹر عباس موسوی (لایف سائنس)، ہمایوں ظفر زیدی، مہدی حیدر، پروفیسر محمد حسین رضوی، قاضی عیاذ انصاری، عقیل غروی، سید محمد وصی اور سید وقار حسین (انگریزی)، کا اصرار بھی مرثیوں کی اشاعت کا محرک رہا ہے حیدرآباد کے بزرگوں میں سید مجتبیٰ احمد مرحوم اور دوستوں میں سیّد اختر زیدی، سردار جعفری، مغنی تبسّم، عزیزوں میں سیّد علمدار موسوی، سیّد حیدر مہدی اور علی قلی قزلباش وقتاً فوقتاً مرثیوں کی اشاعت کے لیئے اصرار کرتے رہے ہیں اس مجموعے کی طباعت کا اہتمام برادرم انجم نعیم نے کیا اور سید لطیف حسین کاظمی نے ترتیب میں مدد کی۔ ان دونوں کا ممنون ہوں۔

میری شاعری اور ادبی و علمی کاموں کی محرّک سیّدہ ماہ لقا قزلباش کا مجھ پر اتنا قرض ہے جسے شکریہ کے الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کی اشاعت سے قبل وہ ۳ر جولائی ۸۸ء کو امریکی بربریت کے ہاتھوں شہیدہ ہوگئیں۔ خدا انہیں جوارِ حضرت فاطمہؑ و ثانیِ زہراؑ میں جگہ عطا فرمائے۔

سیّد وحید اختر

کُلُّ اَرْضٍ کَرْبَلَا
کُلُّ یَوْمٍ عَاشُوْرَہ